مضامینِ ابوالکلام آزاد



ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس دہلی

مضامینِ ابو الکلام آزاد

جلد اوّل

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

مضامینِ ابوالکلام آزاد

مُرتّبہ

سید سفارش حسین

ہندستانی پبلشنگ ہاؤس، دہلی

مطبوعہ جیّد برقی پریس دہلی۔
مئی ۱۹۴۴ء

فہرست مضامین

مقدمہ

پچھلی دو تین صدیوں میں ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن غیر محسوس طریقے پر رو بانحطاط تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے اس پکے ہوئے ناسور میں گویا نشتر لگا دیا۔ پھر موجودہ صدی کا ابتدائی زمانہ تو ایسے گوناگوں مصائب و آلام کا حامل تھا جس نے ہندستانی مسلمان کے رہے سہے ہوش بھی اڑا دیئے۔ اس کی امیدوں کے تار مکڑی کے جالے کی طرح تھے کہ بادِ مخالف ئے ہلکے سے جھونکے کی تاب بھی نہ لاسکے اور کچھ اس طرح منتشر ہوئے کہ یہ مبہوت ہوکر رہ گیا۔

مقدمہ

پچھلی دو تین صدیوں میں ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن غیر محسوس طریقے پر رو بانحطاط تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے اس پکے ہوئے ناسور میں گویا نشتر لگا دیا۔ پھر موجودہ صدی کا ابتدائی زمانہ تو ایسے گوناگوں مصائب و آلام کا حامل تھا جس نے ہندستانی مسلمان کے رہے سہے ہوش بھی اڑا دیے۔ اس کی امیدوں کے تار مکڑی کے جالے کی طرح تھے کہ باد مخالف کے ہلکے سے جھونکے کی تاب بھی نہ لا سکے اور کچھ اس طرح منتشر ہوئے کہ یہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

تقسیم بنگالہ کی تنسیخ ۱۹۰۹ء کی منٹو مارلے اصلاحات اور عالم اسلامی کے حادثات، یہ تھیں وہ سب آفتیں جنھوں نے مسلمانوں پر ایک بدحواسی کا عالم طاری کر دیا تھا۔ اس دور میں مسلمانوں کی متاع عزیز مسئلہ تعلیم تھا۔ مسلمانوں نے سب کچھ کھو کر اسے پایا تھا اس لئے یہ انھیں جان سے زیادہ عزیز اور ایمان سے زیادہ محبوب تھا۔ مسلم یونیورسٹی کے خواب کا شرمندۂ تعبیر نہ ہونا، مجروح جسم پر آخری چرکا تھا۔ جس یونیورسٹی کے لئے لیڈروں کی گاڑیاں کھینچی گئیں، عورتوں کے زیورات نیلام کئے گئے۔ غریب مسلمانوں کی گاڑھی کمائی شملہ کی سرد چوٹیوں کے گرمانے میں صرف کی گئی، مگر ان سب کا جواب کیا ملا؟

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

ہر چیز کی انتہا ہر عمل کا ردِ عمل، یہ ایک ایسا قانون ہے جو دنیا کی ہر چیز اور حیات انسانی کے ہر شعبے میں جاری ہے۔ مسلم عوام اب تک بے زبان بھیڑوں کی طرح، جدھر چاہا ہانکے جاتے تھے۔ زبان کھولنے اور دم مارنے کی اجازت کہاں۔ جس کی جیب چاندی کے سکوں سے پُر ہو اس کا سکہ چلتا تھا۔ اگر کسی گوشہ اور ملک کے کسی کونے سے ایک آدھ آواز بلند بھی ہوئی تو اس کو مروجہ اصطلاحات سے تعبیر کر کے دبا دیا جاتا۔ لیکن اب وقت آ گیا تھا، دل پک چکے تھے، زخم رسنے لگے تھے، صرف ذرا چھیڑنے کی دیر تھی کہ ۱۹۱۲ء میں ایک آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز ایک دُکھے ہوئے دل، ایک سوختہ جگر کی آواز تھی، جس کی

بہت سی راتیں آہ و زاری اور اشک باری میں گذرا کرتی تھیں۔ اس لئے نہیں کہ اس کے پاس دولت نہ تھی، یا وہ عزت و جاہ کا بھوکا تھا۔ اس لئے بھی نہیں کہ عمال حکومت اور ناخدایانِ مملکت کے مربیانہ اشارہائے چشم و ابرو سے وہ محروم تھا، نہیں بلکہ اس لئے کہ اُس نے ان سب سے منہ موڑ کر ایسی سب چیزوں سے رشتہ توڑ کر، اپنے دل میں صرف ایک چیز کو جگہ دی تھی اور وہ متاعِ گراں بہا تھی، اس کی قوم اور اس کا ملک۔

مگر اس قوم کا حال کیا تھا۔ امیروں کا منتہائے نظر دولت تھی۔ عوام جاہ و مال کا نام تک بھول چکے تھے۔ دین کا صرف نام رہ گیا تھا۔ غرض جی رہے تھے مگر زندگی سے محروم۔

جن لوگوں پر ان حالات کو بدلنے کی ذمہ داری تھی وہ بے سُدھ بدمست ہو رہے تھے۔ اُن کے نشہ غفلت کو دور کرنے کے واسطے طرح طرح کی ترشیاں پے درپے مل رہی تھیں، مگر ان کا خمار تھا کہ اترتا ہی نہ تھا۔

اس مطلعِ غبار آلودپر الہلال، ہلالِ عید بن کر چمکا۔ اس نے اس مردہ قوم میں ایک روح پھونک دی۔ اس کی آواز کیا تھی گویا صورِ اسرافیل تھا کہ ہر شخص نئی زندگی لے کر اٹھتا نظر آتا تھا۔ حق و صداقت نے اس میں قوت پیدا کی سچائی اور راست گوئی نے اس کو مستحکم کیا، اس کا پڑھنے والا اپنی حالت پر غور کرتا اور محسوس کرتا تھا کہ "گویا یہ بھی میرے دل میں ہے"۔

الہلال کا انداز بالکل نرالا تھا اور اس کا اندازِ تخاطب سب سے انوکھا
دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی بات کو دل کی گہرائیوں ہی میں پہنچ کر قرار آتا تھا۔
اس کے صفحات تلخ حقیقتوں سے لبریز تھے اور اس کی ایک ایک سطر نشتر کا
حکم رکھتی تھی، پھر بھی پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا گویا وہ بھی یہی کہنا چاہتا تھا
اس کا طرز تنقید، اس کا طریقۂ اعتراض، اور اس کی حق گوئی، جذبۂ مخالفت
کو ابھارنے کے بجائے لوگوں کے دلوں کو گرمیٔ عمل سے برماتی تھی۔ یہی وجہ ہے
کہ الہلال نے جتنی کم مدت میں لوگوں کے ذہن، معتقدات اور رجحانات
میں بنیادی تبدیلی پیدا کردی اس کی دوسری مثال ممکن نہیں۔ الہلال کے
بعد البلاغ نے اس کی جگہ لی لیکن کم مایہ قوم کی کم نصیبی کہ جلد ہی وہ ان
جواہر ریزوں سے محروم ہوگئی اور معلوم نہیں کب تک محروم رہے گی۔

پیش نظر مجموعہ اسی آواز کی صدائے بازگشت ہے۔ خدا کرے
کہ یہ آواز ایک بار پھر مسلمانوں کے دل کو گرما دے، ان کی روح کو تڑپا دے
اور ان کا شمار پھر زندہ قوموں میں ہونے لگے۔

ناسپاسی ہوگی اگر بدرالحسن صاحب بی۔اے۔ جامعہ کا تذکرہ نہ
کیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مجموعہ کی ابتدا اور انتہا دونوں کا سہرا
انھی کے سر ہے۔

سید سفارش حسین

دعوتِ عمل

الہلال کا انداز بالکل نرالا تھا اور اس کا اندازِ تخاطب سب سے انوکھا دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی بات کو دل کی گہرائیوں ہی میں پہنچ کر قرار آتا تھا۔ اس کے صفحات تلخ حقیقتوں سے لبریز تھے اور اس کی ایک ایک سطر نشتر کا حکم رکھتی تھی، پھر بھی پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا گویا وہ بھی یہی کہنا چاہتا تھا اس کا طرزِ تنقید، اس کا طریقۂ اعتراض، اور اس کی حق گوئی، جذبۂ مخالفت کو ابھارنے کے بجائے لوگوں کے دلوں کو گرمیٔ عمل سے برماتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ الہلال نے جتنی کم مدت میں لوگوں کے ذہن، معتقدات اور رجحانات میں بنیادی تبدیلی پیدا کر دی اس کی دوسری مثال ممکن نہیں۔ الہلال کے بعد البلاغ نے اس کی جگہ لی لیکن کم مایہ قوم کی کم نصیبی کہ جلد ہی وہ ان جواہر ریزوں سے محروم ہو گئی اور معلوم نہیں کب تک محروم رہے گی۔

پیشِ نظر مجموعہ اسی آواز کی صدائے بازگشت ہے۔ خدا کرے کہ یہ آواز ایک بار پھر مسلمانوں کے دل کو گرما دے، ان کی روح کو تڑپا دے اور ان کا شمار پھر زندہ قوموں میں ہونے لگے۔

ناسپاسی ہوگی اگر بدر الحسن صاحب بی۔اے۔ جامعہ کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مجموعہ کی ابتدا اور انتہا دونوں کا سہرا انھی کے سر ہے۔

سید سفارش حسین

دعوتِ عمل

۱- یا قومنا اجیبوا داعی اللہ (۱)	الہلال ۷ر مئی ۱۳ء
۲- " " (۲)	" ۶ر نومبر ۱۲ء
۳- إن الحکم الا للہ	" یکم جولائی ۱۴ء
۴- مسلمانوں کے فرائض کا سب سے ضروری جزء	" ۸ر-۱۵ر-۲۲ر جنوری ۱۳ء
۵- الامر بالمعروف ونہی عن المنکر	" ۱۱ر-۱۸ر-۲۵ر اگست ۱۲ء
۶- ہذا بصائر للناس	" ۱۴ر مئی ۱۳ء
۷- افسانۂ ہجر و وصال	البلاغ ۱۰ر مارچ ۱۲ء
۸- مشہد اکبر	الہلال ۲۷ر اگست ۱۳ء

یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ!!

(۱)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا

آہ! کاش مجھے وہ صور قیام قیامت ملتا، جس کو میں لے کر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ جاتا۔ اس کی ایک صدائے رعد آسائے غفلت شکن سے سرگشتگانِ خواب ذلت و رسوائی کو بیدار کرتا اور چیخ چیخ کر پکارتا کہ "اُٹھو! کیونکہ بہت سو چکے اور بیدار ہو، کیونکہ اب تمہارا خدا تمہیں بیدار کرنا چاہتا ہے! پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کو دیکھتے ہو، پر اس کی نہیں سنتے جو تمہیں موت کی جگہ حیات، زوال کی جگہ عروج اور ذلت کی جگہ عزت بخشنا چاہتا ہے!!" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ صدا کا جواب دو! جب کہ وہ تمہیں بلا

لِمَا يُحْيِيكُمْ ج وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (۸ : ۲۴)

رہا ہے تاکہ تم کو موت سے نکال کر زندگی بخشے۔ یاد رکھو کہ اللہ جب چاہتا ہے انسان اور اس کے دل کے اندر آڑے آجاتا ہے۔ اور پھر خواہ تم اُس سے کتنا ہی اعراض کرو مگر تم کو پھر پھر کے اُسی کے آگے ایک دن جانا ہے!

آج آنے والی بربادیوں اور ہلاکتوں سے نکلنے کے لئے تم بے قرار ہو اور اس کے لئے طرح طرح کی تدبیروں کو سوچتے اور ڈھونڈتے ہو، لیکن یہ کیا بدبختی ہے کہ ایک لمحہ اور ایک دقیقہ کے لئے بھی تمھارے دل میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ سب سے پہلے اُس کو تو اپنے سے راضی کرلیں جس کے دروازے سے بھاگ کر ساری دُنیا میں ہم نے ذلتوں اور نامُرادیوں کی ٹھوکریں کھائیں۔ حالانکہ وہ کہہ چکا ہے اور کہہ رہا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (۸ : ۲۹)

اے مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور اس کے حکموں کے آگے جھک جاؤ تو پھر تمھیں کسی چیز کے لئے بھی کسی دوسری تدبیر کرنے کی احتیاج باقی نہیں رہے گی۔ وہ دنیا میں تمھارے لئے عزت و اقبال کا ایک شرف امتیاز پیدا کردے گا اور تمھاری تمام گمراہیوں کو معاف

کر دے گا وہ تو سب سے زیادہ بخش دینے والا اور صاحب رحم والطاف ہے۔

پھر اگر اُٹھنا ہے تو اُٹھو کھڑے ہو، کیونکہ چلنے کا وقت یہی ہے اور اس کے بعد موت کے سوا کچھ نہیں۔ آج تم کو کوئی انجمن، کوئی جمع شدہ دولت اور روپیہ کی مقدار، کوئی پولٹیکل سرگرمی اور کوئی انسانوں اور ممبروں کے اجتماع محض کا ایک جتھا، آنے والے مصائب سے نہیں بچا سکتا جب تک کہ خود تمھارے اندر کوئی انقلابی تبدیلی نہ ہو اور جب تک تم اپنے خدا سے اُس کی راہ اور اُس کی مرضات کی راہ میں اپنے تئیں دے ڈالنے کا عملی عہد نہ باندھ لو اور اُسی کے بتلائے ہوئے طریقہ، اور اُسی کے حکم و ایما کے ماتحت ہو کر اُس کے نہ ہو جاؤ۔

پس یہی ہے جس کی طرف میں تمھیں پُکار رہا ہوں اور یہی دعوت ہے جس کے پکار کی راہ اُس نے مجھے دکھلائی ہے۔ میں اُٹھا ہوں، پس تم بھی اُٹھو تا کہ ہم سب مل کر اُس کے دروازے کو کھٹکھٹائیں اور ہر طرف سے کٹ کر صرف اسی کے ہو جائیں، پھر وہ جس طرف لے جائے اپنے تئیں چھوڑ دیں۔ کانٹوں پر لوٹائے تو اپنے تلوؤں کو زخمی کر دیں اور پھولوں پر چلائے تو اُن کے لطف و راحت سے لذت اندوز ہوں تلواروں کا زخم کھلائے تو اس کو غیروں کے مرہم سے زیادہ محبوب

سمجھیں، اور زہر کا تلخ و مہلک جام دے تو اسے شربت و قند و گلاب کی طرح مزے لے لے کر پی جائیں ؎

پیکان ترا بجان خریدار
من مرہم دیگراں نخواہم

---

(۲)

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ اے مسلمانو! اگر تمھارے باپ، تمھارے
وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں،
وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ تمھارا خاندان، تمھاری مال و دولت جو
وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا تم نے کمائی ہے، وہ کاروبار دنیوی
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ جس کے نقصان کا تم کو ہر وقت اندیشہ
کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ رہتا ہے، اور وہ مکان و جائداد جو تمھارے
تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ مطلوب و مرغوب ہیں، اگر یہ تمام چیزیں
اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تم کو اللہ، اس کے رسول اور اس کی
وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز و

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ

(۹ : ۲۴)

محبوب ہوں، تو دین الٰہی کو چھوڑ دو، خدا اپنے دین کی حفاظت کے لئے تمہارا محتاج نہیں ہے، یہانتک کہ اللہ کو جو کچھ کرنا ہے وہ کر گزرے، تم اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھ لوگے۔ اللہ کی ہدایت ان کے لئے نہیں ہے جن کے دلوں میں نور ایمان کی جگہ فسق و نفاق بھرا ہوا ہے۔

اسلام ہر مسلمان سے اپنے آخری حق کا طلبگار ہے، مسلمانوں کی نمازیں اور روزے اور تمام مالی و بدنی عبادات مقبول نہیں ہو سکتیں جب تک وہ حفظ کلمہ توحید و ثغور اسلامیہ کے لئے جان و مال سے حصہ نہ لیں۔ پھر کوئی ہے جو آج خدا کو اپنے نفس و مال پر ترجیح دے ؟؟

وَالْعَادِیَاتِ ضَبْحًا، فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا، فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا کہ آج مسلمانوں کی ہستی، اور بقا کے لئے لوم ا

---

(۱) قسم ہے مجاہدین کے اُن گھوڑوں کی جو میدان جہاد میں، دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتے ہیں پھر پتھروں پر اپنی ٹاپوں کے مارنے سے چنگاریاں نکالتے ہیں، پھر صبح کے وقت دشمنوں پر چھاپا مارتے ہیں، پھر اپنی تیز گامی سے (باقی صفحہ ۱۸ پر)

سر پر آگیا ہے۔ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ(۱)؟ وہ زندگی و حیات، فنا و بقا، اور عزت و ذلت کا فیصلہ کرنے والا ایک دن ہے، جو آج ہمارے سامنے ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ ایڈریا نوپل کے اطراف و جوانب میں ترک زخمیوں کی لاشیں گر رہی ہیں تو اِنِّیْ اُقْسِمُ بِاللّٰهِ الْغَنِيِّ الْعَزِيْزِ کہ وہ مسلمانوں کی مجسّم ہستی ہے جس کے حلق کی رگیں کٹی ہوئیں اور جس کے زخموں سے سیلاب خون رواں ہے:-

فَهٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ(۲)۔

پھر سوال یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کیا سوچ رہے ہیں؟ بلکہ پوچھنا یہ ہے کہ اور کون سے وقت کے منتظر ہیں؟

اس صداقت کے لئے اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر خدانخواستہ ترک اس ابتلائے عظیم کو برداشت نہ کر سکے تو ان کی عزت کا مٹنا تمام عالم اسلامی کے جنازے کے اٹھنے کا دن ہوگا مسلمان یاد رکھیں کہ وہ ہندوستان میں ہوں یا چین میں، ان کی ملی عزت کا جو سد رمق باقی ہے، وہ صرف خلافت قسطنطنیہ کی

(بقیہ صفحہ ۱۷) غبار بلند کرتے ہیں اور دشمنوں کی صفوں میں در آتے ہیں

(۱) اور تم جانتے ہو کہ یوم الفصل سے مراد کیا ہے۔

(۲) یہ ہے یوم الفصل وہ فیصلہ کن دن جس سے اے غافلو تم انکار کرتے تھے۔

پولیٹیکل ہستی کا نتیجہ ہے جب دن یہ مرکز اپنی آخری جگہ سے ہلا، ان کا حال بجنسہ
وہی ہو جائے گا جو آج یہودیوں کا دہ دیکھ رہے ہیں۔ پھر ان کے پاس
دولت ہے، ان کے پاس یہ بھی نہیں۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
وَالْمَسْكَنَةُ، وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔

اگر سپاہی کے لئے جنگ کی گھڑیوں میں بستر کا آرام جائز نہیں،
اگر اس گھر کے رہنے والوں پر سونا حرام ہے جس کے دروازے پر
ڈاکوؤں کے گرز پڑ رہے ہوں، اگر اس مکان کے سونے والوں کو
اُٹھنا چاہیے جس کی چھت میں آتشزدگی کے شعلے بھڑک رہے ہوں، اور
اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس آگ کی ایک چنگاری بھی باقی ہے جو تیرہ
سو برس ہوئے، وادی ام القرا میں بدر اور حنین کے پیامبر نے جلائی
تھی، تو خدا کے لئے مجھے بتلاؤ کہ غفلت شکنی کا وہ وقت کب آئے گا
جس کے انتظار میں اب تک مسلمان کروٹیں بدل رہے ہیں؟ کیا مسلمان
اُس وقت کا انتظار کرنا چاہتے ہیں جب مشرکین یورپ قسطنطنیہ کی مناروں
کے ان مناروں پر جہاں چھ سو برس سے صدائے توحید کی شہادت
دی جاتی ہے، صلیب پرستی کا جھنڈا اُسی طرح لہرائیں گے جس
طرح کل کی بات ہے کہ (برقہ) کی جامع مسجد کے منار پر نصب کیا گیا
تھا؟ وَ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔

مسلمانان ہند کا آخری فرض

ساعت فیصلہ کن، مہلت مفقود، فرصت قلیل، اور نتائج سامنے ہیں۔ ترکوں کی ہمدردی، اتحاد اسلامی، اخوت دینی، مدد کی ضرورت شدید، اور اسی طرح کی تمام باتیں سُن چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں، اب وقت آخری ہے، اور اگر مسلمانوں کو اپنی ہستی کی ضرورت نظر آتی ہے تو بغیر ایک لمحہ ضائع کئے انھیں آخری فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ ان کا فرض کیا ہے؟

اسلام ایک مجموعہ فرائض ہے، جو ہر پیرو کے ذمہ اللہ کی طرف سے چند فرائض عائد کر دیتا ہے۔ ان فرائض میں جس طرح پہلا فرض اقرار شہادتین ہے، بالکل اسی طرح آخری فرض "جہاد" ہے۔ یا حق اور عدل کے قیام کے لئے اپنا مال، اپنا نفس، اور اپنا خون بہانا جس طرح پانچ وقت کی نماز ہر مسلم پر فرض ہے اسی طرح فرض جہاد کا ادا کرنا بھی اس کے لئے ایک حکم اجباری ہے:-

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔

اس فرض کے ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں:- جہاد مالی، جہاد زبانی اور جہاد نفس و جان۔

وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَ ‏ اپنے مال اور اپنی جان سے راہ الٰہی

اَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (۹:۴۱) میں دفاع اعدا کے لئے کوشش کرو۔

اور ایک حدیث صحیح میں جس کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے حضرت انس سے روایت کیا ہے، جامع الفاظ میں فرمایا:

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ	دشمنوں کے مقابلے میں مدافعت کی کوشش
بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ	کرو اپنے مال سے جان سے، اور
وَاَلْسِنَتِكُمْ	زبان سے۔

جب کبھی بلاد اسلامیہ پر کوئی مخالف حملہ کرے اور ان کی حفاظت خطرے میں ہو تو اس وقت ہر مسلمان پر احکام خمسہ اسلام کی طرح فرض ہو جاتا ہے، کہ ان تینوں قسم کے جہاد کے لئے جس حال میں ہو، اٹھ کھڑا ہو، اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کی تمام عبادات مالی و بدنی باطل و بے سود ہیں، کیونکہ نماز اور روزہ اسی وقت تک ہے جب تک کلمۂ توحید کو بقا ہے، لیکن جب جڑ خطرے میں ہو تو شاخیں قائم نہیں رہ سکتیں۔

آج جس حالت کو ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں وہ احکام و شرائط شریعت کے مطابق ٹھیک ٹھیک فرضیت جہاد دفاع کا وقت ہے۔ اعلان جنگ کے ساتھ ہی ہندوستان کے ہر مسلمان

پر جہاد شرعی فرض ہوگیا ہے اور وقت آگیا ہے کہ اسلام اپنے پیرؤں سے آخری فرض کے ادا کرنے کا طالب ہو جس میں سب سے پہلے جہاد لسانی ومالی، اور سب کے آخر میں جہاد جان ونفس ہے۔

میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، اور صرف یہ جانتا ہوں کہ قلم سے جو کچھ نکل رہا ہے، ایک حکم دینی کا اعلان ہے اور نہیں جانتا کہ مصلحت کس کی مقتضی ہے؛ ممکن ہے کہ کسی موقع پر ایک مسلمان کے لئے نماز جمعہ کے موقوف کر دینے اور نماز کا لفظ زبان سے نہ نکالنے میں مصلحت ہو، لیکن میں مسلمان ہوں اور احکام اسلام کا اتباع ہر مسلمان پر فرض جانتا ہوں، اس کے سوا مجھے کچھ نہیں معلوم اور نہ علم کی آرزو۔

ہندوستان سے باہر کے اسلامی مصائب کی نسبت ہمیشہ مسلمانان ہند نے یا تو کفر صریح سے کام لیا ہے، یا نفاق سے۔ جن اشرار واشقیاء نے کہا کہ ہمیں خلافت عثمانی سے کوئی تعلق نہیں، اُنھوں نے کفر کو خوش کرنے کے لئے اسلام کو زخمی کیا، اور جنھوں نے اپنی ہمدردی کو انسانی ہمدردی، یا بہت ہمت کی تو صرف دینی اخوت تک پہنچا کر چھوڑ دیا، اُنھوں نے گو اسلام کو پسند کیا مگر کفر کے خوف سے ڈر گئے، حالانکہ بہتر تھا کہ وہ صرف

خدا سے ڈرتے: وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔

اگر نہیں کہہ سکتا کہ صبح کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے مگر عصر کی نہیں، تو کہہ سکتا کہ مسلمانوں پر جہاد و دفاع بھی فرض نہیں ہے۔

اولین کام

پس شریعت حقہ اسلامیہ حکم دیتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ اس بنا پر پہلا کام جہاد لسانی ہے کہ حرکت قلوب جامدہ، غافلہ ارواح انتشاء، اور دعوۃ الی اللہ و کلمہ کے لئے ہر زبان اللہ کی بخشی ہوئی گویائی کو اسی کے لئے وقف کر دے اور علی الخصوص ان شیاطین داخلی و خارجی کے پیدا کئے ہوئے وساوس کے قلع و قمع کے لئے شمشیر مجاہدین جائیے جنہوں نے مسلمانوں کے لئے طرح طرح کے گمراہ کن مقامی و وطنی اشغال پیدا کر کے ان کو حفظ اسلام و ثغور اسلامیہ کی سعی سے غافل کر دیا ہے۔

دوسرا قدم واول جہاد، جمع مال و فراہمی زراعانت ہے جو فی الحقیقت میدان جہاد کی تقویت کے لئے کم از جمعیۃ فوج و کمک مجاہدین نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ فرض تقریباً تمام مسلمانوں کے پیش نظر ہے، اور ہر طرف سے ہلال احمر فنڈ کی صدائیں آ رہی ہیں، لیکن اب تک جو رفتار رہی ہے اور جو پچھلا تجربہ طرابلس

کا پیش نظر ہے، اس کو دیکھتے ہوئے بظاہر کسی رقم کثیر کی فراہمی کی امید نہیں۔

ہر مسلمان کو بہت جلد وہ ذریعہ سوچنا چاہئے کہ بغیر انتظار وقت کے کوئی قابل تذکرہ مالی مدد ہندوستان سے بھیجی جائے

مسلمان اگر علیگڈھ یونیورسٹی پر اسلام کو ترجیح دیں

مسلمان اگر علیگڈھ یونیورسٹی پر اسلام کو ترجیح دیں، اگر وہ سمجھیں کہ اسلام کے دم سے علیگڈھ ہے، نہ کہ علیگڈھ سے اسلام کی زندگی نہیں ہے تو وہ اس وقت حفظ کلمۂ اسلام کے لئے بغیر کسی مشکل ہیں پڑے تیس لاکھ روپیہ کی شاندار مالی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ مانا کہ مجوزہ یونیورسٹی ایک نعمت لازوال ہے، لیکن نفس اسلام کے بقا کو کچھ تو اس پر ترجیح دینی چاہئے۔

میں ان لوگوں کے دلوں کی حالت جاننے کے لئے عام نظروں سے بہتر فراست رکھتا ہوں، جو آج مسلمانان ہند کی مسند رہنمائی و ریاست پر متمکن ہیں (فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔) پس ان سے میرا خطاب نہیں، اور نہ تخاطب سے کوئی نتیجہ حاصل البتہ عام مسلمانوں سے بمنت التجا کرتا ہوں کہ اس وقت ہماری تیرہ سو برس کی عزت جو ڈوبنے کے قریب تھی ڈوب رہی ہے

وقت تجویزوں اور دعوتوں کا نہیں ہے، اولین کام روپیہ کی اعانت ہے اور تیس لاکھ روپیہ آپ کے پاس فراہم شدہ موجود ہے پس یہ کیا بے غیرتی اور کیسی دل اور روح کی موت ہے کہ زخمی ترکوں کی زبان سے العطش العطش! کی چیخیں آرہی ہیں، آپ کے پاس پانی کا ایک لبریز حوض موجود ہے مگر اُن تشنہ کاموں کو اُس سے ایک قطرہ بھی نصیب نہیں؟ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی ہے، پھر یہ کیا ہے کہ آپ پانی کو کوٹھڑیوں میں مقفل کر رہے ہیں؟ کمبخت یونیورسٹی مسلمانوں کے کیا کام آئے گی، جب آج نلی پولی اور قرق قلعسی کے میدانوں کے زخمیوں کو اس کے فنڈ سے مرہم کی ایک پٹی بھی نصیب نہیں؟ میں کیا کہتا ہوں؟ حالانکہ یہ الفاظ تو میرے مطلب کے اظہار کے لئے کافی نہیں، مجکو کہنا چاہئے کہ اللہ اور اس کے ملائکہ کی لعنت ہو اس یونیورسٹی پر جس کا تیس لاکھ روپیہ ہندوستان کے بینکوں میں جمع ہو اور مسلمان زخمیوں کی صفیں میدان قتال کی برف باری میں ایڑیاں رگڑ رہی ہوں!!

در بادیہ تشنگان بمردند | وز دجلہ بکوفہ نمی رود آب

لیڈران قوم کو یونیورسٹی عزیز ہے، گو وہ غلامی اور استبداد کا ایک نیا طوق لعنت ہو، لیکن اے اخوان ملت! ہم مومن ہیں،

اور ہم کو ہر شے سے پہلے اسلام عزیز ہونا چاہیئے۔ پھر جب آج نماز اور حج سے بھی بڑھ کر ہمارا فرض ترکوں کی مدد ہے تو ہم یونیورسٹی کی کیا حقیقت سمجھتے ہیں؟ یہ کہنا کہ ایک نیک کام کے لئے دوسرے اچھے کام کو چھوڑ دینا ضروری نہیں اور مسلمان ترکوں کے لئے بھی روپیہ جمع کریں، بالکل مغالطہ ہے۔ کیونکہ آج مسلمانوں کے لئے اور نیک کام ہی کہاں باقی رہے ہیں؟ ان کے لئے تو اس وقت صرف ایک ہی نیک کام ہے یعنی حفظ اسلام و جہاد فی سبیل اللہ۔ پس اگر مسلمان ترکوں کے لئے روپیہ جمع کر رہے ہیں، تو اور زیادہ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ تیس لاکھ بھی کیوں نہ اس ایک ہی مقدم نیکی کے لئے وقف کر دیا جائے؟ جو صورت اس وقت درپیش ہے اس کے لحاظ سے تیس چالیس لاکھ روپیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ مسلمان اپنی اعانت کی پہلی قسط اس جمع شدہ تیس لاکھ کو قرار دیں اور اس کے بعد اپنی پوری قوت ایک دوسری قسط کی فراہمی کے لئے وقف کر دیں۔

یونیورسٹی کے لئے روپیہ مسلمانوں نے دیا ہے اور شرعاً و قانوناً ان کو حق حاصل ہے کہ ہر شہر میں جہاں سے روپیہ گیا ہے ایک ایک جلسہ کر کے یونیورسٹی کمیٹی کو اپنی رائے بھیج دیں،

یا چاہیں تو اخبارات کے ذریعہ مطالبہ کریں۔ رہی یہ بات کہ جن بڑے بڑے رئیسوں نے ایک ایک لاکھ روپیہ کی رقمیں دی ہیں وہ اسے گوارا نہ کریں گے، تو جو لوگ اس خیال کے ہوں وہ فوراً اپنا اپنا روپیہ واپس لے کر ہماری راہ سے ہٹ جائیں اور اپنی شرکت کی نجاست سے تمام مسلمانوں کی اسلام پرستی کی تقدس کو ملوث نہ کریں۔ خدا اپنے کلمۂ توحید کی حفاظت کے لئے ایسے منافقوں کی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔ جن لوگوں کی دولت انفاق فی سبیل الشیطان کے لئے ہے، ان کو انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق کب مل سکتی ہے؟

آج ہی ہم نے کسی اخبار میں پڑھا ہے کہ لاہور کے بڑے آدمیوں نے قوم کی سرزنش سے شرما کر بالآخر ایک جلسہ کیا اور کل چار ہزار روپیہ اس میں چندہ ہوا!

ان میں ایک سب سے بڑے دولت مند نے ایک ہزار روپیہ چندہ دیا، حالانکہ کل کی بات ہے کہ اسی شخص نے یونیورسٹی کے لئے پچیس ہزار روپیہ دیا تھا! درحقیقت یہ چندے ایک ترازو ہیں جن میں ان لوگوں کے دلوں کو تولا جا سکتا ہے کہ اس میں دنیا کی پرستش کس قدر ہے اور خدا کی پرستش کس درجہ؟

ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ یونیورسٹی فنڈ کے اس مصرف کی نسبت کتنے اسلام خواہ قلب ہیں جو آج تائید میں اپنی آواز بلند کرتے ہیں؟

معاصر دہلی اور مخابرۂ تلغرافی

میرے دلی دوست مسٹر محمد علی بی اے نے مالی اعانت کی بعض تجاویز کا اخباروں میں اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے وائسرائے ہند سے اجازت طلب کی تھی کہ ترکوں کو مسلمانوں کا بر سبیل قرض روپیہ دینا گورنمنٹ کے خلاف تو نہ ہوگا؟ اس کے جواب میں تار دیا گیا ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں۔

غالباً ہمارے دوست کا مقصد اس اجازت طلبی سے یہ ہوگا کہ اُن لوگوں کے لئے جو اپنے ہر عمل اور عقیدے کے لئے گورنمنٹ کے فتوے کے منتظر رہتے ہیں، کوئی عذر و حجت باقی نہ رہے، اور اسی غرض سے اُنھوں نے آغاز جنگ طرابلس کے موقعہ پر بھی شملہ سے دریافت کیا تھا کہ "مسلمانوں کا مجروحین طرابلس کے لئے چندہ جمع کرنا گورنمنٹ کے خلاف تو نہ ہوگا؟

اس بنا پر انھوں نے جو روپیہ تار بھیجنے پر صرف کیا وہ شاید بالکل ضائع نہ گیا ہو، ورنہ دراصل اس زحمت کے اٹھانے کی

توچنداں ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ہمارے دوست معاف رکھیں اگر ہم کہیں کہ اس طرح کا استغنا ہمارے نزدیک مسلمانوں کی اُس قدیمی حس ملی کی موت کا بقیہ ہے، جس کو آج ولولوں اور اُمنگوں کے آثار زندگی میں بھی وہ نہیں چھوڑتے۔ اگر دنیا کے کسی حصہ میں اسلام کے لئے خطرات پیش آئیں تو مسلمانان ہند کا فرض دینی ہے کہ وہ اپنی جان و مال کو حفاظت اسلام میں صرف کر دیں۔ اس کے لئے نہ تو وہ گورنمنٹ کی اجازت کے طالب ہو سکتے ہیں اور نہ اپنے مذہبی معاملات میں وہ خدا کے سوا کسی کی پروا کرتے ہیں۔ آج تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ خود انگلستان کے شریف مدبر ترک مجروحین کی مدد میں حصہ لے رہے ہیں۔ مصر میں لارڈ کچنر نے دوسوگنی روپیہ دیا ہے، اور خود والسرائے ہند نے ایک ہزار کی رقم سے شمولیت کی ہے، لیکن تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ خدانخواستہ کوئی دن ایسا آجائے کہ گورنمنٹ کی مصالح اس کو مجبور کریں کہ مسلمان ترکوں کی مدد میں کسی طرح کا حصہ نہ لیں تو کیا ہم گورنمنٹ کی خاطر اپنے خدا کو چھوڑ دیں گے جس نے حفظ اسلام اور اعانت اخوان ملت ہم پر فرض کر دیا ہے؟ ایک لمحہ، ایک آن اور ایک پل کے لئے بھی نہیں، اور جو اس کے خلاف گورنمنٹ کو توقع دلاتا ہے وہ کذاب ہے، گورنمنٹ کو

فریب دیتا ہے، اس کے دل میں کفر ہے یا نفاق۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارا یہی حال رہا جو باوجود پیہم ظلمات ابتلاؤ تنبیہ کے آج نظر آرہا ہے تو کچھ عجب نہیں کہ مسلمان مسجد کا دروازہ کھولنے، اذان دینے، نماز پڑھنے اور رمضان کا روزہ رکھنے کے لئے بھی گورنمنٹ کی اجازت اور رضا کے منتظر رہا کریں گے۔ اور جمعہ کے دن خطیب منبر کے سامنے ہمہ تن انتظار ہو کر کھڑا رہے گا کہ شملہ سے تار آجائے تو خطبہ پڑھنے کے لئے آمادہ ہو!! فَمَا لِهٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ؟

ترکوں کو اس نازک موقع پر قرض دینے یا دلانے کی کوئی تجویز اگر کامیاب ہو، تو یہ بھی کم از نفاق فی سبیل اللہ نہیں لیکن ہندوستان کے مسلمان ترکوں کو قرض دیں یا نہیں، آج تو وہ دن ہے کہ مسلمانوں سے خود خدائے بے نیاز قرض کا طالب ہے:

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔	کوئی ہے جو آج خدا کو خوشی خوشی قرض دے؟ اور پھر خدا اس کے قرض کو کئی گنا بڑھا کر ادا کر دے؟ حالانکہ دراصل خدا ہی لوگوں کو تنگ دست بھی کرتا ہے اور کشائش بھی دیتا ہے اور

اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ (۲: ۲۴۶)

اگر ترکوں کو قرض ہی دلانا ہے، تو میرے دوست کاش اتنا ہی کریں، کہ سفارش کر کے تیس لاکھ یونیورسٹی فنڈ سے قرض دلادیں اور پھر مسلمانوں سے کہیں کہ آپ ادا کر کے ترکوں کو قرض کی ادائگی سے بچانے کے ساتھ یونیورسٹی کا خواب بھی بغیر تعبیر کے نہ رہنے دیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ (۱۲ : ۴۰)

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ! (۴۰ : ۱۲)

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ؟ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۵ : ۵۱)

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (۱۲ : ۱۰۹)

وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ! (۵ : ۵۱)

أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ! (۶ : ۶۲)

لوگ دُنیا میں سیکڑوں قوتوں کے محکوم ہیں

ماں باپ کے محکوم ہیں، دوست و احباب کے محکوم ہیں، اُستاد و مرشد کے محکوم ہیں، امیروں، حاکموں اور بادشاہوں کے محکوم ہیں۔ اگرچہ وہ دنیا میں بغیر کسی زنجیر اور بیڑی کے آئے تھے مگر دُنیا نے اُن کے پاؤں میں بہت سی بیڑیاں ڈال دی ہیں

لیکن مومن و مسلم ہستی وہ ہے جو صرف ایک ہی کی محکوم ہو

اس کے گلے میں محکومی کی ایک بوجھل زنجیر ضرور ہے پر مختلف سمتوں
میں کھینچنے والی بہت سی ہلکی زنجیریں نہیں ہیں۔ وہ ماں باپ کی اطاعت
اور فرمانبرداری کرتا ہے، کیونکہ اس کے ایک ہی حاکم نے ایسا کرنے
کا حکم دیا ہے۔ وہ دوستوں سے محبت رکھتا ہے کیونکہ اُسے رفیقوں
اور ساتھیوں کے ساتھ سچے برتاؤ کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ اپنے
سے ہر بزرگ اور ہر بڑے کا ادب ملحوظ رکھتا ہے، کیونکہ اس کے
ادب آموز حقیقی نے اسے ایسا ہی بتلایا ہے۔ وہ بادشاہوں اور
حاکموں کا حکم بھی مانتا ہے کیونکہ حاکموں کے ایسے حکموں کے ماننے
سے نہیں روکا گیا ہے جو اس کے حاکم حقیقی کے حکموں کے خلاف نہ ہوں
وہ دُنیا کے ایسے بادشاہوں کی اطاعت بھی کرتا ہے جو اُس کی
آسمانی بادشاہت کی اطاعت کرتے ہیں۔ کیونکہ اسے تعلیم دی گئی
ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرے۔ لیکن یہ سب کچھ جو وہ کرتا ہے، تو اس
لئے نہیں کرتا کہ ان سب کے اندر کوئی حکم مانتا اور ان کو جھکنے کی جگہ سمجھتا
ہے بلکہ اس لئے کہ طاعت صرف ایک ہی کے لئے ہے، اور حکم صرف ایک
ہی کا ہے۔ جب اُس ایک ہی حکم دینے والے نے ان سب باتوں کا حکم
دیدیا، تو ضرور ہے کہ خدا کے لئے ان سب بندوں کو بھی مانا جائے
اور اللہ کی اطاعت کی خاطر وہ اس کے بندوں کا بھی مطیع ہو جائے!

پس فی الحقیقت دُنیا میں ہر انسان کے لئے بیشمار حاکم اور بہت سی جھکانے والی قوتیں ہیں لیکن مومن کے لئے صرف ایک ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں وہ صرف اسی کے آگے جھکتا ہے، اور صرف اُسی کو مانتا ہے۔ اس کی اطاعت کا حق ایک ہی کو ہے، اس کی پیشانی کے جھکنے کی چوکھٹ ایک ہی ہے، اور اس کے دل کی خریداری کے لئے بھی ایک ہی خریدار ہے۔ وہ اگر دنیا میں کسی دوسری ہستی کی اطاعت کرتا بھی ہے تو صرف اُسی ایک کے لئے، اس لئے اس کی بہت سی اطاعتیں بھی اُسی ایک ہی اطاعت میں شامل ہو جاتی ہیں:

مقصودِ ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست　　ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد!

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں اپنے ساتھیوں سے کیا پوچھا تھا؟

ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ؟ (۳۹:۱۲)

بہت سے معبود بنا لینا بہتر ہے یا ایک ہی زبردست مقتدر خدا کو پوجنا؟

یہی وہ خلاصۂ ایمان و اسلام ہے جس کی ہر مومن و مسلم کو قرآن کریم نے تعلیم دی ہے کہ:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ!

تمام جہان میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کی حکومت ہو۔ اُس نے ہمیں حکم دیا ہے

کہ اسکے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ کسی کو
اپنا معبود بنائیں۔

یہی "دین قیم" ہے جس کی پیروی کا حکم دیا گیا:۔
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰:۲۲)

حدیث صحیح ہے کہ فرمایا:۔
لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ! (بخاری ومسلم) جس بات کے ماننے میں خدا کی نافرمانی ہوا اسمیں کسی بندے کی فرمانبرداری نہ کرو!

اسلام نے یہ کہہ کر فی الحقیقت اُن تمام ماسوائے اللہ اطاعتوں اور فرمانبرداریوں کی بندشوں سے مومنوں کو آزاد و حر کامل کر دیا، جن کی بیڑیوں سے تمام انسانوں کے پاؤں بوجھل ہو رہے تھے، اور اس ایک ہی جملہ میں انسانی اطاعت اور پیروی کی حقیقت اس وسعت اور احاطہ کے ساتھ سمجھا دی کہ اس کے بعد اور کچھ باقی نہ رہا یہی ہے جو اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے اور یہی ہے جو مومن کے تمام اعمال و اعتقادات ایک مکمل تصویر ہے۔ اس تعلیم الٰہی نے بتلا دیا ہے کہ جتنی اطاعتیں، جتنی فرماں برداریاں، جتنی وفاداریاں اور جس قدر بھی تسلیم و اعتراف ہے، صرف اُسی وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ بندے کی بات ماننے سے خدا کی بات نہ جاتی ہو اور دُنیا

والوں کے وفادار بننے سے خدا کی حکومت کے آگے بغاوت نہ ہوتی ہو۔ لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے احکام میں مقابلہ آپڑے تو پھر تمام طاعتوں کا خاتمہ، تمام عہدوں اور شرطوں کی شکست، تمام رشتوں اور ناطوں کا انقطاع، اور تمام دوستیوں اور محبتوں کا اختتام ہے۔ اس وقت نہ تو حاکم حاکم ہے، نہ بادشاہ بادشاہ، نہ باپ باپ ہے، نہ بھائی بھائی۔ سب کے آگے تمرد، سب کے ساتھ انکار، سب کے سامنے سرکشی، سب کے ساتھ بغاوت۔ پہلے جس قدر نرمی تھی، اتنی ہی اب سختی چاہیئے پہلے جس قدر اعتراف تھا اتنا ہی اب تمرد چاہیئے۔ پہلے جس قدر فرمانبرداری تھی اتنی ہی اب نافرمانی مطلوب ہے۔ پہلے جس قدر جھکاؤ تھا، اتنا ہی اب غرور ہو کیونکہ رشتے کٹ گئے اور عہد توڑ ڈالے گئے۔ رشتہ در اصل ایک ہی تھا اور یہ سب رشتے اسی ایک رشتہ کی خاطر تھے۔ حکم ایک ہی کا تھا اور یہ سب اطاعتیں اسی ایک کی اطاعت کے لئے تھیں۔ جب ان کے ماننے میں اس سے انکار اور ان کی وفاداری میں اس سے بغاوت ہونے لگی تو جس کے حکم سے رشتہ جوڑا تھا، اسی کی تلوار نے کاٹ بھی دیا، اور جس کے ہاتھ نے ملایا تھا، اسی کے ہاتھ نے الگ بھی کر دیا کہ لا طاعة

لمخلوق فی معصیۃ الخالق!

سرورِ کائنات اور سیّد المرسلین (صلعم) سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے لیکن خود اُس نے بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی تو فرمایا وَالطَّاعَۃُ فِی مَعْرُوفٍ میری اطاعت تم پر اُسی وقت تک کے لئے واجب ہے جب تک کہ میں تم کو نیکی کا حکم دوں جب اس شہنشاہ کونین کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی و معروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دُنیا میں کون بادشاہ، کونسی حکومت کون سے پیشوا، کون سے رہنما اور کونسی قوتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کی اطاعت ظلم و عدوان کے بعد بھی ہمارے لئے باقی رہے؟

آدم کی اولاد دو کی محکوم نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک سے ملیگی دوسرے کو چھوڑے گی، ایک سے جوڑے گی، دوسرے سے کٹیگی پھر خدارا مجھے بتلاؤ کہ ایک مومن کس کو چھوڑے گا اور کس سے ملے گا؟ ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک باقی رہے گا ایک کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر مجھے بتلاؤ کہ مومن کی اقلیم دل کس کی بادشاہت قبول کرے گی کیا وہ اس سے ملے گا جس کی حالت یہ ہے کہ:-

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ ۔ خدا نے جس کو جوڑنے اور ملانے کا حکم دیا ہے

اَنْ يُّوْصَلَ ؟ (۲:۲۵) وہ اُسے توڑتے اور جُدا کرتے ہیں۔

کیا اُس کی بادشاہت قبول کرے گا جس کی حالت کی تصویر یہ ہے ؟

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ — وہ دُنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ! (۲:۲۵) — اور انجام کار وہی ناکام و نامراد رہیں گے!

اور کیا اُس کی بادشاہت سے گردن موڑ لیگا جو پکار رہا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ! (۸۲:۶) — اے غافل انسان! کیا ہے جس کے گھمنڈ نے تجھے اپنے مہربان اور پیار کرنیوالے آقا سے سرکش بنا دیا ہے ؟

مگر آہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ! (۲:۳) — تم اُس شہنشاہ حقیقی کی حکومت سے کیونکر انکار کرو گے جس نے تمہیں اس وقت زندہ کیا جبکہ تم مردہ تھے۔ وہ تم پر پھر موت طاری کریگا۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا۔ پھر تم سب اُسی کے پاس بلائے جاؤ گے!

دُنیا اور اُس کی بادشاہیاں فانی ہیں۔ ان کے جبروت و

جلال کو ایک دن ٹُٹنا ہے ۔ خدائے منتقم و قہار کے بھیجے ہوئے
فرشتہ ہائے عذاب انقلاب و تغیرات کے حربے لیکر اُترنے والے
ہیں، اُن کے قلعے مسمار ہو جائیں گے اُن کی تلواریں کند ہو جائینگی
ان کی فوجیں ہلاک ہوں گی۔ اُن کی توپیں اُن کو پناہ نہ دیں گی۔
اُن کے خزانے اُن کے کام نہ آئیں گے۔ اُن کی طاقتیں نیست و
نابود کر دی جائیں گی۔ اُن کا تاج غرور ان کے سر سے اُتر جائیگا
ان کا تخت جلال و عظمت واژگوں نظر آئے گا :۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۔

(۲۸:۴۵)

اور جس دن آسمان ایک بادل کے ٹکڑے پر سے پھٹ جائے گا اور اس بادل کے اندر سے فرشتے جوق جوق اُتارے جائیں گے اُس دن کسی کی بادشاہت باقی نہ رہے گی۔ صرف خدائے رحمٰن ہی کی حکومت ہو گی اور یاد رکھو کہ وہ دن کافروں کے لئے بہت ہی سخت دن ہو گا۔

پھر اُس دن جبکہ رب الافواج اپنے ہزاراں ہزار قدوسیوں
کے ساتھ نمودار ہو گا اور ملکوت السموات والارض کا نقیب پکاریگا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ! (۴۰:۱۶) آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی نہیں صرف خدائے واحد وقہار کی!

تو اس وقت کیا عالم ہوگا اُن انسانوں کا جنھوں نے بادشاہ ارض وسما کو چھوڑ کر مٹی کے تودوں کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے اور اُن کے حکموں کی اطاعت کو خدا کے حکموں کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں؟ آہ اُس دن وہ کہاں جائیں گے جنھوں نے انسانوں سے صلح کرنیکے لئے خدا سے جنگ کی اور اپنے اُس ایک ہی آقا کو ہمیشہ اپنے سے روٹھا ہوا رکھا؟ وہ پکاریں گے پر جواب نہ دیا جائے گا۔ وہ فریاد کریں گے پر سُنی نہ جائے گی۔ وہ توبہ کریں گے پر قبول نہ ہوگی۔ وہ نادم ہوں گے پر ندامت کام نہ دے گی!

اے انسان! اُس دن کے لئے تجھ پر افسوس ہے! وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ (۸۶ : ۱۵)

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَاءَكُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے ان خداوندوں اور حاکموں کو پکارو جن کو تم خدا کی طرح مانتے تھے اور خدا کی طرح اُن سے ڈرتے تھے۔ وہ پکاریں گے، پر کچھ جواب نہ پائیں گے۔

پس وہ معلم الٰہی، وہ داعی ربانی، وہ مبشر و منذر، وہ رحمۃ للعلمین، وہ محبوب رب العالمین، وہ سلطان کونین آگے بڑھے گا اور حضور خداوندی میں عرض کرے گا:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا. (۳۲ : ۳۵)

اے پروردگار! افسوس ہے کہ میری امت نے قرآن کی ہدایتوں اور تعلیموں پر عمل نہ کیا اور اس سے اپنا رشتہ کاٹ لیا۔ اسی کا نتیجہ ہے جو وہ آج بھگت رہے ہیں!

اللّٰھم صل وسلم علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ واتباعہ الیٰ یوم الدین

پس سفر سے پہلے زاد راہ کی فکر کرلو اور طوفان سے پہلے کشتی بنالو کیونکہ سفر نزدیک ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہوگئے ہیں۔ جن کے پاس زاد راہ نہ ہوگا وہ بھوکے مرجائیں گے اور جن کے پاس کشتی نہ ہوگی وہ سیلاب میں غرق ہوجائیں گے۔ جب تم دیکھتے ہو کہ مطلع غبار آلود ہوا اور دن کی روشنی بدلیوں میں چھپ گئی تو تم سمجھتے ہو کہ برق و باران کا وقت آگیا۔ پھر تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ دنیا کی امن و سلامتی کا مطلع غبار آلود ہو رہا ہے، دین الٰہی کی روشنی ظلمت کفر و طغیان میں چھپ رہی ہے مگر تم یقین نہیں کرتے کہ موسم بدلنے والا ہے، اور تیار نہیں ہوتے کہ انسانی بادشاہتوں سے

کٹ کر خدا کی بادشاہت کے مطیع ہو جاؤ؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا کے تختِ جلال کی منادی پھر بلند ہو، اور اُس کی زمین صرف اسی کیلئے ہو جائے

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (۲ - ۱۸۹)

آہ! ہم بہت سو چکے اور غفلت و سرشاری کی انتہا ہو چکی۔ ہم نے اپنے خالق سے ہمیشہ غرور کیا لیکن مخلوقوں کے سامنے کبھی بھی فروتنی سے نہ شرمائے۔ ہمارا وصف یہ تبلایا گیا تھا کہ:-

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ مومنوں کے ساتھ نہایت عاجز و نرم مگر

عَلَى الْكَافِرِيْنَ (۵ : ۵۷) کافروں کے مقابلے میں نہایت مغرور و سخت

ہمارے اسلاف کرام کی یہ تعریف کی گئی تھی کہ:-

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کافروں کے لئے نہایت سخت ہیں پر آپس

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ! میں نہایت رحم والے اور مہربان!

پر ہم نے اپنی تمام خوبیاں گنوا دیں اور دُنیا کی مغضوب قوموں کی تمام بُرائیاں سیکھ لیں۔ ہم اپنوں کے آگے سرکش ہو گئے اور غیروں کے سامنے ذلت سے جھکنے لگے۔ ہم نے اپنے پروردگار کے آگے دستِ سوال نہیں بڑھایا لیکن بندوں کے دسترخوان کے گرے ہوئے ٹکڑے چننے لگے۔ ہم نے شہنشاہ ارض و سما کی خداوندی سے نافرمانی کی مگر زمین کے چند جزیروں کے مالکوں کو اپنا خداوند

سمجھ لیا۔ ہم پورے دن میں ایک بار بھی خدا کا نام ہیبت اور خوف کے ساتھ نہیں لیتے، پر سیکڑوں مرتبہ اپنے غیر مسلم حاکموں کے تصور سے لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں!

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ، كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ، وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ؟

اے سرکش انسان! کس چیز نے تجھے اپنے مہربان اور محبت کرنے والے پروردگار کی جناب میں گستاخ کر دیا ہے؟ وہ کہ اس نے تجھے پیدا کیا، تیری ساخت درست کی، تیری خلقت کو اعتدال بخشا، اور جس صورت میں چاہا تیری شکل کی ترکیب کی، پھر یہ کس کی وفاداری ہے جس نے تجھے اس سے باغی بنا دیا ہے؟ نہیں اصل یہ ہے کہ تمھیں اس کی حکومت کا یقین ہی نہیں، حالانکہ تم پر اس کی طرف سے ایسے بزرگ نگراں کار متعین ہیں، جو تمھارے اعمال کا ہر آن احتساب کرتے رہتے ہیں اور تمھارا کوئی فعل بھی ان کی نظر سے مخفی نہیں۔ یاد رکھو کہ ہم نے ناکامی اور کامیابی کی ایک تقسیم کر دی ہے

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ
نَفْسٌ لِّنَفْسٍ
شَيْئًا وَالْأَمْرُ
يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ !

(۶ : ۸۲)

خدا کے اطاعت گزار بندے عزت و مراد
اور فتح و کامرانی کے عیش و نشاط میں رہیں گے
اور بدکار و نافرمان خدا کی بادشاہی کے
دن نامرادی و ہلاکت کے عذاب میں مبتلا
ہوں گے جس سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ یہ
خدا کی بادشاہی کا دن کیا ہے؟ وہ دن
جس میں کوئی کسی کیلئے کچھ نہ کر سکے گا اور
صرف خدا ہی کی اُس دن حکومت ہو گی!

اس سے پہلے کہ خدا کی بادشاہی کا دن نزدیک آئے، کیا بہتر نہیں
کہ اس کے لئے ہم اپنے تئیں تیار کر لیں؟ تاکہ جب اُس کا مقدس دن آئے
تو ہم یہ کہہ کر نکال نہ دئے جائیں کہ تم نے غیروں کی حکومت کے آگے خدا
کی حکومت کو بھلا دیا تھا، جاؤ کہ آج خدا کی بادشاہت میں بھی تم بالکل
بھلا دئے گئے ہو! لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ :-

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ
كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ
هٰذَا، وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَ
مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اور اُس وقت اُن سب سے کہا جائے گا کہ جس
طرح تم نے اس دن کی حکومتِ الٰہی کو بھلا دیا
تھا، آج ہم بھی تم کو بھلا دیں گے۔ تمہارا ٹھکانا
آگ کے شعلے ہیں اور کوئی نہیں جو تمہارا

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ! (۴۵ : ۳۴)

مددگار ہو۔ یہ اس کی سزا ہے کہ تم نے خدا کی آیتوں کی ہنسی اُڑائی، اور دُنیا کی زندگی اور اس کے کاموں نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ پس آج نہ تو خدا سے تم نکالے جاؤ گے، اور نہ ہی تمھیں اسکا موقع ملے گا کہ توبہ و استغفار کر کے خدا کو منالو۔ کیونکہ اس کا وقت تم نے کھو دیا!

آج خدا کی حکومت اور انسانی بادشاہتوں میں ایک سخت جنگ بپا ہے۔ شیطان کا تخت زمین کے سب سے بڑے حصہ پر بچھا دیا گیا ہے۔ اس کے گھرانے کی وراثت اس کے پوجنے والوں میں تقسیم کردی گئی ہے اور "دجال" کی فوج ہر طرف پھیل گئی ہے۔ یہ شیطانی بادشاہتیں چاہتی ہیں کہ خدا کی حکومت کو نیست و نابود کردیں۔ ان کی دہنی جانب دنیوی لذتوں اور عزتوں کی ایک ساحرانہ جنت ہے اور بائیں جانب جسمانی تکلیفوں اور عقوبتوں کی ایک دکھائی دینے والی جہنم بھڑک رہی ہے۔ جو فرزند آدم خدا کی بادشاہت سے انکار کرتا ہے، یہ دجال کفر و ظلمت اس پر اپنی جادو کی جنت کا دروازہ کھول دیتے ہیں کہ حق پرستوں کی نظریں فی الحقیقت خدا کی لعنت اور پھٹکار کی

جہنم ہے: لٰبِثِیْنَ فِیْہَآ اَحْقَابًا ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْہَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا
اور جو خدا کی بادشاہت کا اقرار کرتے ہیں ان کو اپنی ابلیسی عقوبتوں اور جسمانی سزاؤں کی جہنم میں دھکیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :-
حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ (۲۱:۶۸) مگر فی الحقیقت سچائی کے عاشقوں اور راستبازی کے پرستاروں کے لئے یہ جہنم جہنم نہیں ہے۔ لذتوں اور راحتوں کی ایک جنۃ النعیم ہے، کیونکہ ان کے لسان ایمان و ایقان کی صدا یہ ہے کہ :-

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ! اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ! اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا (۲۰:۷۵)	اے دنیوی سزاؤں کی طاقت پر مغرور ہونیوالے بادشاہ تو جو کچھ کرنے والا ہے کر گزر! تو صرف دنیا کی اس زندگی اور گوشت اور خون کے جسم ہی پر حکم چلا سکتا ہے بس چلا دیکھ! ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ ہماری خطاؤں کو معاف کرے۔ تیری دنیا دی سزائیں ہمیں اس کی راہ سے باز نہیں رکھ سکتیں۔

جبکہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اور زمین کے ایک خاص ٹکڑے ہی میں نہیں بلکہ اس کے ہر گوشے میں آج یہی مقابلہ جاری ہے تو بتلاؤ

پرستاران دین حنیفی ان دجاجلۂ کفر و شیطنت اور اس حکومت و امر الٰہی میں سے کس کا ساتھ دیں گے؟ کیا ان کو اُس آگ کے شعلوں کا ڈر ہے جو دجال کی حکومت اپنے ساتھ ساتھ سلگاتی آتی ہے؟ لیکن کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کا مورثِ اعلیٰ کون تھا؟ دین حنیف کے اولین داعی نے بابل کی ایک ایسی ہی سرکش حکومت کے مقابلے میں خدا کی حکومت کو ترجیح دی، اور اُسے آگ میں ڈالنے کے لئے شعلے بھڑکائے گئے، پر اس کی نظر میں ہلاکت کے وہ شعلے گلزارِ بہشت کے شگفتہ پھول تھے: قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ! (۲۱: ۶۹)

کیا ان کے دل میں دنیوی لذتوں اور عزتوں کی اُس جھوٹی جنّت کی طمع پیدا ہو گئی ہے جس کے فریب باطل سے یہ جنودِ شیطانی انسانی روح کو فتنہ میں ڈالنا چاہتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا انھیں خبر نہیں کہ مصر کا بادشاہ حکومت الٰہی کا منکر ہو کر اپنی عظیم الشان گاڑیوں اور بڑے بڑے رتھوں سے اور اُس ملک سے جس پر اُسے "رب اعلیٰ" ہونے کا گھمنڈ تھا، کتنے دن متمتع ہو سکا؟

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ فرعون ارض مصر میں بہت ہی بڑھ چڑھ
وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا بکلا تھا اس نے ملک کے باشندوں میں

يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

(۳:۲۸)

تفریق کرکے الگ الگ گروہ قرار دے رکھے تھے ان میں سے ایک گروہ بنی اسرائیل کو اس قدر کمزور اور بے بس سمجھ رکھا تھا کہ ان کے فرزندوں کو قتل کرتا اور ان کے اعراض و ناموس کو برباد کرتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ زمین کے مفسدوں میں سے بڑا ہی مفسد تھا لیکن اہم ہمارا فیصلہ یہ تھا کہ جو قوم اس کے ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی تھی، اسی پر احسان کریں۔ اسی قوم کے لوگوں کو وہاں کی سرداری ریاست بخشیں، انہی کو وہاں کی سلطنت کا وارث بنائیں اور انہی کی حکومت کو تمام ملک میں قائم کرا دیں۔ اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ فرعون و ہامان اور اس کے لشکر کو جس ضعیف قوم کی طرف سے بغاوت و خروج کا کھٹکا لگا رہتا تھا، اسی کے ہاتھوں ان کے ظلم و استبداد کا نتیجہ ان کے آگے آئے! ۝

مسلمانو! کیا متاع آخرت بیچ کر دنیا کے چند خزف ریزوں پر قناعت کی خواہش ہے؟ کیا اللہ کی حکومت سے باغی رہ کر دنیا کی حکومتوں سے

صلح کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا نقد حیات ابدی بیچ کر معیشت چند روزہ کا سامان کر رہے ہو؟ کیا تمھیں یقین نہیں :-

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ، وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (۲۹:)	یہ دنیا کی زندگی (جو تعلق الٰہی سے خالی ہے) اس کے سوا اور کیا ہے کہ فانی خواہشوں کے بہلانے کا ایک کھیل ہے؟ اصلی زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے جس کے لئے اس زندگی کو تیار کرنا چاہیئے۔

اگر تم صرف دنیا ہی کے طالب ہو جب بھی اپنے خدا کو نہ چھوڑ دو کیونکہ وہ دنیا و آخرت دونوں بخشنے کے لئے تیار ہے۔ تم کیوں صرف ایک ہی پر قناعت کرتے ہو؟

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (۴: ۱۳۳)	اور جو شخص دنیا کی بہتری کا طالب ہے اس سے کہدو کہ صرف دنیا ہی کے لئے کیوں ہلاک ہوتا ہے؟ حالانکہ خدا تو دین اور آخرت دونوں کی بہتری دے سکتا ہے۔ وہ خدا کے پاس آئے اور آخرت کیساتھ دنیا کو بھی لے!

مسلمانو! پکارنے والا پکار رہا ہے کہ اب بھی خدائے قدوس کی سرکشی و نافرمانی سے باز آجاؤ اور پادشاہ ارض و سما کو اپنے سے روٹھا ہوا نہ چھوڑ دو، جس کے روٹھنے کے بعد زمین و آسمان کی کوئی

ہستی بھی تم سے من نہیں سکتی! اس سے بغاوت نہ کرو بلکہ دنیا کی تمام طاقتوں سے باغی ہو کر صرف اسی کے وفادار ہو جاؤ!

پھر کوئی ہے جو اس آواز پر کان دھرے؟ فھل من مستمع؟ آسمانی بادشاہت کے ملائکہ مکرمین اور قدوسیاں مقربین اپنے نورانی پروں کو پھیلائے ہوئے اُس راستباز روح کو ڈھونڈھ رہے ہیں جو مخلوق کی بادشاہت چھوڑ کر خالق کی حکومت میں لینا چاہتی ہے کون ہے جو اس پاک مسکن کا طالب ہو، اور پاکباز روحوں کی طرح پکار اُٹھے کہ:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا، رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (۳: ۱۹)

اے ہمارے حقیقی بادشاہ! ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو تیری بادشاہت کی آواز دے رہا تھا۔ اے ہمارے ایک ہی بادشاہ! ہم نے تیری بادشاہت قبول کی پس ہمارے گناہ معاف کر! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال! اپنے نیک بندوں کی معیت میں ہمارا خاتمہ کر تو نے اپنے منادی کرنیوالوں کی زبانی ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ پورا کر! اور اپنی آخری بادشاہت میں ہمیں ذلیل اور خوار نہ کر کہ تو اپنے وعدوں سے کبھی نہیں ٹلتا۔

مسلمانوں کے فرائض کا سب سے ضروری جز

سخن طرازی و دانش، ہنر نظیری نیست
قبول دوست مگر نالۂ حزیں گردد

الہلال کی دوسری جلد کا یہ پہلا پرچہ ہے، ناظرین کو یاد ہوگا
کہ ہم نے الہلال کی اولین اشاعت کے خطبہ افتتاحیہ کو اس دعا پر ختم کیا تھا:

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (بنی اسرائیل)

اے پروردگار! اس سفر میں جو میں نے اختیار کیا ہے، ایک بہتر مقام تک پہنچائیو اور دشمنوں کے ہجوم سے نکالیو تو بہتر طریقہ سے نکالیو، اور گو میں ضعیف و کمزور ہوں، مگر تو اپنی نصرت بخشی سے اس کارزار

حق و باطل میں فتحیابی کے ساتھ غلبہ دیکھیں!!

اگر کوئی دعاؤں کا سُننے والا ہے، تو یہ دعا اسی کی بتلائی ہوئی ہے۔ اگر کوئی درد اضطراب اور رنجوری بیکسی کا درماں بخش ہے تو یہ نسخہ راحت اسی کا تجویز کیا ہوا ہے۔ اگر کوئی ہے جو حق کو با وجود ضعف ظاہری کی طاقت بخشتا اور باطل کو باوجود سروسامان ظاہری کے خاسر و ناکام رکھتا ہے تو یہ حربۂ جنگ اسی کا دیا ہوا ہے۔ اور پھر اگر کوئی ہے جو جھکے ہوئے سروں، اشک فشاں آنکھوں، اور زخمی دلوں کو دنیا میں ذلیل و رسوا نہیں کرتا، تو یہ نشان عزت و کامرانی اسی کا بلند کیا ہوا ہے۔ پس یہ ایک صدائے مضطر تھی جو ایک قلب محزوں سے اس وقت اٹھی جب اس سفر کی منزل ہی نہیں، بلکہ راہ سفر نا پید تھی جب صحرائے بے کنار سامنے، مگر دوش ہمت توشۂ سفر کے بار تقویت سے محروم تھا۔ قدم چلنے کے لئے گو بے قرار تھے، مگر راہ موانع سفر کی کثرت سے ایک سطح خار تھی۔ جب ایک معرکہ کارزار درپیش، مگر یمین و یسار ہمرہان جنگ اور رفیقان پیکار سے خالی تھا جب بازار میں خریداروں کی تلاش تھی، مگر جو جنس مقبول تھی، اس سے دُکان خالی تھی اور جو متاع ہاتھ میں تھی، اس کا کوئی خریدار نہ تھا۔ لوگ بازار میں آتے ہیں تاکہ نفع و سود حاصل کریں، لیکن ہم نکلے تھے کہ

زیاں و نقصان کو ڈھونڈھیں جب کہ زمانے کی حلاوت پسندی جام شربت کی متلاشی تھی، تو ہمارے ہاتھ قدح تلخ و گلو گیر سے بھرے ہوئے تھے۔ جب کہ دنیا اپنے تابِ حسن کی افزائش کے لئے غازۂ و روغن کی منتظر تھی، تو ہمارا دامن گرد و خاک سے بھرا ہوا تھا۔ جب کہ ان ہاتھوں کی تلاش کی جا رہی تھی، جن میں پھولوں کے گلدستے ہوں تو ہم اپنا ہاتھ دکھا رہے تھے، جس میں نوک نشتر کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب کہ جسم راحت طلب کی بیقراریاں منتظر تھیں کہ کم خواب و مخمل کے بستر تو دیکھیں تو ہمارا مشورہ تھا کہ کانٹوں کو زمین پر بچھائیے اور پھر جہاں تک ممکن ہو اس پر لوٹئے۔ دنیا کہتی تھی کہ روشنی میں آگئے ہیں، لیکن ہم یہ کہنے کے لئے نکلے تھے کہ تاریکی ہی بہتر ہے۔ زمانہ کہتا تھا کہ علم! علم!! مگر ہم پکارنا چاہتے تھے کہ جہل! جہل!! ہر طرف ہنگامہ بپا تھا کہ آگے بڑھئے، مگر ہم غل مچانا چاہتے تھے کہ پیچھے ہٹئے۔ نظریں سامنے کی طرف تھیں مگر ہم عقب کی طرف دیکھنا چاہتے تھے۔ بازار میں مانگ تھی مدح و تحسین کی، مگر ہم لے کر نکلے تھے طعن و قدح کو۔ خریدار ڈھونڈ رہے تھے برادۂ صندل کو تا کہ اس کے لیپ سے ٹھنڈک پائیں، لیکن ہم پیس رہے تھے نوک جراحت اندیش کو تا کہ زخموں کی سوزش اور بڑھ جائے۔ یقیناً ہم مجنون و لایعقل تھے۔ اگر آپ

حلوا فروشوں کے بازار میں کسی کو دیکھئے کہ شیرۂ قند کے قوام کی جگہ نیم کی پتیوں کو جوش دے رہا ہے تو آپ کیا کہیں گے؟ اگر آپ سے کہوں کہ آگ اور پانی کے دیو یعنی انجن کو اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں سے روک دوں گا تو آپ کیوں تسلیم کرنے لگے؟ شہد کو سب پسند کرتے ہیں، مگر کونین کے سفوف کو کوئی شہد کی آرزو وفور شوق سے نہیں کھاتا پھول کے گلدستے کے لئے کس کا ہاتھ ہے جو نہیں بڑھے گا لیکن نشتر کی نوک کے لئے کوئی بھی بیقرار نہیں ہوتا۔ سفر کی کامیابی زاد راہ اور اسباب وسامان پر موقوف ہے، اور لڑائی بغیر شمشیر و تفنگ اور سپاہیوں کی صفوں کے ممکن نہیں۔ یہ سب سچ ہے لیکن پھر یہ کیا ہے جسے اپنے گرد وپیش دیکھ رہا ہوں؟

کیا یہ اس نیرنگ ساز کے عجائب کاروبار نصرت کی آیات و آثار نہیں ہیں؟ اگر ہر کام کے لئے اسباب وسامان مطلوب ہیں تو ہمارے پاس کیا تھا؟ اگر قبولیت ورجوع قلوب کے لئے روش عام ضروری ہے تو ہمارے قدم تو اس طرف نہ تھے نفس انسانی ہماری خاطر اپنے خصائص طبیعہ کو چھوڑ نہیں سکتا، اور زمانے نے کچھ ہماری اطاعت کا وعدہ نہیں کرلیا ہے کہ ہمارے لئے اپنا موسم بدل دے گا۔ تعریف نفس کو محبوب ہے اور نکتہ چینی سے کوئی خوش نہیں ہوتا۔ نرم ہاتھوں کو سب پسند

کرتے ہیں، لیکن سخت ہاتھوں کی گرفت کسی کو خوش نہیں آتی - ملک میں
مختلف گروہ، مختلف جماعتوں پر حکمراں ہیں، اور ان کے قلوب کی
باگ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں پھر ان میں سے کسی کا ساتھ دیجئے تو زمانہ
آپ کے ساتھ ہے اور اگر الگ رہیئے تو اپنی طاقت کا ثبوت دیجئے
لیکن یہاں طاقت کا ادعا نہیں، بلکہ عجز و ضعف کا انکسار تھا - باایں‌ہمہ
اس جھ ماہ کی اقل قلیل مدت کے بعد دیکھتے ہیں تو یہ کیسی عجیب بات
ہے کہ باوجود تمام بے سروسامانیوں کے پہلی منزل سے گزر چکے
ہیں، اور باوجود دیکہ یک و تنہا تھے، مگر الحمد للہ کہ کارزار حق و
باطل میں شکست و ناکامی سے شرمندہ و نادم نہیں ہیں - ہر طرح
کے اسباب مفقود تھے اور موانع کی کثرت سے راہ امید مسدود
مگر اسباب کی تلاش سے پہلے خود اسباب نے ہمیں تلاش کیا، اور
طلب سے پہلے خود مطلوب نے اپنی صورت دکھلائی - آواز خوش آیند
نہ تھی مگر کسی نے سُننے سے انکار نہیں کیا، اور جام تند و تلخ تھا، مگر
بہتوں نے اسے شربت قند و شہد پر ترجیح دی - اس میں شک نہیں
کہ بہتوں نے کانوں میں انگلیاں بھی ڈالیں مگر ہاتھوں میں اس کے
اوراق بھی لئے رہے - ایسے بھی کم نہ تھے جنھوں نے پینے سے
پہلے منہ بنایا، لیکن بالآخر حلق سے اتار بھی لیا بعضوں کی پیشانیاں

صاف تھیں، اور اکثروں کی پُرشکن، مگر طرفہ ماجرا یہ تھا کہ چہرے سب کے اسی طرف تھے۔ یہ ضرور ہے کہ مہرو نوازش کی نظریں کم تھیں، مگر نگراں بھی سب اسی جانب تھیں۔ جام سب نے لئے مگر یوں سمجھئے کہ کسی نے آنکھوں سے آنکھیں ملاکر لیا اور کسی نے

مُنہ پھیر کر ادھر کو، اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ

آپ کو پورا اختیار ہے کہ اس کے علل و اسباب ظاہری کی جستجو میں کاوش کیجئے، مگر ہم کو یقین ہے کہ اس قلیل عرصے میں یہ جو کچھ ہوا، فی الحقیقت اس دعا کی استجابت کا آغاز تھا اور اس نصرت فرمائے حق کی ایک آیت قاہرہ تھی، جو ہمیشہ حق کو باوجود اس کی ظاہری بے سروسامانی کے نصرت بخشتا ہے، اور باطل کو باوجود اس کے سازوسامان کے ناکام و خاسر کرتا ہے؛ اور پھر قلوب مومنین اور انظار خاشعین کے لئے اس تائید غیبی کو حق و صداقت کی ایک کھلی نشانی قرار دیتا ہے۔ تاکہ دیکھنے والے دیکھیں، سننے والے سنیں اور دل رکھنے والے سوچیں۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وَنُنَزِّلُ	حق ظاہر ہوا، باطل کو شکست ہوئی اور اور باطل تو شکست ہی کھانے والا ہے اور ہم اس کتاب ہدایت قرآن میں الہی تعلیم

مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ — دیتے ہیں، جس میں صاحبان ایمان کے لئے
وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ — تمام امراض قلبی کے لئے شفا اور رحمت ہے
لَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا — (البتہ) نافرمانوں اور حامیانِ باطل کو
خَسَارًا۔ (بنی اسرائیل) — اس سے اور اُلٹا نقصان ہی پہنچتا ہے۔

ایک ہزار تین سو برس سے زیادہ زمانہ گزرا، جب حق اور باطل
صدق و کذب، نور و ظلمات، پیروان شیطان اور بندگان خدا، دونوں
میں ایک سخت جنگ برپا تھی۔ حق بظاہر بیکس، بے سروسامان اور
مظلوم تھا، اور شیطان کا تخت اپنے سائے کی ظلمت میں باطل پرستوں
کی ایک مغرور فوج رکھتا تھا جبل بوقبیس کے تنگ و تاریک غار
میں روشنی کی ایک دھیمی جھلک نظر آتی تھی، مگر ریگستان حجاز کا ایک
ایک ذرہ ظلمات کذب کی پوری مسلح فوج تھا۔ لیکن یہی دعائے
مقدس تھی جو خدا نے اپنے زمین کے ایک ہی وارث حق و صداقت
کو سکھلائی تھی، اور یہی الفاظ تھے جو غربت و بے سر و سامانی کے
عالم میں اس مجسمۂ حقانیت کی زبان سے نکلے تھے۔ پھر جو کچھ ہوا
وہ صرف آپ کے اور ہمارے ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے سامنے ہوا!

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ — جبکہ خدا کی نصرت آ پہنچی اور حق و صداقت
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ — کو فتح ہوئی اور تم نے اپنی آنکھوں سے

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاه	دیکھ لیا کہ دین الٰہی میں لوگ جوق جوق
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	داخل ہو رہے ہیں، تو اب اپنے پروردگار
وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ	کی حمد و ثنا کرو اور اپنے خطاؤں کی معافی
تَوَّابًاه (النصر)	مانگو! یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

مقام اطاعت خدا اور رسول اور شرف معیت جماعت اربعہ

الہلال بھی ایک دعوت ہے جس کے تمام اغراض و مقاصد اور اصول و فروع کا نقطۂ وحید صرف اس دین الٰہی کی دعوت کی تجدید اور اس کے اصول بنیادی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کو زندہ کرنا ہے۔ پس گو وہ ایک ذرۂ حقیر ہو مگر اس کی روشنی ماخوذ اسی مہر منیر سے ہے، اور گو وہ خود ضعیف ہو لیکن پیامبر اسی قوی و عزیز کا ہے۔ ولنعم ما قیل:

گرچہ خوردیم، نسبتے ست بزرگ　　ذرۂ آفتاب تابانیم

یقینی ہے کہ نصرت الٰہی کے جو عجائب اس دعائے مقدس نے اول روز دکھلائے تھے، اس کا فیضان جاری آج بھی پیروان دین مبین اور حامیان حق و صداقت کو اپنا کرشمۂ قدرت دکھلائے اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ذریعہ مقربان الٰہی کے مقام سے نسبت حاصل کر لی ہے، وہ اس شرف نسبت کی بدولت ان تمام برکات و نعائم کے شریک و حقدار ہو جائیں جن

کے وہ گو خود مستحق نہیں ہیں، مگر جن مستحقین نعمت کے ساتھ ہیں، ان کی معیت کا شرف ضرور حقدار رہے اور یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے کہ:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۔ (النساء)

اور جو لوگ ہر طرف سے باغی ہو کر صرف اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و منقاد ہو گئے تو بیشک وہ ان مقربان الٰہی کے ساتھی ہو جائیں گے جن کو حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے نزول کے لئے دنیا میں چن لیا ہے اور جن میں سب سے پہلی جماعت انبیائے کرام کی، پھر صدیقوں کی پھر شہدا اور صالحین امت کی ہے۔ یہ چار جماعتیں ان کی ساتھی ہوں گی اور اس رفاقت سے بڑھ کر اور کون سی رفاقت ہو سکتی ہے؟

اس آیت میں چار مخصوص جماعتوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان کے ساتھیوں میں محسوب ہوں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ "مقام اطاعت" کا حصول کیونکر متحقق ہو سکتا ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں؟

یاد رہے کہ ہر اطاعت کے لئے ایک سرکشی، ہر وفاداری کے لئے ایک دشمنی اور ہر عاجزی کے لئے ایک غرور و تمرد لازمی ہے۔ آپ ایک آقا کے نوکر ہو نہیں سکتے جب تک اور تمام آقاؤں سے انکار نہ کردیں۔ زید سے اگر آپ کو محبت ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام دشمنوں کے آپ دشمن ہو گئے۔ ایک چوکھٹ پر جب ہی سر جھک سکتا ہے، جب اور تمام جھکانے والی چوکھٹوں پر سے مغرور ہو کر گزر جائے۔ جب آپ نے کہا کہ میں روشنی ہی کو پسند کرتا ہوں تو ضمناً اس کا بھی اقرار کرلیا کہ تاریکی سے متنفر ہوں۔ آپ ایک ہی جانب اپنا منہ کر نہیں سکتے جب تک اور ہر طرف سے منہ پھیر نہ لیں اور ایک ہی سے اپنا رشتہ جوڑ نہیں سکتے جب تک ہر طرف سے رشتے کاٹ نہ لیں۔ پس خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کے سوا اور جتنی قوتیں اپنی اطاعت کی طرف بلاتی ہیں، ان سب سے باغی ہو جائے اور اس کے آگے جھکنے سے پہلے اور تمام جھکانے والوں کے آگے مغرور ہو جائے۔ جو لوگ اس کی اطاعت کے مدعی ہیں، ان کو اطاعت سے پہلے سرکشی کا، وفاداری سے پہلے بغاوت کا، اور دوستی سے پہلے دشمنی کا ثبوت دینا چاہئے۔ ان کو آزمائش میں پڑ کر ثابت کرنا چاہئے کہ خدا کی وفاداری کے لئے انھوں نے کن کن قوتوں سے بغاوت کی ہے؟ اور اس کی

محبت کے پیچھے کس کس کو اپنا دشمن بنایا ہے؟ وہ حکومت الٰہی کے مقابلے میں اپنا تخت تسلط بچھانے والی قوت شیطانی، جو انسانوں کو خدا سے چھین کر اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہتی ہے اور جس کے مظاہر تمہارے اندر اور باہر دونوں جگہ موجود ہیں، مدعیان اطاعت الٰہی کے لئے دنیا میں پہلی اور پچھلی آزمائش ہے۔ کوئی ہستی خدا کی مطیع ہو نہیں سکتی جب تک کہ اس قوت اور اس قوت کے تمام مظاہر سے باغی و متمرد نہ ہو جائے۔ سب سے بڑا قوت ابلیسی کا مظہر نفس انسانی اور قوائے بہیمیہ کی قوائے ملکوتیہ سے ایک دائمی جنگ ہے۔ پھر انسان سے باہر طرح طرح کی ضلالتوں اور باطل پرستیوں کے تخت بچھے ہوئے ہیں اور خود انسانوں کے بے شمار غول ہیں، جنھوں نے شیطان کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس طرح اس کی اطاعت میں اپنے تئیں فنا کر دیا ہے کہ ان کا وجود از سرتا پا پیکر شیطانی اور مجسمۂ ابلیسی بن گیا ہے۔ ان میں سے ہر قوت شیطانی انسان کو اپنے آگے مرعوب دیکھنا چاہتی ہے۔ کہیں دولت اور مال و جاہ دنیوی شیطان کا نشیمن ہے، کہیں غرور علم و فضل کے اندر سے شیطان جھانک رہا ہے، کہیں مذہبی پیشواؤں کی جماعتیں اس کا مرکب فساد بن گئی ہیں اور کہیں جماعتی تسلط اور قوت نے اپنی دعوت ضلالت کی باگ اس کے ہاتھ میں دیدی ہے۔ حکومتوں اور گورنمنٹوں کا قہر و استبداد بھی ایک بہت بڑا مظہر ابلیس

ہیں۔ اور ننگ وناموس دنیوی اور محبت اہل وعیال کی زنجیروں کے اندر بھی اسی کے تعبد وانقیاد کی کشش مخفی ہے۔ پس مقام "وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ" کے حاصل کرنے کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ انسان ان تمام طاقتوں کی اطاعت سے یکسر باغی وسرکش ہو جائے اور ان کی عظمت و جبروت کے اثر سے اپنے دل کو آزاد کر دے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جہاں تک طلب صادق کی قوت اور توفیق الٰہی کی ہمت اس کا ساتھ دے، ان تمام مظاہر شیطانیہ کے مقابلے میں ایک مغرورانہ جہاد کا اعلان کر دے، اور تعبد الٰہی کی تلوار لے کر فاتحانہ اُٹھ کھڑا ہو۔ ضلالت اور گمراہی کا تبکدہ جہاں دیکھے حق اور صداقت کی ضرب سے پاش پاش کر دے۔ دولت دنیا میں ہمیشہ شیطان کی سیر و سیاحت کا سب سے بڑا مرکب رہی ہے اور ضلالت کی تاریکی نے چاندی اور سونے کی دیواروں کے اندر ہمیشہ گھر بنایا ہے، پس ہر اُس غرور اور ادعا کو جو دولت اور عز و جاہ دنیوی سے پیدا ہو شیطان کا بت یقین کرے اور خدا کی عزت کی خاطر، جہاں تک ممکن ہو اسے ذلت سے ٹھکرا دے۔ حکومتوں کا استبداد، علماء سوء اور مذہبی پیشواؤں کا استیلا دنیوی رہنماؤں اور جماعتی حکمرانوں کا قہر و تسلط، رسم و رواج اور سوسائٹی کے دباؤ کی شدت، یہ تمام چیزیں بھی شیطان ہی کے تخت کے سایہ میں نشو و نما پانے والی ہیں، اور ان کی قوت بھی "مَا اَنْزَلَ اللهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ"

میں داخل، پس خدا کی محبت کے لئے ان سب کا دشمن ہو جائے اور اس کے نام کی عزت کو ملند کرنے کے لئے ان سب کو ذلیل ورسوا کرے۔ اپنی زبان کو، اپنے دماغ کو، اور اپنی تمام قوتوں کو وقف کر دے تاکہ جو طاعت الٰہی سے سرکش انسان حق وصداقت کی عزت کو دنیا میں تاراج کر رہے ہیں، ان کی عزت باطلہ کے تاراج وغارت کرنے کا وہ ذریعہ بنے۔ اس کی زبان حق کی زبان ہو اور قدم حق کے قدم ہوں۔ زبان سے ان کی تحقیر وتذلیل کرے اور پاؤں سے ان کے مغرور سروں کو کچلے جب اس منزل امتحان سے وہ گزر جائے گا۔ اس وقت اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہوگا۔ کیونکہ جو اللہ کا مطیع ہو، ضرور ہے کہ شیطان سے باغی ہو۔

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

سلسلۂ سخن میں ہم بغیر کسی گریز کے مقصود اصلی تک پہنچ گئے۔ اس مقام طاعت الٰہی ہی سے وہ اصل اصول اسلامی رونما ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے

الامر بالمعروف والنہی عن المنکر

کے جامع ومانع الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور جو اس دین قویم کا اصل اساس، اور امت مرحومہ کے شرف وفضائل کی علت حقیقی اور اس کے تمام اصول وفروع کے لئے بمنزلہ عماد کار اور بنیاد شریعت

بیفما رکے ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران)

تم تمام اُمتوں میں سب سے بہتر اُمت ہو، کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ سورۃ حج میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج)

اگر ہم مسلمانوں کو حکومت اور خلافت دیکر دنیا میں قائم کر دیں تو ان کا کام ملک گیری یا عیش و عشرت نہ ہوگا، بلکہ یہ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے، اپنے مال کو اس کی راہ میں خرچ کریں گے۔ دنیا کو نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرائیوں سے روکیں گے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھوں میں ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عروج اور وراثت ارض کی اصلی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ دنیا میں اعمال حسنہ انجام دیں گے، اور پھر ان کی تشریح کی ہے کہ وہ عبادت بدنی و مالی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ پس فی الحقیقت حق کا اعلان اور گمراہی کا رد کرنا

ایک ایسا فرض اسلامی تھا جس کو مثل نماز اور زکوٰۃ کے ہر مومن و مسلم پر فرض کر دیا گیا تھا اور دنیا میں اس امت کو خدا کی طرف سے یہ خدمت تفویض کی گئی تھی کہ حق کے قیام اور گمراہی کے انسداد کا اپنے وجود کو ذمہ دار سمجھے اور ہر چیز کو گوارا کرلے مگر حق کی مظلومی کی اس کو برداشت نہ ہو۔

یہ فرض عام تھا کسی خاص جماعت کی اسمیں خصوصیت نہ تھی۔ امم قدیمہ کی گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ یہ فرض ہمیشہ علماء و رؤسائے دینی کے قبضۂ اقتدار میں رہا۔ اور اس لئے جس وقت تک وہ خود حق پر قائم رہے قوم بھی ہدایت پر قائم رہی اور جب وہ گمراہ ہو گئے تو قوم کی قوم برباد ہو گئی۔ اسلام نے اس مرض کا یہ علاج تجویز کیا کہ "امر بالمعروف" کو ہر فرد امت کا فرض قرار دیا، اور اس کی ذمہ داری پوری قوم پر پھیلا دی۔ یعنی ہر مومن جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے، بمجرد اقرار، اس کا بھی عہد کر لیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو قیام حق اور انسداد باطل کا ذمہ دار سمجھے گا، اور اس کی تمام قوتیں صرف اس لئے ہوں گی کہ نیکی کی نصرت کریں اور برائی کو روکیں۔

علاوہ ان آیات کریمہ کے (صحیح مسلم) کی ایک مشہور حدیث میں جس کو حضرت ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے اور نیز نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی بادنے تغیر موجود ہے، کس قدر واضح طور پر اس

فرض کی تشریح فرمائی ہے:۔

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۔	تم میں سے جو مسلمان کوئی خلاف حق بات دیکھے تو اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ کے زور سے اس کو دور کرے۔ اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اس کی بُرائی بیان کرے، اگر اس کی بھی قدرت نہ دیکھے تو

کم از کم دل ہی دل میں اس کو بُرا سمجھے۔ مگر یہ آخری صورت ایمان کا نہایت ضعیف درجہ ہے۔

اسلام کی تعلیم کا اصلی عملی دور درحقیقت وہی اُس کا ابتدائی زمانہ تھا، جو افسوس ہے کہ بہت جلد ختم ہوگیا۔ یہ اسی فرض اسلام کی قوت تھی جس نے قرون اولیٰ میں تمام اسلامی سرزمین کو اعمال حسنہ کی حکومت سے نیکیوں کی ایک بہشت بنا دیا تھا۔ شیطان اُس وقت بھی آزاد تھا، جیسا کہ اب ہے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں ڈالی گئی تھیں، مگر یہ ضرور تھا کہ اسلام کی قوت عاملہ نے انسانی نفس کی بے اعتدالیوں کو گویا پابزنجیر کر دیا تھا۔ اور امر بالمعروف کے حکم سے کوئی باہر نہ تھا۔ ہر شخص یقین کرتا تھا کہ وہ "مسلم" ہے۔ اس لئے دنیا میں خدا کا قائم مقام اور اس کا نائب ہے۔ پس دنیا کی ہر چیز اور ہر عمل کو اپنی آنکھ سے نہیں بلکہ خدا کی آنکھ

سے دیکھتا تھا اور اپنی خواہشوں پر "مرضات اللہ" کو مقدم رکھتا تھا۔
ہم اُس زمانے کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ ایک عورت نفس کے تسلط
سے مجبور ہو کر زنا کے ارتکاب میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کی کسی
متنفس کو خبر نہیں ہوتی، مگر وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت
میں آتی ہے اور اپنے زنا کا اقرار کر کے مجبور کرتی ہے کہ سنگسار کی جائے
اور پھر انقضائے حمل کے بعد پورے عزم و استقلال سے آکر سنگسار
ہوتی ہے۔ ہم کو اُس زمانے میں وہ ہزاروں انسان نظر آتے ہیں جو
حق کے اعلان کی خاطر اپنے تمام عزیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں؛ اور اللہ کی
راہ میں اُن تمام سخت سے سخت مظالم کو ہنسی خوشی برداشت کرتے
ہیں جو باطل کے پرستاروں کے ہاتھوں ان کو جھیلنے پڑتے ہیں۔ باپ نے
اپنے بیٹے کو خلاف حق چلتے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے سزائیں دی ہیں اور
بیٹوں نے اپنے والدین کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ہے۔ دنیا کے اختیار
میں ہے کہ اُس عہد سے اعلیٰ تمدن، بہتر ساز و سامان معیشت اور ترقی یافتہ
علوم و فنون پیش کر دے، لیکن یہ قطعی ہے کہ اس زمانے سے بہتر وہ انسان
نہیں دکھلا سکتی۔

یہی لوگ تھے جن کی تعریف میں خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ:

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ — کفر و ضلالت کے مقابلے میں نہایت سخت ہیں

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ مگر آپس میں ایک مومن دوسرے مومن کے لئے
(الحجرات) نہایت رحم دل ہے۔

ان کی دوستیاں اللہ کے لئے تھیں اور دشمنیاں بھی اللہ ہی کے لئے۔ اُنھوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو مٹا دیا تھا اور اسکی جگہ اللہ کی رضاجوئی کے ولولے کی انگیٹھی روشن کرلی تھی "اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ" ان کا محور اعمال تھا۔ وہ ملتے تھے تو حق کی خاطر اور کٹتے تھے تو صداقت کے لئے۔ پھر اس راہ میں نہ کسی کا خوف تھا اور نہ کوئی دنیوی طاقت ان کو مرعوب کرسکتی تھی، کیونکہ اُنھوں نے اس مالک الملک سے صلح کرلی تھی جس سے کائنات عالم کی ہر شے ڈرتی ہے۔ پس اب ان کو کسی ڈرانے والے سے شکست کھانے کا خوف نہ تھا:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ، يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (المائدۃ)

ایمان اور صداقت کے سامنے نہایت عاجز نظر آتے ہیں مگر کفر و ضلالت کے سامنے نہایت مغرور۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور پھر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے (کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔)

اسی "امر بالمعروف" کے اصول کا نتیجہ وہ آزادی راست گوئی

اور بے باکانہ حق پژوہی تھی، جس کے بیشمار نظائر سے صدر اول کی تاریخ لبریز ہے۔ سرزمین اسلام کا ایک ایک بچہ اور مدینے کی گلیوں کی بڑھیا عورتیں اعلان حق کی جو قوت اپنے اندر رکھتی تھیں، وہ آج علم و دولت کی قوت کے مجموعوں کو بھی نصیب نہیں۔ "امر بالمعروف" کی روح نے ایک ایسی زندگی ہر مسلمان میں پیدا کر دی تھی کہ خلاف حق و صداقت عمل کو دیکھ کر بے اختیار تڑپ جاتا تھا، اور نہ تو تلوار اس کی زبان کو بند کرنے پر قادر تھی اور نہ حکومت کا تخت سطوت اس کی آواز کو دبا سکتا تھا۔

"امر بالمعروف" کے سدباب کا پہلا دن

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوف عام فساق و مجالس سے الگ قرار دی جائیں گی، تو ان میں سب سے پہلی صف یقیناً (بنی امیہ) کی ہوگی۔ انھی ظالموں نے اسلام کی اس روح حریت کو غارت ظلم و استبداد کیا، اور اس کے عین عروج اور نشوونما کے وقت اس کی قوت نمو کو اپنے اغراض شخصیہ کے لیے کچل ڈالا۔ ان کا اقتدار و تسلط فی الحقیقت "امر بالمعروف" کے سدباب کا پہلا دن تھا۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے اسلام کی جمہوریت کو غارت کر کے اس کی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی جو یقیناً اعتقاد قرآنی کی رو سے کفر جلی ہے، بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اظہار حق اور امر بالمعروف کی قوت کو

تلوار کے زور سے دبا دینا چاہا، اور مسلمانوں کی حق گوئی کے ترقی کنان ولولے کو مضمحل کر دیا، تاہم چونکہ عہد نبوت کا فیضان روحانی اور تعلیم قرآنی کا اثر ابھی بالکل تازہ تھا، اس لئے اگرچہ طرح طرح کی بدعات اور محدثات و معاصی کا بازار گرم ہو گیا تھا لیکن پھر بھی "امر بالمعروف" کی آواز کی گرج کوفہ و دمشق کے ایوان و محل کو لرزا دیتی تھی۔ ساٹھ برس کی ایک بڑھیا عورت بر سر دربار بلائی جاتی تھی اور (معاویہ) کے سامنے بے دھڑک اپنے وہ اشعار جوش و خروش کے ساتھ پڑھتی تھی جن میں نہ صرف حضرت امیر علیہ السلام کے مناقب ہوتے تھے بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بنی امیہ کے فضائح و مثالب بیان کیے گئے تھے۔ عبد الملک جیسا پارعب و جبروت شہنشاہ مدینے آتا تھا تو اس کے دروازے سے گلیم پوش فقرا، صحابی نکلتے تھے اور بر سر دربار اس کو ظالم بتلاتے تھے۔ تاریخ میں ہم صدہا واقعات کے ضمن میں پڑھتے ہیں کہ حجاج کے سامنے اس کی بے نیام تلوار رکھی رہتی تھی، لیکن جانفروش مومن آتے تھے اور اس کی تلوار کو حقارت سے دیکھ کر اپنی شمشیر حق گوئی سے خود اس کے دل کو مجروح کر دیتے تھے

عہد عباسیہ اور علماء حق کی استقامت

بنی امیہ کے بعد ان کی ہر چیز کے وارث عباسی ہوئے، اور گو

حکومت کے استیلاء استبداد سے "امر بالمعروف" کا نشوونما رک
گیا تھا اور روز بروز اس کی قوت ضعیف سے ضعیف تر ہوتی جاتی تھی
لیکن تاہم اسلام نے قوم کے اندر اس اصول کی روح جس قوت کے
ساتھ پھونک دی تھی، اس کی ہلاکت کے لئے ایک مدت مدید درکار
تھا۔ باوجود عجمی حکومت مستبدہ کی تقلید، اور تہور و استیلائے شدید
کے جو آل عباس کو حاصل تھا، مامون الرشید جیسے عظیم الشان اور
متوکل جیسے ظالم کے دربار میں آپ کو صدہا اشخاص نظر آئیں گے
جن کو تخت بغداد کی عظمت و شوکت بھی مرعوب نہ کر سکی، اور اپنی
جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر انھوں نے امر حق کا اعلان کیا۔ مامون الرشید
کا استبداد جب مسئلہ خلق قرآن میں ظلم و تشدد تک پہنچ گیا تو دار الخلافہ
بغداد میں علمائے حق کی مظلومی نہایت درد انگیز تھی۔ لوگوں کو جبر و
تشدد کے ساتھ مجبور کیا جاتا تھا کہ حدوث قرآن کا اقرار کریں، اور
جو انکار کرتے تھے ان کو طرح طرح کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جاتا تھا۔
جامع مسجد میں سوائے جہمیہ و معتزلہ کے کسی کو حق نہ تھا کہ وعظ و ارشاد
کرے۔ اور جو شخص زبان سے قدم قرآن کا لفظ نکالتا تھا اس کی سزا
موت تھی۔ لیکن باین ہمہ عین ایسے جاں طلب اور خونریز موقعہ پر شیخ
عبد العزیز بن یحییٰ مکہ معظمہ سے چل کر بغداد تک صرف اس لئے آتا ہے کہ

دارالخلافہ کی جامع مسجد میں خلق قرآن کے ابطال پر علانیہ وعظ کہے اور اس طرح گرفتار ہو کر مامون کی مجلس تک پہنچے، اور پھر اس کے سامنے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کے فرض کو انجام دے۔ چنانچہ وہ بغداد پہنچ کر عین جمعہ کے دن جامع مسجد (رصافہ) میں جاتا ہے اور بعد نماز کے منبر سے پکار کر کہتا ہے "کلام اللہ منزل غیر مخلوق!!"

اس کی اس ہلاکت طلبیہ جرأت سے تمام مسجد میں ہنگامہ بپا ہو گیا، اور لوگوں نے کہا کہ یا زندگی سے بیزار یا مجنون ولاعقل ہے بالآخر عمرو بن مسعدہ رئیس الشرطہ (کوتوال شہر) کو فوراً اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اس نے آکر عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا اور اس کی خواہش کے بموجب دربار خلافت تک پہنچا دیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے مجلس مناظرہ اور حضور خلیفہ کی درخواست کی، اور مامون الرشید کی موجودگی میں اس عقیدے کے فسادات کو ایک ایک کر کے بیان کیا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

عباسیہ کے بعد فتنۂ تاتار کی غارت گری نے تاریخ اسلام کا ورق الٹ دیا۔ اور ایک وحشی قوم اسلام کے عرش حکومت کی مالک ہو گئی عربی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی دعوت اسلامی کے بقیہ قوا کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا، اور فتنۂ وفساد، جنگ وجدال، حکومتوں اور

قوموں کے تصادم اور دائمی کشت و خونریزی سے نفسانی اغراض و ظلم و عدوان کی فضا ہر طرف پھیل گئی تھی۔ سب سے بڑا فتنہ علماء سوء کی کثرت اور علمائے حق کی غربت تھی۔ خلافت راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی شخصی حکومت کی بنیاد پڑ گئی تھی اور شخصی حکومت کی سب سے زیادہ قاتل سمیت امراء و رؤسا کی ندامت اور مصاحبت کی رسم کا پیدا ہونا ہے، جو دنیوی عزت و جاہ کے حصول کا ذریعہ اور بادشاہ وقت کے تقرب و طلب توجہ کا وسیلہ بن جاتی ہے، اور یہ سب سے بڑی دین و علم کی آزمائش ہوتی ہے جو بد چلن زنجیر بن کر طبقۂ علماء کے پاؤں میں پڑ جاتی ہے۔ پھر یہ طبقہ زر پرستی اور حصول عز و جاہ کی لعنت میں گرفتار ہو کر شیطان کا سب سے بڑا مرکب فساد بن جاتا ہے اور دین و علم کو امراء و رؤسا کی ابلیسانہ خواہشوں کے تابع کر دیتا ہے۔ اس کا علم و مذہب اور وعظ و ارشاد حق کے لئے نہیں بلکہ طلب دنیا کے لئے ہوتا ہے وہ قوم کو حق کی طرف نہیں بلاتا بلکہ خود قوم کی ضلالت اور گمراہی کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہتا ہے۔ جس عقیدے اور تعلیم کو جلب قلوب اور امراء و رؤسا کی خوشنودی کا ذریعہ دیکھتا ہے، بیان کرتا ہے اور جس کو ان کی خواہشوں کا مخالف پاتا ہے ترک کر دیتا ہے قرآن کریم نے علمائے یہود کی سب سے بڑی مذمت یہی بیان کی تھی:-

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

پھر بنی اسرائیل میں سلف صالح کے جانشین اور کتاب تورات کے وارث ایسے ناخلف ہوئے جو احکام الٰہی کو اغراض دنیوی کے لئے تبدیل کر دیتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں. اس لئے کہ اس کے صلے میں انھیں اس دنیائے دوں کا کوئی ذلیل حصہ مل جاتا ہے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہتے ہیں کہ ہم علماء میں سے ہیں اس لئے ہمارا گناہ تو معاف ہو جائے گا اور اگر پہلی چیز کی طرح کوئی اور دنیاوی چیز ان کے سامنے آجائے تو پھر اس کے لینے کے لئے تیار رہتے ہیں. کیا ان گمراہوں سے وہ عہد جو تورات میں مرقوم ہے نہیں لیا گیا ہے کہ "ہم حق بات کے سوا دوسری بات خدا کی طرف منسوب نہیں کریں گے؟" پھر جو کچھ تورات میں ہے وہ اسے پڑھ چکے ہیں اور کچھ جاہل و بے خبر بھی نہیں ہیں۔

زوال بغداد کے ساتھ ہی عربی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا اور ترکوں کا جو اقتدار ایک صدی سے نشو و نما پا رہا تھا، وہ تمام عالم اسلامی پر چھا گیا۔ ترک ایک نو مسلم قوم تھی، جو عربی زبان سے واقف نہ تھی اور نہ اس کو دین و مذہب کی کچھ خبر تھی اسلئے مجبوراً اس کو تمام علمی اور

مذہبی معاملات میں علماء سے مدد لینی پڑی اور اس طرح علم و مذہب بیشتر سے زیادہ حصول قوت و حکمرانی اور دولت و جاہ دنیوی کا ذریعہ بن گیا یہ "امر بالمعروف" کی بقیہ زندگی کے لئے گویا ایک آخری فتوی موت تھا۔ کیونکہ اب علم و مذہب اعلان حق و دفع باطل کے لئے نہیں، بلکہ حصول عزو جاہ اور حکومت و تسلط کے لئے حاصل کیا جانے لگا اور نفس پرست بادشاہوں اور امیروں کے دربار کی پہلی صفوں میں علماء و فقہاء کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ علم حق ایک نور الہی ہے، جو اغراض نفسانی کی تاریکی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ وہ حق و صداقت ہے، مگر نفس کذب و باطل کی پرستش کرتا ہے۔ پس جن دلوں میں دنیوی لذائذ اور حکومت و امارت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے مجبور ہو جاتے ہیں کہ علم و حقانیت کو ان نفوس خبیثہ کا تابع و محکوم کر دیں جن کے ہاتھ میں دولت اور عزو جاہ دنیوی کی بخشش کی قوت ہے۔ غرض اور ہوس کا تسلط ان کے دلوں سے خدا کی حکومت کے خوف کو زائل کر دیتا ہے۔ وہ حق کو دیکھتے ہیں کہ مظلوم ہے، لیکن زبان نہیں کھولتے، کیونکہ جانتے ہیں کہ حق کی نصرت ان کے اغراض نفسانیہ کے لئے مضر ہے جو دل خدا سے نہیں ڈرتا پھر وہ دنیا کی ہر شے سے ڈرنے لگتا ہے پس وہ اللہ کی حکومت سے آزاد ہو کے شیطان کے ہر ادنی سے ادنی

مظہر اور ذریت کے غلام ہو جاتے ہیں اور چونکہ امراء و رؤسا یا عوام و جہلا سے جلب نفع اور حصول زر کی خواہش اپنے اندر رکھتے ہیں، اس لئے ان کی قدرت سے باہر ہوتا ہے کہ ان کے خلاف لبوں کو حرکت دے سکیں۔ وہ حق اور راستی کو پہچانتے ہیں لیکن اس کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ نہیں کر سکتے، کیونکہ ڈرتے ہیں کہ پھر دولت و جاہ دنیوی کے بت اپنا ہاتھ ان کے سروں پر سے ہٹا لیں گے: وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔

فی الحقیقت تاریخ اسلام کی گزشتہ آخری صدیاں "الامر بالمعروف" کی تاریخ کا ایک عہد تاریک تھا، جس میں روز بروز پچھلی روشنی مفقود ہوتی گئی اور نئی تاریکی اس کی جگہ قبضہ کرتی گئی۔ اجتماعی فسادات و امراض کے علاوہ سد باب اجتہاد اور اعتقاد تقلید نے تمام علوم عقلیہ و دینیہ کی ترقی روک دی تھی اور علی الخصوص علوم دینیہ کی درس و تدریس میں وہ تمام نقائص، جن کو علامہ ابن خلدون نے اپنے زمانہ میں محسوس کیا تھا، پیدا ہو چکے تھے، اور جو بالآخر بڑھتے بڑھتے آج اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ علوم قدیمہ کی تحصیل صرف متاخرین کی چند کتابوں اور حواشی و شروح کے پیچھے صرف دماغ کر دینے میں محدود ہو گئی ہے اور علوم قرآنی و حدیث کو سرچشمۂ ارشاد و ہدایت اور

تبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تھے، محض تفسیر جلالین اور مشکوٰۃ شریف کے الفاظ سے مناسبت پیدا کر لینے کا نام رہ گیا ہے۔

اگرچہ یہ گزشتہ آٹھ صدیوں کا زمانہ اسلام کے اخلاقی واجتماعی تنزل کا اصلی دور تھا، اور جن امراض کی ابتدا بنی امیہ وعباسیہ کے زمانے میں ہوئی تھی، وہ اب ہڈیوں سے گزر کر کے ظاہر جسم پر بھی نمودار ہو گئے تھے۔ لیکن تاہم خدا کی سرزمین حق وصداقت کی آواز سے کبھی بھی خالی نہیں رہی ہے اور اس دین قویم کی نصرت وتجدید کے لئے اس کا وعدہ ہے کہ وہ سخت سے سخت عہد طغیان وفساد میں بھی ایک جماعت صالحین امت کی ہمیشہ ایسی قائم رکھے گا، جن کے قلوب خود اس کی حفاظت اور پناہ میں ہوں گے، اور ضلالات شیطانی کو ان پر کبھی دسترس حاصل نہ ہوگا:-

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا — جو میرے سچے بندے ہیں، ان پر شیطان کا قابو نہ چل سکے گا! اور اللہ اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے بس کرتا ہے۔ (بنی اسرائیل)

فضیلت مخصوصۂ امت مرحومہ اور سلسلۂ دعوت حق کا قیام دائمی

اگر گوش حق نیوش باز، اور دیدۂ اعتبار بینا ہو، تو فی الحقیقت اس دین قویم کے بقا واحیاء اور دعوت الی الحق والہدایت کے لئے

روزِ اول سے خدائے تعالیٰ کے کاروبار نصرت فرمائی عجیب و غریب رہے ہیں۔ امم قدیمہ کے حالات ہم پڑھتے ہیں تو کوئی ہدایت اور صداقت ایسی نہیں ملتی جو اپنے داعی و بانی مذہب کی زندگی کے بعد ایک صدی تک بھی دنیا میں قائم رہ سکی ہو۔ ان اقوام کی تاریخ سے قطع نظر کرنی پڑتی ہے، جو اپنی گزشتہ تاریخ کے لئے کوئی بصیرت بخش روشنی نہیں رکھتے۔ لیکن دنیا کی جو بڑی بڑی قومیں اور مذاہب آج موجود ہیں، اُن کی قرون اولیٰ کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ حضرت موسیٰ چالیس دن کے لئے وادی سینا کے پہاڑوں پر چلے گئے تھے تاکہ وحی الٰہی سے توراۃ مقدس کو مرتب کریں، لیکن اتنے ہی دنوں کی غیبت میں تمام قوم کی قوم گوسالہ پرست ہو گئی تھی اور اُن کی رسول کی تعلیم و ہدایت پر ایک شعبدہ باز کے چند لمحوں کا کرشمہ غالب آگیا تھا۔

فَرَجَعَ مُوْسٰی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا، قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا، اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ؟ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ؟ (طٰہٰ)

حضرت موسیٰ غصہ اور تاسف کی حالت میں اپنی قوم کی طرف واپس آئے اور کہا کہ اے لوگو کیا تم سے خدا تعالیٰ نے توراۃ کے دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم کو اس وعدہ کی مدت بہت لمبی معلوم ہوئی کہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے یا پھر تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب نازل ہو اس لئے تم نے اس عہد و ہدایت کو توڑ ڈالا جو تم نے مجھ سے کیا تھا؟

حضرت مسیح علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ محض شریعت موسوی کے ایک مصلح اور آخری مجدد تھے۔ تاہم اُن کی دعوت کی تاریخ چند برسوں سے آگے نہیں بڑھتی اور ہمیں خوف ہے کہ جو نادان اور ابلہ ماہی گیر اُن کے ساتھ جمع ہو گئے تھے، ان میں سے سوائے (یوحنا) کے کسی نے اُن کی تعلیم کو سمجھا بھی تھا یا نہیں؟ ان کے بعد چند برسوں کا زمانہ یہودیوں کے مظالم اور حواریوں کے تحمل و توکل کا ضرور سامنے آتا ہے جس میں ایک مظلومانہ اخلاق کی کشش یقیناً پائی جاتی ہے، لیکن اس کے بعد ہی ایک متفنی اور فیلسوف یہودی (سینٹ پال) کی شرکت سے مسیحی تحریک کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا مذہب لے لیتا ہے جو رومی بت پرستی، افلاطونی الٰہیات اور یہودیت کے چند مسخ شدہ رسوم کا مجموعہ تھا:

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ پھر عیسائیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ اور آپس کے اختلافات میں پڑ گئے، پس يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ افسوس ہے ان کی کفر و ضلالت پر اور ان کو ایک بڑے دن میں اللہ کے آگے حاضر ہونا پڑے گا۔

یہی حال، تمام امم قدیمہ کا ہے۔ لیکن منجملہ ان آیات صداقت اور اعلام حقانیت کے جن کے ذریعے خدا تعالیٰ نے اس دین قویم کو نصرت

زمانی ہے، ایک بہت بڑی الٰہی نشانی یہ تھی کہ اس کی دعوت و تبلیغ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور روز اول ہی کہدیا:۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ o (الصف) پیروان باطل چاہتے ہیں کہ حق وصداقت کا جو نور الٰہی روشن کیا گیا ہے، اسے اپنی مخالفت کی پھونک مار کر بجھا دیں مگر وہ یاد رکھیں کہ اللہ اپنے اس نور صداقت کی روشنی کو درجۂ کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا۔ اگرچہ باطل پرستوں کو برا لگے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر) بیشک ہم ہی نے اس دین حق وصداقت کی دعوت دنیا میں بھیجی اور ہم ہی ہیں جو ہمیشہ اس کے محافظ و ناصر ہوں گے۔

اسی تائید الٰہی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت (صلعم) کی وفات کے دن ہی سے اختلافات کی بنیاد پڑ گئی اور پھر شخصی حکومتوں کے قیام، ملکی اغراض اور سیاسی مطامع کے فساد، عجمی اقوام اور عجمی تمدن و رسوم کے اتباع اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضعف سے روز بروز فتنہ و فسادات میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ زوال بغداد اور عربی حکومت کے خاتمے کے بعد فتنہ و فسادات کا ایک ایسا تباہ کن سیلاب

اٹھا، جو بنی اسرائیل پر (بخت نصر) کے تسلط کی تباہی سے کسی طرح کم نہ تھا، لیکن پھر بھی اسلام کی دعوت کا بیج اپنے اندر ایک ایسی قوت نمو رکھتا تھا کہ پامال ہوتا تھا اور پھر ابھرتا تھا۔ حوادث و مصائب کا ہاتھ جس قدر اس کی شاخوں اور پتوں کو کاٹتے تھے اتنی ہی اس کی قوت نمو ابلتے ہوئے چشمے کی طرح اچھل اچھل کر بلند ہوتی تھی۔ فتنہ فساد کی باد صرصر اگر اس کی شاخوں کو ہلا رہی تھی، تو اللہ کا دست محکم اس کی جڑ کو مضبوط پکڑے ہوئے تھا۔ زمین کے اوپر اس کے پتے جھڑ جھڑ کر گر رہے تھے لیکن زمین کے اندر اس کی جڑ کے ریشے مستحکم ہو رہے تھے۔ یہ سچ ہے کہ امم قدیمہ کی تمام تباہیاں اور گمراہیاں ایک ایک کر کے اس امت کو بھی پیش آئیں۔ کوئی گمراہی نہیں جس نے سر اٹھایا اور مشرکین مکہ کی ایسی نہ تھی جس سے اشبہ گمراہیوں میں مسلمان مبتلا نہ ہوتے ہوں، مگر دین آخری کے بقا اور قیام کا یہ معجزہ تھا کہ ان میں سے کوئی ضلالت بھی اصل سرچشمۂ تعلیم کو مکدر نہ کر سکی اور تحریف و نسخ و حذف و اضافہ سے قرآن کریم ہمیشہ محفوظ رہا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نصرت فرمائے حق کی تائید غیبی ہر سخت سے سخت دور فتن و طغیان میں ایک جماعت ایسی پیدا کرتی رہی جس کے قدم حق و حقیقت پر غیر متزلزل ہوتے تھے، اور چاروں طرف کی پھیلی ہوئی ضلالت سے

محفوظ رہ کر باوجود قلت انصار واعوان وعدم ساز و سامان دنیوی کے وہ جہاد امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کامیاب وفتحیاب ہوتی تھی اور حق تعالیٰ اس کے دل و دماغ کو اپنے دست قاہر ومقتدر میں لیکر اپنے دین قویم کی حفاظت اور ہدایت امت مرحومہ کا ذریعہ بنا دیتا تھا۔ دنیا میں صداقت ہمیشہ رہی اور مختلف ناموں سے ہمیشہ آتی رہی، لیکن دین اسلام اُس کا آخری ظہور تھا، اس لئے ضرور تھا کہ وہ کامل تر ظہور ہوا اور پھر اس طرح محکم اور ناممکن التبدیل ہو کہ دنیا کی شیطانی قوتیں اُس پر کبھی بھی غلبہ نہ پاسکیں۔

پس یہ ایک حقیقت تھی جس کا اعلان پہلے ہی دن کر دیا گیا تھا قرآن کریم کے علاوہ احادیث کا تفحص کیجئے، تو اس حقیقت کو جا بجا ایک پیشین گوئی کی صورت میں پائے گا:-

لا تزال من امتی ظاهرین	میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق
علی الحق حتیٰ یاتیهم امر	ضلالت وباطل پرستی پر فتح یاب رہیگی
الله وهو ظاهرون (متفق علیہ)	یہاں تک کہ قیامت ظاہر ہو۔

اس حدیث کو امام بخاری ومسلم نے صحیح میں مغیرہ کی روایت سے درج کیا ہے، مگر یہی حدیث بہ تغیر الفاظ نہایت کثرت سے مختلف اسناد و روات کے ساتھ شہرت پا چکی ہے اور متعدد صحابۂ کرام سے

مروی ہے، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں بروایت ثوبان ہے :-

لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق، لا یضرھم من خذلھم، حتیٰ یاتی امراللہ وھم کذالک

ہمیشہ میری امت میں ایک جماعت ہو گی جو حق و صداقت کے اعلان میں فتحیاب ہو گی۔ باطل پرست اس کی مخالفت کریں گے، مگر ان کی ضرر رسانی سے خدا اس کو محفوظ رکھے گا

ابن ماجہ اور نسائی کے بعض روایتوں میں قتال و جہاد کا بھی لفظ ہے اور مسلم کی ایک حدیث میں جس کو عقبہ بن عامر نے روایت کیا ہے :- قَاھِرِیْنَ لِعَدُوِّھِمْ، لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ کی آخر میں زیادہ ہے۔ یعنی وہ جماعت حق دشمنان صداقت کے لئے اپنے اندر ایک الٰہی قہر و غلظت رکھے گی، اور جو لوگ اس کی مخالفت کریں گے وہ اسے نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

اسی طرح ایک دوسری مشہور حدیث میں جس کو ابو داؤد اور حاکم و بیہقی نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ اس دین الٰہی کے احیاء و تجدید کے لئے ہمیشہ خدا تعالیٰ مصلحان امت اور مجددان ملت کو بھیجتا رہے گا اور وہ ہر صدی میں ظاہر ہو کر بدعات و محدثات کا استیصال کریں گے :-

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔	اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آغاز میں ایک مجدد پیدا کرے گا جو دین اسلام میں اپنی روح ہدایت سے ایک تازگی اور نئی زندگی پیدا کر دے گا۔

کیا نہیں دیکھتے کہ یہی نصرت الٰہی اور آیت غیبی تھی جس نے باوجود ہیجان طغیان، و اشتداد فساد، و شیوع فتن، و اختلال کار و بار ہدایت ہر زمانے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آواز کو حی و قائم رکھا، اور فساد و ضلالت کی کوئی سخت سے سخت قوت ابلیسی بھی اس قوت الٰہیہ پر غالب نہ آسکی۔ علی الخصوص تاریخ اسلام کی وہ گزشتہ آخری صدیاں، جب کہ اسلام کے قدیمی مرکزوں کے اختلال، عربی حکومت کے خاتمے، امراء و سلاطین کے طامعانہ و عیش پرستانہ اغراض، علمائے حق کی غربت و قلت، اور قتل و خونریزی کی شدت و احاطہ سے تمام عالم اسلامی کی حالت موجودہ تنزل و انحطاط کے اسباب فراہم کر رہی تھی۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پھر بھی اس کے ہر دور میں چند نفوس قدسیہ ایسے ضرور مل جاتے ہیں جن کے سینوں کو خدا نے نور ہدایت کے لئے کھول دیا تھا، اور ان کے دلوں کو حق و صداقت کے جمال کا مسکن بنا دیا تھا۔ آٹھویں صدی ہجری میں جب کہ مسلمانوں

میں علم و دین کے تنزل و انحطاط کا بیج بار آور ہو چکا تھا، علامہ ابن تیمیہ کا پیدا ہونا اور ان کا علاوہ علوم و فنون میں درجۂ رسوخ و اجتہاد پیدا کرنے کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں ہر طرح کے شدائد و مصائب کا گوارہ کرنا، اور اپنے تلامذہ و متبعین کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا کر دینا، جس میں علامہ ابن قیم جیسے اشخاص کا پیدا ہونا، کس قدر تعجب انگیز ہے؟

لیکن اس تعجب انگیز ظہور کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو مسلمانوں کے اس ذہنی اور قلبی انحطاط کا صحیح اندازہ ہو جو چھٹی صدی کے بعد تمام عالم اسلامی پر طاری ہو گیا تھا اور سد باب اجتہاد نے اذہان و عقول کی ترقی کو اس کے عین عروج و ارتقاء کے وقت ہلاک کر دیا تھا۔

اگر صرف ہندوستان ہی میں دعوت حق کی تاریخ پر نظر رکھی جائے تو یہ آپ کے لئے ایک قریب کی مثال ہوگی۔ تاریخ ہند میں اکبر کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سلاطین پرست اور متبعین ہوائے نفس علماء کی دربار پر حکومت تھی، اور دینداری اور تقدس کے پردے میں نفسانی تعصبات اور مفسدانہ اغراض کام کر رہے تھے آخر میں ملا مبارک کے خاندان کے دخل سے حالت ضرور بدلی

مگر یہ تبدیلی بھی کچھ مفید نہ تھی کیونکہ وہ خود پچھلے مرض کا ایک اعتدالی
علاج بالمثل تھا، لیکن عین اسی زمانے میں حضرت شیخ احمد سرہندی
کا ظہور ہوتا ہے، جو ایک غیر معروف گوشے میں بیٹھ کر لاکھوں دلوں کو
اپنی صدائے رعد آسائے حق کا شیفتہ بنا لیتے ہیں، اور احیائے
شریعت و تجدید شعار اسلامی اور اعلان حق و امر بالمعروف کے لئے
اپنے وجود کو یکسر وقف کر دیتے ہیں۔ پھر گیارھویں صدی کے اواخر
اور بارھویں صدی کے آغاز میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے
خاندان نے امر بالمعروف کی تاریخ میں جو حیرت انگیز خدمات دینیہ
انجام دی ہیں، محتاج بیان نہیں۔ علی الخصوص شاہ ولی اللہ کا وجود
قدسی، جو فی الحقیقت اپنے اندر الہام ربانی و فیضان الہی اور فطرۃ
کاملہ و اقتباس انوار نبوت کی ایک مستثنیٰ مثال رکھتا تھا۔ اسی طرح
گیارھویں صدی کے اواخر میں قاضی شرکانی کا یمن میں ظہور اور
احیائے سنت اور رفع بدعت کے لئے سعی مشکور، احادیث مذکورہ
کی پیشین گوئی کے لئے ایک مثالی صداقت ہے۔

اگر یہ تائیدات غیبی اور کار و باز الہی نہیں ہیں، تو پھر
یہ کیا بات ہے کہ ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو
اپنے زمانے کی سوسائٹی میں پرورش پاتے ہیں، اور بچپن سے لے کر

عہدِ شعور تک انہی خیالات و اعتقادات اور رسم و رواج کو دیکھتے اور سنتے ہیں جن کی فضا ان کے چاروں طرف محیط ہوتی ہے، کانوں میں ان کے صدا آتی ہے تو باطل پرستی کی اور آنکھیں دیکھتی ہیں تو ضلالت وفساد کو، لیکن پھر ایک غیبی ہاتھ ہوتا ہے جو ان کا بازو تھام کر شاہراہ عام سے الگ ایک راہ پر لیجاتا ہے، اور فیضان و ہدایت الٰہی کی ایک مخفی قوت ہوتی ہے جس کا سرچشمہ ان کے سینے کے اندر سے ابلنے لگتا ہے۔ وہ جب زبان کھولتے ہیں تو ان کی آواز ان کے زمانے کے عام اعتقادات و خیالات سے بالکل متضاد ہوتی ہے، اور اپنے خاندان، سوسائٹی، تعلیم و تربیت، اور ملکی رسم و رواج سے بالکل الگ ہو کر حق و صداقت کی طرف دنیا کو دعوت دیتی ہے۔ انسان اپنے تمام خیالات و معتقدات میں خارجی اثرات کا تابع ہے۔ وہ دنیا میں آتا ہے اور ایک خاص طرح کی تربیت اور سوسائٹی میں نشو و نما پاتا ہے۔ یہی تربیت اس کے تمام خیالات و معتقدات کی جڑ بن جاتی ہے، اور وہ جو کچھ سمجھتا اور جانتا ہے، یکسر اس کے گرد و پیش کے اثرات کا عکس ہوتا ہے۔ بس وہ کونسی چیز ہے جو ایک شخص پر ان تمام اثرات کے خلاف جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے رہتے ہیں، بالکل ایک نئے خیال اور عقیدے کی راہ کھول دیتی ہے۔ اور

وہ باوجود تمام ملک اور زمانے کو اپنا مخالف دیکھنے کے تن تنہا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ رسم و رواج، معتقدات عام، دولت و ثروت، اور حکومت و سلطنت کے مقابلے میں حق کی تائید و نصرت کے لئے جہاد کرے۔

یہ کیا نیرنگی ہے کہ آزر بت تراش کے گھر میں خلیل بت شکن پیدا ہوتا ہے، اور پرستاران لات و منات کی سرزمین سے صدائے توحید و حق پرستی بلند ہوتی ہے؟

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ؟ (الانعام)

بیشک خدا ہی ہے جو زمین کے اندر بیج اور دانے کو پھاڑ کر اس سے ایک درخت قوی و بلند پیدا کر دیتا ہے، وہی زندے کو مردے سے نکالتا ہے، اور مردے کو زندے سے پیدا کرتا ہے۔ یہی عجائب قدرت کے کرشمے دکھلانے والی ذات تمھاری مالک ہے پھر تم کدھر بہکے جاتے ہو۔

درحقیقت یہ ملکۂ ہدایت اور فطرت صحیحہ کے روحانی ارتقا کا ایک سلسلہ ہے، جس کا آخری درجہ مقام نبوت ہے، مگر اس کی ابتدا صلحائے امت کے مرتبے سے ہوتی ہے۔ وہ تمام نفوس قدسیہ جن کو خدا تعالیٰ ہدایت و ارشاد عالم کے لئے چن لیتا ہے، اگرچہ نبی

نہیں ہوتے، مگر اس زنجیر کی ایک کڑی ہوتے ہیں جس کی آخری کڑی مرتبۂ نبوت و رسالت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو فیضانِ نبوت سے مستفیض ہونے کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس طرح آفتاب کی روشنی تمام ستاروں کے اجسام کو روشن و منور کر دیتی ہے، بالکل اسی طرح ان کے قلوب آفتابِ نبوت کی ضیاء بخشی سے انوار اندوز ہو کر چمک اٹھتے ہیں۔ اسی ارتقائے انسانیت کے وہ چار مراتب ہیں جن کو قرآن کریم نے بالترتیب اس آیت میں گنایا ہے، اور ان کو خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں اور برکتوں کا مورد و مہبط قرار دیا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۔

جو لوگ تمام شیطانی طاقتوں سے باغی ہو کر مقام اطاعت خدا و رسول "کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، ان کا شمار انہی چار جماعتوں کے تبعین میں ہو جاتا ہے، اور وہ ان کے رفیق اور ساتھی بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام الٰہی نعمتوں اور برکتوں کے بھی مستحق ہو جاتے ہیں، جن کا خدا تعالیٰ نے ان جماعت ہائے اربعہ کو مستحق قرار دیا ہے۔

گویند مگر سعدی چندیں سخن عشقش
می گریم و بعد از من گویند بدستانہا

جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف

اور یہی "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے، جس کو قرآن کریم "جہاد فی سبیل اللہ" کے جامع و مانع لقب سے یاد کرتا ہے، اور اس کو قیام اسلام کا مقصد اصلی اور مسلمانوں کے تمام اعمال و عبادات کا مبدء حقیقی قرار دیتا ہے۔

"جہاد" لفظ "جہد" سے ہے، جس کے معنی محنت، تعب مشقت اور کسی کام کے لئے سخت تکلیف برداشت کرنے کے ہیں پس جہاد کی تعریف یہ ہے:-

استفراغ الوسع فی مُدافعۃ العدو ظاھراً و باطناً۔
(مفردات امام راغب)

دشمن کے حملے کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت اور قوت سے کوشش کرنا۔ وہ دشمن ظاہری حملہ آور ہو مثلاً اعدائے دین و ملت اور ان کا حرب و قتال یا باطنی جیسے نفس و مظاہر شیطان۔

اسلام کا مقصد اصلی دنیا میں قیام حق و صداقت اور دفع باطل و ضلالت ہے، یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر، خواہ وہ کسی

صورت اور کسی شکل میں ہو۔ اور یہ ممکن نہیں کہ جب تک ان تمام باطل پرستیوں اور گمراہیوں کو دور نہ کیا جائے، جن کو حق کی ضد حقیقی یعنی قوت شیطانی مختلف مظاہر و اشکال میں ہمیشہ پیدا کرتی رہتی ہے۔ پس اس بنا پر ہر طرح کی انسانی گمراہیوں کے دور کرنے کے لئے سعی کرنا اور باطل و ظلم کے مقابلے میں حق و عدل کا حامی و ناصر ہونا عین مقصد اسلام، و علت ظہور رسالت و سبب نزول شریعت ہے۔ اور اسی نصرت حق و دفع باطل کی سعی و کوشش کا نام اصطلاح قرآنی میں "جہاد فی سبیل اللہ" ہے۔ اس مطلب کو زیادہ واضح کرنے کے لئے یوں سمجھئے کہ امر بالمعروف اسلام کا مقصد اصلی ہے، لیکن امر بالمعروف ہو نہیں سکتا جب تک نہی عن المنکر نہ کیا جائے۔ امر بالمعروف کے معنی ہیں نیکی اور صداقت کی طرف بلانا اور اس کا حکم دینا، اور نہی عن المنکر سے مقصود ہے بُرائیوں اور گمراہیوں کو روکنا۔ لیکن نیکی اور صداقت تو بُرائیوں کے دور ہونے ہی کا نام ہے اور روشنی کے معنی بھی یہی ہیں کہ تاریکی نہ ہو۔ کپڑا صاف کیوں کر رہ سکتا ہے جبکہ آپ اسے سیاہ دھبوں سے نہ بچائیں گے؟ پس امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر ناگزیر ہے اور نہی عن المنکر ہی کا دوسرا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

صاحب مفردات نے نہایت اچھا لفظ "ظاہراً و باطناً" کا رکھدیا ہے۔ یہ باطل پرستی و ضلالت کا استیلا کبھی تو انسانوں کے غولوں اور ان کے خونریز ہتھیاروں کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی اعتقادات و اعمال و افعال کی صورت میں۔ کبھی ضلالت تلوار و تفنگ ہاتھ میں لیکر مسجدوں کی محرابوں اور اذان کے مناروں پر علانیہ قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ تاکہ پرستاران حق کو نابود کردے اور کبھی خیالات و عقائد کے مخفی ہتھیار لے کر چپکے چپکے ان انسانی قلوب اور اذہان کو مسخر کرنا چاہتی ہے، جو حق کی پرستش کی مخفی مگر حقیقی عبادت گاہیں ہیں۔ کبھی وہ جنگ کی تلوار لیکر نکلتی ہے اور کبھی فریب کا دام و کمند۔ کبھی اس کے ہاتھ میں توپوں کے مشتعل کرنے کا فتیلہ ہوتا ہے اور کبھی زہر آلود جام شربت۔ دونوں قوت شیطانی کے مظہر اور دونوں اس کی حکومت کی ظاہر و مخفی فوج ہیں۔ بس جہاد کے معنی یہ ہیں کہ جب گمراہی کا ظہور جنگ کے ہتھیاروں کی صورت میں ہو تو پرستاران حق و امانت داران توحید کے ہاتھ میں بھی تیغ جہاد ہو اور یہ دشمن ظاہری کے مقابلے میں مدافعت ہے۔ لیکن جہاں گمراہی کا ظہور نفس شیطان کی پھیلائی ہوئی باطل پرستی اور جہل و ضلالت کے اعتقادات و اعمال اور

اوہام وخیالات کی شکل میں ہو۔ تو وہاں مومن ومسلم کو "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کے اسلحہ کے ذریعہ اپنی زبان اور قلم سے اس کے دفع وابطال میں جہاد کرنا چاہئے، اور یہ باطنی دشمن کے مقابلہ میں مدافعت ہے۔

تشریح معنی جہاد

یہی سبب ہے کہ متعدد احادیث میں حکم جہاد کی تشریح کی گئی اور قلب وضمیر کی اُن تمام کوششوں کو جو نفس وشیطان کے مقابلے میں کی جائیں جہاد سے تعبیر کیا گیا۔ مثلاً فرمایا: جَاهِدُوا اَهْوَاءَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَائَكُمْ (اپنے ہوائے نفس کے مقابلے میں بھی ویسا ہی جہاد کرو جیسا کہ ظاہری دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیاروں سے جہاد کرتے ہو) اور فی الحقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں جس کو نسائی اور ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، زیادہ توضیح فرمائی کہ:۔ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَنْفُسِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ (باطل پرستوں کے مقابلے میں اپنی جان، اپنے مال، اور اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کرو) یعنی فرض جہاد کبھی حرب وقتال کی صورت میں، کبھی اعلائے حق کے لئے مال لٹانے کی صورت میں، اور کبھی زبان سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی شکل میں انجام پاتا ہے۔

اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے آیا، اور امر بالمعروف اور جہاد دونوں ایک ہی حکم کے دو نام ہیں۔ پس ہر وہ کوشش جو حق کے لئے ہو، ہر وہ صرف مال جو سچائی اور نیکی کی خاطر ہو، ہر وہ محنت و مشقت جو صداقت کے نام پر ہو، ہر وہ تکلیف و مصیبت جو اپنے جسم و جان پر راہ حق میں برداشت کی جائے، ہر وہ قید خانے کی زنجیر اور بیڑی جو اعلان حق کی وجہ سے پاؤں میں پڑے، ہر وہ پھانسی کا تختہ جس پر جمال حق و صداقت کا عشق لیجا کر کھڑا کر دے، غرض کہ ہر قربانی جو بذریعہ جان، مال اور زبان و قلم کے سچائی اور حق کی راہ میں کی جائے، جہاد فی سبیل اللہ ہے اور معنی جہاد میں داخل۔ تم اپنا روپیہ اس کے نام پر لٹاؤ، اپنی گردنوں سے خون کا سیلاب بہاؤ۔ گردن کو طوق سے، ہاتھوں کو ہتھکڑیوں سے، پاؤں کو زنجیروں کے زیور سے حسن حق پرستی کا جلوہ گاہ بناؤ، زبان سے حق کا اعلان کرو اور قلم کو توہین و تذلیل شیاطین ضلالت کے لئے وقف کر دو۔ اس کو عزت دو جو حق کی عزت کرتا ہے اور اس کو ذلیل کرو جو حق کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ دنیا کے رشتوں کو اللہ کے رشتے پر ترجیح نہ دو، اور سب سے کٹ جاؤ تاکہ اس کے ہو سکو۔ حق کی خاطر دوست بنو اور حق کی خاطر دشمن۔ نیکی کے آگے تمہاری گردن جھکی ہوئی لیکن بدی کے

آگے بلند و مغرور ہو۔

ان تمام حالتوں میں کوئی بھی حالت ہو، در حقیقت جہاد فی سبیل اللہ اور مقام امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں داخل ہے۔ اور جس خوش نصیب کو تائید الٰہی اس کی توفیق دے وہ "مجاہد فی سبیل اللہ" کے خطاب کا مستحق۔

حقیقتِ جہاد اور حقیقتِ اسلام

یہی سبب ہے کہ حکم جہاد اسلام کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور کوئی ہستی مسلم و موحد نہیں ہو سکتی جس وقت تک کہ مجاہد نہ ہو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ جہاد فی سبیل اللہ کو "مسلم" کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے؟

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ، مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ، هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جو حق جہاد کرنے کا ہے۔ اس نے تم کو تمام دنیا کی قوموں میں سے برگزیدگی اور امتیاز کے لئے چن لیا۔ پھر جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ایک ایسی شریعت فطری ہے جس میں تمہارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ، وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ هُوَ مَوْلٰکُمْ، فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ (الحج)

خلیل کی ہے، اور اس نے تمھارا نام "مسلمان" رکھا ہے۔ گزشتہ زمانوں میں بھی اور اب بھی تاکہ رسول تمہارے لئے اور تم تمام عالم کی ہدایت اور نجات کے لئے شاہد ہو۔ پس اللہ کے رشتے کو مضبوط پکڑو، جان اور مال دونوں کو اس کی عبادت میں لگادو۔ وہی تمھارا ایک آقا اور مالک ہے اور پھر جس کا خدا مالک و حاکم ہو، اس کا کیا اچھا مالک ہے اور کیسا قوی مددگار!

فی الحقیقت یہ آیت کریمہ ہمارے مقصود اور استہلال کی دعوت اظہار کیلئے ایک شہادت قاہرہ اور منکرین حق و پرستاران نفاق کے قلع قمع و ہلاکت کے لئے ایک سیف اللہ المسلول ہے:

فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ، فَلَوْ شَاءَ لَھَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ (۶ : ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام عالم میں فضیلت و بزرگی عطا فرمانے کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے ان کے اس "اسوۂ حسنہ" پر توجہ دلائی کہ انھوں نے راہ محبت الٰہی میں اپنے نفس کے جذبات، اور اپنے فرزند عزیز کی جان قربان کر دی تھی اور تم انھی کے پیرو اور انھی کے ملت حنیفی کی طرف منسوب ہو،

"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ" کہہ کر جسم اور مال دونوں کے ایثار
وقربانی کی تعلیم دی کہ فی الحقیقت نماز سے مقصود اپنی تمام نفسانی
خواہشوں اور قوتوں پر عبودیت کے عجز وانکسار کی قربانی طاری
کرنی ہے، اور اس کے بخشے ہوئے سر کو اسی کی چوکھٹ پر رکھ دینا
ہے، اور زکوٰۃ کا حکم ایثار مال ودولت کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ انسان
اپنی پیدا کی ہوئی دولت میں انفاق فی سبیل اللہ کو بطور ایک شریک
کار دبار حقدار کے حصہ کے ہمیشہ تسلیم کرتا رہے۔ اس کے بعد امر
بالمعروف ونہی عن المنکر کو نسبت ابراہیمی واسلامی کی علت حقیقی
قرار دیا اور کہا کہ "تمہارا نام مسلم اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ تم اعلان
حق کر کے تمام عالم کے لئے گواہ بنو اور رسول تمہاری ہدایت کا
شاہد ہو" اور پھر ان تمام خصوصیات وفضائل کو آغاز آیت میں
بطور نتیجہ بیان کے پیش کیا کہ "جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ"
یعنی جب کہ ان تمام فضائل وخصائل سے متصف کئے گئے ہو،
پس تمہارا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے کلمۂ حق وصدق کی راہ
میں جہاد کرو، اور اس کے لئے اپنی انتہائی سعی اور تمام قوتیں صرف
کر دو تاکہ حق جہاد تم سے ادا ہو سکے۔

اور چونکہ اس حقیقت اسلامی اور اسوۂ ابراہیمی کے حاصل

کرنے میں طرح طرح کے شدائد و مصائب اور امتحان و ابتلا ناگزیر تھے
پس آخر میں کہا کہ "وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰىكُمْ" نفس کی
ترغیبات و وساوس سے متاثر، اور باطل و ضلالت کے دنیوی ساز و
سامان اور قوت و عظمت سے مرعوب مت ہو، صرف اللہ کے ہو جاؤ
اور اس کے رشتے کو مضبوط پکڑ لو۔ اوروں نے دنیا میں اپنے بہت
سے آقا اور مالک بنائے ہیں مگر تمہارے لئے وہ سب اصنام و طواغیت
ہیں۔ تمہارا مالک ایک مالک الملک ہے۔ پس کیا اچھا وہ مالک ہے
اور کیا اچھا مددگار! اسی پر بھروسہ کرو اور تمام عالم سے بےخوف
و نڈر ہو جاؤ! اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ، وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ
فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ؟ وَعَلَى اللّٰہِ فَلْیَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (۳:۱۶۰)

عود الی المقصود

پس در حقیقت امر بالمعروف ایک اشرف ترین جہاد فی سبیل اللہ
ہے، جس کے سلسلۂ حقہ کے تا قیامت رہنے کا ہم سے وعدہ کیا گیا
ہے، اور احادیث صحیحہ میں خبر دی گئی ہے کہ باوجود شیوع فتن و فساد
امت مرحومہ میں ہمیشہ ایک جماعت حق قائم رہے گی جس کے مجاہدات
کو حق تعالیٰ احیائے شریعت اور تجدید حیات ملت کا وسیلہ بنا دیگا

اور پھر ان احادیث میں اس جماعت کی سب سے بڑی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ :۔ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ یعنی وہ جماعت منصور من اللہ ہوگی۔ اس کی دعوت حق کی حفاظت کرے گا، اس کو گمراہ جماعتوں پر فتحیاب رکھے گا اور شیاطین ضلالت کی جو ذریات اس کی مخالفت کریں گی، وہ اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ یہ حالت برابر قائم رہے گی یہاں تک کہ قیامت کا ظہور ہو۔

نزول نعائم الٰہیہ و نصرت ربانیہ

اور یہ پیشین گوئی صدہا آیات کریمہ، و تجارب تاریخیہ، و مشاہدات اہل حق و معارف کے عین مطابق ہے۔ وہی آیات کریمہ جس کو ہم نے خطبہ مضمون کے آخر میں درج کیا تھا، ہم کو اس علامت کی خبر دیتی ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کہ جو لوگ تمام شیطانی قوتوں سے باغی ہو کر صرف اللہ اور اس کے رسول کے مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کو اپنی ان محبت و محبوب جماعتوں میں شامل کر دیتا ہے، جن کو اس نے اپنی نعمتوں اور برکتوں کے لئے چن لیا ہے۔ اور پھر وہ لوگ صالحین امت کے مرتبے

تک پہنچ کر بادہ نوشان جام شہادت کے مقام پر فائز المرام ہوتے ہیں، اور وہاں سے ترقی کرکے مرتبۂ صدیقیت تک مرتفع ہوتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد براہ راست آفتاب نبوت سے بہرہ اندوز انوار و تجلیات ہوتے ہیں۔

ہم نے آغاز تحریر میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مقام اطاعت خدا و رسول کے معنی یہ ہیں کہ انسان ہر طرف سے کٹ کر صرف خدا اور اس کے کلمۂ حق کا ہو جائے، اور دنیا میں جس قدر اس سے باغی قوتیں ہیں، ان کی طرف سے منہ موڑ لے کہ:

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۝

اور جس نے ہر طرف سے گردن پھیر کر اللہ کی طرف منہ کر لیا اور حسن عمل اختیا کیا تو یقین کرو کہ اس نے اللہ کی اطاعت کی رسی مضبوط پکڑ لی۔

اور یہی حقیقت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ہے۔ پس جو لوگ اطاعت خدا و رسول کے ذریعہ دوستان الٰہی کی صفوں میں داخل ہو گئے، ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اَلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ میں شامل کرکے اپنی نعمتوں اور غیبی برکتوں کا مورد و مہبط بنا دے، اور دنیا میں سب سے بڑی نعمت الٰہی، نتیجۂ کار کی فتحمندی اور ہمتوں اور عزموں کی کامیابی و فلاح ہے

چونکہ وہ لوگ اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کے کلمۂ حق کے اعلان کے لئے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ وقف ہو جاتے ہیں، پس خدا تعالیٰ بھی بحکم من تقرب الیّ شبراً تقربت الیہ ذراعاً (جو میرا بندہ ایک بالشت بھر بھی میری طرف چلتا ہے تو میں ایک ہاتھ آگے بڑھ کر اس کے قریب تر ہو جاتا ہوں) ان کو اپنا بنا لیتا ہے اور ان کے تمام کاموں پر اپنی عزت اور کبریائی کی چادر ڈال دیتا ہے پھر وہ کام ان کے نہیں رہتے بلکہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور ان کو انجام دینے والی ان کے جسم و نفس کی قوتیں نہیں ہوتیں، بلکہ اللہ کا مقتدر و قاہر ہاتھ ہوتا ہے۔ ان کی آواز گو ان کے حلق سے نکلتی ہے لیکن چونکہ حق و معروف کی آواز ہوتی ہے، اس لئے ان کی نہیں، بلکہ شئون الٰہی کی صدائے لازوال ہوتی ہے۔ وہ راہ الٰہی میں مجاہد ہوتے ہیں پس خدا بھی ان کو اپنی فوج بنا لیتا ہے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنی تائید و نصرت کا حربہ دے کر ایک پیچھے رہ کر لڑانے والے سپہ سالار کی طرح لڑاتا ہے۔ بظاہر وہ بے مایہ و سامان، اور حقیر و عاجز انسان نظر آتے ہیں، مگر ان کا دل قوت الٰہی اور جبروت ربانی کا مسکن ہوتا ہے۔ ان کے ہاتھ دنیا کے ظاہری ہتھیاروں سے خالی ہوتے ہیں، پھر خدائے قدوس کی شمشیر جلال ان کی انگلیوں کی حرکت سے

متحرک ہوتی ہے اور صف اعدا پر گرتی ہے۔ وہ کارزار عالم میں تن تنہا اور بے یار و مددگار ہوتے ہیں، مگر ان کے یمین و یسار نصرت خداوندی کے ملائکۂ مسومین کی صفیں ہوتی ہیں۔ خدا ان کے عجز کو اپنی کبریائی سے ان کے تذلّل و انکسار کو اپنی عظمت و عزت سے، ان کے ضعف و کمزوری کو اپنی قوت و طاقت سے اور ان کی بے ساز و سامانی کو اپنی مالک الملکی سے بدل دیتا ہے۔ پھر جب وہ بولتے ہیں تو ان کی آواز میں صدائے حق کی گرج ہوتی ہے، اور جب نظر اٹھاتے ہیں تو ان کی نگاہوں سے نور الٰہی کے شعلے نکلتے ہیں۔ ان کی آواز سے نسل شیطانی کے طاقتور دل دہل جاتے ہیں، اور ان کی نگاہوں کی طرف گمراہی و ضلالت کی نظریں اٹھ نہیں سکتیں کیونکہ تم انسان کی آواز اور نظر کا مقابلہ کر سکتے ہو، لیکن خدا کی آواز پر غالب آنے اور اس کی نظر کی تاب لانے کی کس میں طاقت ہے؟

اس موقع پر اس حدیث قدسی کو یاد کر لو جس کو امام بخاریؒ کتاب التواضع میں بروایت ابوہریرہ لائے ہیں:

فاذا احببتہ، کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ، و یدہ التی یبطش — جب میں اپنے کسی بندے کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں وہ میرے کان سے سنتا ہے اور اس

بها، ولسانہ الذی یتکلم — کی آنکھ ہو جاتا ہوں، وہ میری آنکھ کر
بہ ولئن سألنی لاعطینہ — دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں
ولئن استعاذنی لاعیذنہ — وہ میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے۔ اس کا
پاؤں ہو جاتا ہوں وہ میرے پاؤں سے

چلتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں، وہ میری زبان سے بولتا ہے پھر وہ جو مانگتا ہے، اسے عطا کرتا ہوں، اور جب پناہ مانگتا ہے تو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔

چشم و گوش و دست و پایم او گرفت — من بدر رفتم سرایم او گرفت
ایں بصر دیں سمع چوں آلات اوست — ملک ذرات تنم مرآت اوست
نغمہ از نائیست نے از نے بداں — مستی از ساقیست نے از مے بداں
گفتن او گفتن اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
ما چو مست از دیدن ساقی شدیم — مست گشتیم از فنا باقی شدیم

پس چونکہ اس جماعت کے تمام کاموں کو اللہ اپنا کام بنا لیتا ہے، اس لئے خود ان کا وجود کتنا ہی ناکام و حقیر ہو، لیکن ان کے کام کامیاب و عظیم ہوتے ہیں، اور وہ کبھی دنیا میں ناکامی و نامرادی سے ذلیل و رسوا نہیں ہوتے۔ وہ خدا کا ہاتھ، یا پھر اس کی فوج ہوتے ہیں۔ پس خود ان کو شکست کا غم ہو، لیکن خدا کو تو شکست

کا خوف نہیں؟ :-

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصّٰفّٰت)

اور ہم نے اپنے جن بندوں کو ارشاد و ہدایت کے لئے دنیا میں بھیجا ان کی نسبت پہلے ہی دن سے ہم نے کہہ دیا ہے کہ ہماری تائید و نصرت سے بیشک وہی فتحمند اور کامیاب و مظفر ہونیوالے ہیں، اور یقیناً ہماری فوج ہی سب پر غالب آکر رہے گی۔

اگر چشم دل وا، اور دیدۂ حق بیں کور نہ ہو تو فی الحقیقت دنیا میں نصرت الٰہی کی نیرنگیوں کی سب سے بڑی نشانی اس جماعت کے لئے عجائب کاروبار دعوت میں ہوتی ہے۔ دنیا میں حق و صداقت کی آواز کبھی بھی تاج و تخت اور ایوان و محل کے اندر سے نہیں اٹھی ہے، بلکہ ہمیشہ اس کا سرچشمہ ویران جنگلوں، پھونس کے جھونپڑوں اور پہاڑوں کے غاروں کے اندر رہا ہے، اور یہ بھی اس شاہد عجائب پسند کا عجیب و غریب کرشمہ ہے کہ ہمیشہ شکستگی و افتادگی ہی کو محبوب رکھتا ہے۔ اپنا گھر بھی بناتا ہے تو ٹوٹے ہوئے اور زخمی دلوں کو، اپنی آواز بھی سناتا ہے تو کانٹے پڑے ہوئے خشک حلقوں سے، اپنی نگاہوں کا جلوہ بھی دکھلاتا ہے تو

گردنوں کی خونچکانی اور تڑپتی ہوئی لاشوں کے اضطراب میں! اور پھر اپنے حسن وجمال کا جلوہ گاہ بھی بنائے گا تو تاریک غاروں، شکستہ دیواروں، پھٹی ہوئی چٹائیوں کو:-

مجو بہ محمل شاہی، کہ در ولایت عشق
گدایہ تخت نشانند و پادشہ گیرند

پھر اگر وہ نہیں ہے تو کون ہے جس کا ہاتھ گلیم فقر ومسکینی سے نکلتا ہے اور بادشاہوں کے تاج وتخت کو الٹ دیتا ہے؟ یہ کس کی تماشہ آرائی ہے کہ چند بے نوا فقیروں کو کھڑا کر دیتا ہے اور وہ دنیا کی بڑی بڑی قوتوں کے تسلط سے نکال کر لاکھوں انسانوں کو اپنے آگے سربسجود کرا لیتے ہیں: افسحر ھذا، ام انتم لاتبصرون؟ افمن ھذا الحدیث تعجبون؟ وتضحکون ولاتبکون؟ وانتم سامدون؟ وان فی ذالک لآیت، وما یعقلھا الا العالمون.

مبیں حقیر گدایان عشق را، کیں قوم
شہان بے کمر وخسروان بے کلہ اند

الامر بالمعروف ونہی عن المنکر

ایک اصولی بحث

سچ یہ ہے کہ پل صراط کی راہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس کے نیچے آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں لیکن اس کا سامنا صرف قیامت ہی کے دن پر کیوں اٹھا رکھا جائے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ آج دنیا کے سفر میں بھی پل صراط ہر شخص کے سامنے ہے۔

یہ پل صراط درحقیقت اخلاق کی دشوار گزار راہ ہے جذبات و امیال انسانی کے اعتدال کا لاینحل مسئلہ ہی اصلی پل صراط ہے۔ بال سے زیادہ باریک، تلوار کی دھار سے زیادہ تیز اور اس کے

نیچے ہلاکت و بربادی کا قعر، آدم کی اولاد میں سے کوئی نہیں جس کو اس پر ایک بار نہ گزرنا ہو۔

وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ج كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۔ — تم میں سے کوئی نہیں جو اس پر سے نہ گزرے یہ ایک وعدہ اور فیصلہ ہے جس کو خدا نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

اخلاق کے سینکڑوں مشکل مسائل میں سے ایک مشکل تر مگر اصولی مسئلہ حُب و بغض، تحسین و تذلیل اور عفو و انتقام کا بھی ہے۔ ایک طرف اخلاق ہم کو تلقین کرتا ہے کہ دِل کو محبت کے لیئے مخصوص کر دو، کہ اس گھر کے لئے یہی فانوس موزوں ہے۔ اُنیس سو برس پیشتر کا ایک اسرائیلی واعظ کہتا ہے کہ دشمنوں کو بھی پیار کرو، کیونکہ اگر صرف چاہنے والوں کو چاہا تو تمہارے لئے کیا اجر؟

اخلاق کے اولین اور سامنے کے سبق یہی ہیں کہ پیار کرو، خاکسار بنو، کسی سے بغض نہ رکھو، سب کی عزت کرو، انسان کی انسانیت کا بغیر تفریق ادب کرو، اور جس کو سامنے دیکھو سر جھکا دو۔ سوسائٹی نے بھی صدیوں سے اِن تعلیموں کو اعتقاداً قبول کر لیا ہے۔ اور اصطلاحی اخلاق، مروت، پاس و لحاظ، شرم و حیا، شرافت و انسانیت تمام الفاظ انھی معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے مقابلے میں اسی اخلاق کا ایک دوسرا پارٹ ہے جہاں آکر اس کی یہ غریب و مسکین صورت ایک سخت اور جابرانہ خشونت سے مبدل ہوجاتی ہے اور دنیا میں اگر اس کی صداپہلی تعلیم دیتی ہے تو خود اس کا عمل دوسری شکل میں سامنے آتا ہے۔ وہ چور کو قید کرتا ہے قاتل کو پھانسی پر چڑھاتا ہے، نیکی کی جتنی تعریف کرتا ہے اتنی ہی بدی کو برا بھی کہتا ہے۔ زید کو کہتا ہے کہ وہ نیک ہے اس لئے اچھا ہے عمرو کو کہتا ہے کہ تم بد اعمال ہو اس لئے برے ہو۔ ظالم سے اس کے ظلم کا اور مجرم سے اس کے جرم کا مطالبہ کرتا ہے۔ پہلی حالت میں جس قدر عاجز تھا، اتنا ہی اس حالت میں مغرور و متکبر ہوجاتا ہے۔ پہلے اگر عاجزوں کے جھکے ہوئے سروں کو اٹھا کر اپنے سینہ پر جگہ دیتا تھا، تو اب سرکشوں کے سروں کو اپنی ٹھوکروں سے پامال کرتا ہے۔ اور پھر ساتھ ہی حالت یہ ہے کہ اس کی پہلی تعلیم سے اگر معبدوں اور خانقاہوں میں رونق پیدا ہوتی تھی تو اس عمل سے پوری دنیا میں انتظام اور قانون قائم ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں اصول کے لئے ایک سخت تصادم اور کشمکش پیدا ہوجاتی ہے اور فیصلہ بیکار رہ جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان متضاد حالات میں راہ تطبیق کیا ہے؟ عفو و درگذر کے اصول سے کام لیجئے تو دنیا سے نیکی و بدی کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ انتقام و پاداش کی راہ اختیار کیجئے تو دنیا

رحم و محبت نابود ہو جاتی ہے۔ سب کو اچھا کہیئے تو صرف اچھوں کے لئے پھر آپ کے پاس کیا ہے۔ برائی کیجیئے تو اس کے حدود اور فیصلہ کن اصول کیا ہیں؟

آج ملک میں جو طبقہ شخصی حکومت کے جرائم سے مریض ہو رہا ہے وہ گو خود جاں بلب ہے، مگر اس کی نظر اپنے مرض پر نہیں بلکہ دوسروں کی شکایتوں پر ہے۔ غلامی کے حلقوں کے لئے سب کے کان چھدے ہوئے ہیں۔ پاؤں برسوں سے بوجھل بیڑیوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ ان حلقوں اور بیڑیوں کے لئے ضرور نہیں کہ وہ تخت و تاج ہی کی طرف سے بخشے گئے ہوں، بلکہ ہر چاندی کا ڈھیر، ہر قیمتی موٹر، ہر ہوٹل کی اعلیٰ ترین منزل کا مقیم اور ہر وہ مدعی جس کے گلے میں طاقت اور جیب میں سکے ہوں، ایک قانونی اور موروثی حق رکھتا ہے کہ جس کو چاہے اپنے حلقۂ غلامی کے انتساب کا فخر دے دے۔ رسول عربی کے وقت میں تین سو ساٹھ بت تھے جن سے بیت خلیل کی دیواریں چھپ گئی تھیں، لیکن آج اس کی امت میں ہر چمکیلی ہستی لات و منات کی قائم مقام ہے اور ہر حاکم، ہر رئیس، ہر حکام رس اور سب سے آخر، مگر سب سے پہلے، ہر خوش لباس لیڈر ایک بت کا حکم رکھتا ہے۔ پوری ملت موحدان کی پوجا اور پرستش میں مشغول ہے اور بعینہ اس پرستش کا وہی جواب رکھتی ہے جو قریش مکہ کے پاس تھا کہ

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا ۔

اس انسان پرستی کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ بالعموم طبیعتیں مدح وتحسین کی عادی ہوگئی ہیں، نکتہ چینی اور نقد واعتراض کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ ہر شخص مخاطب سے اگر کوئی قدرتی امید رکھتا ہے تو وہ یہی ہوتی ہے کہ مدح ومنقبت کا ترانا سنادے اور بادۂ تحسین وآفریں کی پے درپے بخشش سے ساقی کا ہاتھ کبھی نہ تھکے۔ شرک وبت پرستی کے اس عام سکون میں اگر کوئی صدائے توحید خلل انداز ہوتی ہے تو ہر طرف سے اپنے ایک قدیمی پیشرو کی طرح لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ ۔ اگر میرے سوا کسی دوسری ذات کو تونے لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ اپنا معبود بنایا تو میں تجھ کو قید کردوں گا۔ کا غل مچ جاتا ہے اور صرف یہ معبودان باطل ہی نہیں بلکہ ان کے پرستار بھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ ایک قدیمی سنت ہے اور دنیا میں جب کبھی سچائی آئی ہے تو اس کو ہمیشہ ایسے ہی لوگوں سے مقابل ہونا پڑتا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا

اَلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۔

ایسے موقعوں پر عموماً اخلاقی مواعظ سے کام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بڑے آدمیوں پر حملہ کرنا انسانیت اور تہذیب کے خلاف ہے۔ گالیاں دینا کوئی اچھی عادت نہیں۔ اختلاف رائے ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ مخالف آراء رکھنے والوں کی تذلیل و تحقیر کی جائے۔ پھر اگر ایسا کرنے کے لئے آپ مجبور ہیں تو ذرا لہجہ نرم کیجئے اور شکایت بھی کیجئے تو شکر کے لہجے میں کیجئے۔ نرمی اور محبت سے کام نکلے تو سختی دکھلانا شان شرافت نہیں۔

آج کل بھی کہ ہوشیاری و بیداری کی نہیں تو خمار و سرشاری کی ایک کروٹ تو مسلمان نے ضرور بدلی ہے، نکتہ چینوں کی زبانوں کو ایسے ہی ظاہر فریب اور اخلاق نما جملوں سے بند کیا جا رہا ہے۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے اصولاً اس مسئلے پر غور کریں کہ فی الحقیقت اس بارے میں کوئی فیصلہ ہمارے پاس ہے یا نہیں؟ کسی کو برا کہنا یقیناً اچھی بات نہیں۔ دل محبت کے لئے ہے نہ کہ عداوت کے لئے، لیکن کیا ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں یہ برائی ہی سب سے بڑی نیکی اور بھلائی ہو جاتی ہے۔

سب سے پہلے اسے اخلاق کے عام اصول کے لحاظ سے دیکھئے

جب بھی فیصلہ صاف ہے۔ دنیا میں جس دن اخلاق نے کہا کہ نیکی کو نیک اور نیک عمل کو اچھا کہو کیونکہ بغیر اس کے دنیا میں نیکی زندہ نہیں رہ سکتی، اسی وقت اس نے ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ نیکی کی خاطر بدی کو برا اور بدعمل کو قابل نفریں سمجھو کیونکہ نیکی کو اس کا حق تحسین مل نہیں سکتا جب تک بدی کو اس کی سرزنش اور نفریں نہ مل جائے۔

زیادہ غور کیجئے تو یہ ایک قدرتی اور عام معمولی بات ہے، گو اس کا آپ کو حس نہ ہو۔ دنیا میں اخلاقی محاسن فی الحقیقت ایسے اعراض ہیں جو بغیر کسی اضافی تعلق کے کوئی وجود مستقل نہیں رکھ سکتے یہی سبب ہے کہ ان کا فیصلہ قطعی ہمیشہ سے مشکل رہا ہے اور اب بھی مشکل ہے۔ پس ان محاسن و فضائل کا اگر کوئی وجود ہے تو صرف ان کے اضداد کے تقابل ہی کا نتیجہ ہے۔ جب تک رذائل انسانی کو نمایاں نہ کیجئے گا، فضائل انسانی وجود پذیر نہ ہوں گے۔ اس کے لئے روشنی اور تاریکی کی مثال شاید فہم مقصد میں معین ہو کہ روشنی کا وجود صرف تاریکی کے وجود ہی کا نتیجہ ہے۔

رہا اخلاقی تلقینات اور اعمال کا اختلاف، تو یہ تو اخلاق کے ہر مسئلہ میں درپیش ہے مگر درحقیقت دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں اخلاق دنیا میں کسی شے کو فی نفسہ اچھا یا برا کہنے کا فیصلہ نہیں کرسکا۔ اس کی ہر تعلیم نسبت و اضافت سے وابستہ ہے اور اس کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی

رہتی ہے۔ کوئی شے اس کے آگے نہ تو اچھی ہے اور نہ بری۔ ایک ہی چیز کا بعض حالتوں میں نام نیکی ہوتا ہے اور بعض حالتوں میں بدی یہی حال اس مسئلہ کا بھی ہے۔ عفو و درگزر، آشتی و محبت، نرمی و عاجزی،" انسان کے سب سے بڑی نیکی ہیں لیکن کن کے سامنے؟ عاجزوں اور درماندوں کے سامنے نہ کہ ظالموں اور مجرموں کے آگے۔ ایک مسکین و فلاکت زدہ پر رحم کیجئے تو سب سے بڑی نیکی ہے اور ایک ظالم پر کیجئے تو سب سے بڑی بدی ہے۔ گرے ہوؤں کو اٹھائیے تاکہ وہ چل سکیں، لیکن اگر سرکشوں کو ٹھوکر نہ لگایئے گا تو وہ گرے ہوؤں کو اور گرا دیں گے۔ قانون کو دیکھئے تو وہ جرم کو روکنے کے لئے خود جرم کرتا ہے، خونریزی اس کے سامنے سب سے بڑی معصیت ہے لیکن خونریزی کو روکنے کے لئے وہ قاتلوں کے خون بہانے میں ہی امن دیکھتا ہے۔ قاتل کا قتل بدی تھا لیکن عدالت کا فتویٰ قتل نیکی ہو گیا۔ ہم نے بغیر کسی ترکیب کے چند جملے پھیلا دیئے کیونکہ یہ اخلاق کے ایسے عام اعلان ہیں جن کو یاد دلا دینا ہی کافی ہے۔ پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہر انسان اخلاقاً نرمی و آشتی اور محبت کا مستحق ہے اور کسی کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا اخلاق کے اصول کے خلاف ہے، وہ اخلاق کے نام سے ایسی بداخلاقی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جس پر اگر ایک لمحہ کے لئے بھی عمل کیا جائے تو دنیا شیطان کا تخت گاہ بن جائے۔ نیکی و اعمال صالحہ کا نظام درہم برہم

ہو جائے۔ قانون، اخلاق، مذہب حسن و قبح کی تمیز اور نور وظلمت کی تفریق، کوئی بھی خدا کو خوش کرنے والی چیز دنیا میں باقی نہ رہے

یاد رکھو ہر محبت کے لئے ایک بغض دنیا میں لازمی ہے اور کوئی عاجزی نہیں کر سکتا جب تک کہ متکبر و مغرور بھی نہ ہو۔ نیکی کو اگر پسند کرو گے تو اس کی خاطر بدی کو برا کہنا ہی پڑے گا اور خدا کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو شیطان کی دشمنی کی پرواہ مت کرو

البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے فیصلہ کن حدود معین ہونے چاہئیں نرمی و آشتی اور عفو و درگذر کے مقامات کیا کیا ہیں اور سخت گیری و پاداش انتقام کا حق کس موقع پر حاصل ہوتا ہے؟

عام اخلاق کے اصول بھی ان سوالوں کا جواب شاید دے سکتے ہیں مگر ہم تو دنیا کی ہر شے کو مذہب ہی میں ڈھونڈتے ہیں اور پھر اس کے بعد نہیں جانتے کہ دنیا میں اور کیا کہا جاتا ہے؟ ہمارے ہاتھ میں قرآن حکیم ایک امام مبین، تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ، بَيَانٌ لِّلنَّاسِ، نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ اور انسان کے ہر اختلاف و نزاع کے لئے ایک حکم ناطق ہے۔ اور پھر اس کا عملی نمونہ اور وجود ظلی اس کے حامل و مبین کی زندگی کے اعمال ہیں کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ پس ان سوالوں کا جواب بھی وہیں ڈھونڈھنا چاہیئے۔

اسلام نے اپنی تعلیم اور دعوت اور اپنی امت کے قیام و بقا کے لیئے اساس اولین اور نظام بنیادی ایک اصول کو قرار دیا ہے، اور اس کو "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" سے تعبیر کرتا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ	تم میں ایک جماعت ہونی چاہیئے جو دنیا کو
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	نیکی کی دعوت دے، بھلائی کا حکم کرے اور
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	برائی سے روکے اور وہ فلاح یافتہ ہیں

اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بطور ایک اصول کے پیش کیا ہے۔ اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کا اس کو فرض قرار دیا ہے، لیکن اسی رکوع میں آگے چل کر دوسری آیت ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تمام امتوں میں تم سب سے بہتر امت ہو کہ
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ	روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ایک تیسری آیت میں مسلمانوں کا یہ ملی امتیاز اور قومی فرض زیادہ نمایاں طور پر بتلایا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اور وسطی
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	امت بنایا، تاکہ اور لوگوں کو مقابلہ میں

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ تم گواہ ہو اور تمہارے مقابلہ میں تمہارا رسُول گواہ ہو۔

تفسیر آیات

ان تینوں آیتوں میں خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر مسلمانوں کا اصلی مشن، مقصد تخلیق، قومی امتیاز اور شرف خصوصی اسی چیز کو قرار دیا ہے کہ گو دنیا میں اعلان حق ہر برگزیدہ ہستی اور جماعت کا فرض رہا ہو مگر مسلمانوں کا سرمایۂ زندگی یہی فرض ہے۔ وہ دنیا میں اس لئے کھڑے کئے گئے ہیں کہ خیر کی طرف داعی ہوتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو جہاں کہیں دیکھتے ہیں اپنے تئیں اس کا ذمہ دار سمجھ کر روکتے ہیں۔ آخری آیت میں کہا کہ تم کو ایک وسطی ملت بنایا گیا تاکہ تم اولین و آخرین کے لئے گواہ بن سکو اور اس امر کی کہ تم نے اپنا یہ فرض ادا کیا یا نہیں تمہارا رسول امین اللہ کے آگے گواہ ہو۔ اخلاق کے تمام دفتر کا متن قرآن کا یہی اصول ہے۔ دنیا میں سوسائٹی کے آداب اور قانون کا احتساب بھی اسی اصل الاصول پر قائم ہے۔

گو تفصیل کا موقع نہیں مگر ان آیات کے متعلق چند تفسیری اشارات کر دینا فہم مقصد میں معین ہوگا۔

امر بالمعروف حکم عام ہے

دوسری آیت میں اسی لئے "المعروف" اور "المنکر" پر الف لام استغراق کے لئے آیا تاکہ بقول امام رازی معروف اور منکر میں کوئی تخصیص و تحدید باقی نہ رہے اور ظاہر ہو جائے کہ وہ ہر نیکی کے لئے امر اور ہر بدی کے لئے ناہی ہیں۔ عام اس سے کہ وہ کہیں ہو اور کسی صورت میں ہو۔
وھذا یقتضی کونھم امرین لکل معروف وناھین عن المنکر (تفسیر کبیر)

مسلمانوں کے ملی شرف و فضیلت کی علت

"خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کے بعد امر بالمعروف کا ذکر کیا اور یہ اس لئے کہ پہلے وصف بیان کرکے پھر اس کی علت بیان کی جائے یعنی مسلمانوں کا بہترین امت ہونا صرف ان کے اس وصف پر منحصر ہے کہ امر بالمعروف و ناہی عن المنکر ہیں۔ خیر کی دعوت دیتے ہیں اور شر سے روکتے ہیں کما تقول زید کریم یطعم الناس یکسوھم اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ وصف امتیازی ان سے جاتا رہے تو پھر وہ بہترین امت ہونے کے شرف سے بھی محروم ہو جائیں، اور ان کا اصلی قومی امتیاز ان میں باقی نہ رہے۔

تیسری آیت میں ان کو وسط کی امت قرار دیا اور پھر اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ "تاکہ لوگوں کے لئے گواہ ہو" افسوس ہے کہ ایسی صاف اور سلجھی ہوئی بات میں بھی ہمارے بعض مفسرین نے لاحاصل بحثیں پیدا کر دیں

اور اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ شہادت دنیا میں ہوگی یا آخرت میں؟ اسلام کا اصلی کارنامہ غیر فانی دنیا ہی کی اصلاح تھا، مگر مفسرین اس کی طرف سے اس درجہ غافل ہیں کہ ہر شے کو آخرت ہی پر اٹھا رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر اسی شہادت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا گیا ہے کہ:۔

كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا   میں اپنی امت پر شاہد تھا جب تک کہ

مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ   میں ان میں موجود تھا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی امت میں دنیا کے اندر ہی موجود تھے نہ کہ آخرت میں۔ پس یہاں بھی شہادت سے وہی شہادت مراد ہے جو دنیا کی زندگی میں انجام دی جا سکتی ہے۔ تاہم علامہ رازی کا ہمیشہ ممنون ہونا پڑتا ہے کہ وہ گو ہر آیت کے متعلق طرح طرح کی توجیہات جمع کر دیتے ہیں، مگر پھر بھی ایک نہ ایک ایسی توجیہہ ضرور ان میں موجود ہوتی ہے جو اصل حقیقت سے پردہ اٹھا دیتی ہے اور وہی خود ان کی ذاتی رائے ہوتی ہے اس آیت کے متعلق بھی انھوں نے دوسرے قول کے بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بالکل صاف اور غیر پیچیدہ ہے۔

امت وسطیٰ

اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مسلمانوں کا فرض منصبی قرار دیا اور فی الحقیقت ایسا کرنا دنیا میں عدل

حقیقی کو قایم کرنا تھا۔ برائی اگر روک دی جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے تو دنیا کے نظم کے قوام کا اس کے علاوہ اور کیا اعتدال ہو سکتا ہے؟ عدل کے معنی ہیں عدم افراط و تفریط، یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا، اور یہ درجہ مقام وسط اور درمیانی ہے۔

گناہ کی حقیقت اور اصطلاح قرآنی میں "اسراف"

دنیا میں جس قدر برائیاں ہیں غور کیجئے تو وہ افراط و تفریط کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ انسان کے تحفظ خود اختیاری اور حفظ حقوق کے لئے غیرت، غضب اور سماق کا ہونا ضروری تھا، لیکن یہ جذبات اپنی حد سے آگے قدم بڑھاتے ہیں تو فطرت کی بخشی ہوئی ایک شے جو یقیناً نیکی تھی یکایک بدی بن جاتی ہے، اور اس کا نام جرم اور گناہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں ہر جگہ معصیت اور گناہ کے لئے (اسراف) کا لفظ اختیار کیا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ — اے میرے بندو کہ تم نے اپنے نفسوں پر اسراف کیا ہے، رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو

یہاں مسرفین سے مراد سخت درجے کے گناہ گار اور معصیت شعار انسان ہیں کیونکہ آیت کا شان نزول، نیز آگے چل کر اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کہنا اس کی پوری طرح تشریح کر دیتا ہے۔ اسراف کی تعریف

صرف الشئ فیما ینبغی زائدا علی ما ینبغی اور تجاوز الحد فی کل شئ (راغب) ہے یعنی کسی چیز کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور ہر شے کا اپنی حد سے تجاوز کر جانا اس سے بڑھ کر گناہ کی کیا تعریف ہو سکتی تھی کہ وہ قوتوں اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ خرچ کا نام ہے۔ اسراف کے علاوہ اصطلاح قرآن میں ایک لفظ "تبذیر" بھی ہے جیسا کہ فرمایا:۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ — بے موقع اور بے ضرورت مال و دولت کو ضایع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

لیکن تبذیر اور اسراف میں ایک باریک فرق یہ ہے کہ کسی شے کے خرچ کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض چیزیں خرچ تو کی جاتی ہیں، ان کے ٹھیک ٹھیک مصرف ہیں، لیکن تعداد صَرف ضرورت اور حد معینہ سے زائد ہوتی ہے اور طریق صَرف صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک مجرم پر اس کے قصور سے زیادہ غضبناک ہونا اور مناسب سزا دینے کی جگہ مار پیٹ سے کام لینا۔ بے شک ایک مجرم کو اس کے جرم کی پاداش ملنی چاہیئے، اور اس لحاظ سے آپ کے غصے اور غضب کا خرچ اپنے صحیح مصرف میں ہوا، لیکن جس مقدار اور جس صورت میں غصے کو آپ خرچ کر رہے ہیں یہ اس کے حدود اور اس کی ضرورت سے زیادہ ہے

اور اسی کا نام اسراف ہے۔

برخلاف "تبذیر" کے کہ اس کی تعریف صرف الشئ فیما لا ینبغی بیان کی گئی ہے یعنی کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا مثلاً دولت نفس کے ضروری آرام و آسائش، اعزا و اقارب کی اعانت، اور اعمال حسنہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے، مگر آپ اسے محض اپنی جاہ و نمایش، دنیوی عزت اور حکام کی نظروں میں سوخ حاصل کرنے کے لئے باسمائے مختلفہ لٹانا شروع کردیں، تو قرآن کریم اس کو "تبذیر" سے معتبر کرے گا۔ اور چونکہ اس کا نقصان اسراف سے شدید تر ہے اس لئے وعید بھی سخت وارد ہوئی، کہ مسرف کے لئے تو صرف اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ "خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" فرمایا، اور "تبذیر" کے مرتکبین کو کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ کہہ کر شیطان کے اخوان اقارب میں شمار کیا گیا۔ اسراف اور تبذیر کا یہ فرق خود قرآن کریم سے ماخوذ ہے، تفسیر بالرائے نہیں ہے یہ دونوں لفظ جہاں جہاں بولے گئے ہیں اگر ان کا استقصا کیا جائے تو خود بخود یہ فرق ظاہر ہو جائے گا۔ مثلاً

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا	کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ اللہ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔	اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صَرف، ایک بالکل صحیح مصرف کا خرچ ہے اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے۔ غذا کھانے ہی کے لئے ہے اور پانی پینے ہی کے لئے، لیکن اگر حد خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جاوے، یا ان کی تیاری و اکل و شرب میں بے جا روپیہ صرف کیا جاوے تو یہ اسراف ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ اسراف مت کرو۔ لیکن ایک دوسرے موقع میں صورت خرچ اشیاء سے مختلف تھی

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ — اور اقارب کا حق ان کو دو۔ نیز مسکین

وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ — اور مسافر کے حقوق ادا کرو اور دولت

تَبْذِيْرًا . — کو مت ضایع کرو۔

یہاں چونکہ مقصد یہ تھا کہ دولت کا مصرف صحیح، اعزا و اقارب کے حقوق ادا کرنا ہے پس دوسرے کاموں میں اس کو بے موقع خرچ نہ کرو اس لئے اسراف نہیں کہا بلکہ تبذیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

رجوع الی المقصود

حاصل سخن یہ ہے کہ گناہ معصیت، فسق، جرم اور ہر وہ شے جس میں عدل پایا جائے یقیناً نیکی اور عمل خیر ہے۔ قرآن ہر جگہ ہر طرح کے محاسن و فضائل کو اسی جامع و مانع لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کی اصطلاح میں صراط المستقیم، توازن قسط، میزان الموازین، قسطاس المستقیم اور

عدم تلطف اور اسی طرح کے بیسیوں الفاظ اسی مقام عدل سے عبارت ہیں۔ وہ ہر جگہ اور ہر تعلیم میں (زیادتی مت کرو) اِعْدِلُوْا (عدل کرو) کے اصول کی دعوت دیتا ہے اور اسی راہ عدل کو اَقْرَبُ اِلَی التَّقْوٰی بتلاتا ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ ہر شے میں خواہ وہ اس کی عبادت اور بندگی اور خواہ اس کی راہ میں خیرات و بخشش ہی کیوں نہ ہو یہ ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔	اور اپنا ہاتھ نہ تو اس طرح سکیڑو کہ گویا گردن میں بندھ گیا ہے اور نہ بالکل پھیلا ہی دو، ورنہ تم خالی ہاتھ بیٹھے رہ جاؤ گے اور لوگ تم کو ملامت کریں گے

ہر کام کے لئے اس آیت میں اعتدال کی ایک جامع مثال بیان کر دی گئی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مقصود قیام عدل ہے

پس جیسا کہ ہم نے ابتدا میں اس طرف اشارہ کیا تھا جس جماعت کا فرض دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوگا وہ دنیا میں ایک ایسی طاقت ہوگی جو صرف نیکی ہی کی خاطر دنیا میں بھیجی گئی ہے، اور چونکہ نیکی عبارت ہے عدل سے اور بدی اس کے عدم سے، اس لئے فی التحقیقت وہ عدل کو قایم رکھنے والی اور افراط و تفریط کو کہ بدی اور گناہ ہے روکنے

والی جماعت ہوگی۔

اب عدل کی حقیقت پر غور کیجئے تو فی الحقیقت ہر شے کے وسطی اور درمیانی حالت کا نام ہے۔ کسی ایک طرف جھک پڑے تو یہ افراط و تفریط ہے لیکن ٹھیک ٹھیک درمیان میں اس طرح کھڑے رہنے کہ بال برابر جگہ بھی کسی طرف زیادہ نہ بچی ہو، تو اس کا نام اعتدال اور عدل ہوگا۔ قرآن کریم نے اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ — جب کسی چیز کو تولو، تو ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو (تاکہ وزن میں دھوکہ نہ ہو) یہی طریق خیر اور نیک انجام ہے۔

دوسری جگہ ایک سورت اس جملے سے شروع کی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۔ — ناپ تول میں کم دینے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے۔

عدل کے لئے سب سے زیادہ مشاہدے میں آنے والی اور عام فہم مثال ترازو کی تھی، کہ اس کے تمام اعمال کی صحت کا دارومدار محض اس کے اوپر کی سوئی پر ہے۔ جب تک کہ وہ ٹھیک ٹھیک اپنے وسط میں قائم نہ ہو جائے وزن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ جونہی دونوں پلوں کا وزن مساوی ہوگا معاً سوئی بھی وسط میں آکر ٹھہر جائے گی۔

انہی لیئے قرآن نے اکثر مقامات میں ترازو کی مثال سے کام لیا ہے اور قیامت کے دن بھی انسانی اعمال کا فیصلہ اسی کے ہاتھ ہوگا فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ۝

یہی سبب ہے کہ وسط کو عدل کے معنوں میں بولا جاتا ہے اور فی الحقیقت (وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا) میں بھی وسط سے مراد عدل ہی ہے۔

جس جماعت کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو اس سے بڑھ کر اور کونسی جماعت عند اللہ اور عند الناس عادل ہو سکتی ہے؟ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے ایک عدل قائم کرنے والی امت بنایا تاکہ دنیا کے لئے تم ایک گواہ عادل کی حیثیت سے شہادت دے سکو۔

خود قرآن مجید بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ قَالَ اَوْسَطُھُمْ اور وہاں بلا اختلاف اَوْسَطُھُمْ سے مراد اعدلھم ہی ہے امام رازی نے بروایت قفال ایک حدیث بھی درج کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی اُمَّۃً وَّسَطًا ای عدلا اس کے علاوہ مشہور حدیث خیر الامور اوسطہا میں بھی اوسط بمعنی اعدل

استعمال کیا گیا ہے یعنی بہتر کام وہ ہیں جو ان میں مطابق عدل ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا جاتا تھا کہ اوسط قریش نسباً۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اوسط عدل ہی کے معنی میں بولا گیا ہے اور اسی بنا پر اس آیت سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جب امت کی عدالت نص سے ثابت ہو گئی تو اس کا اجماع یقیناً گمراہی و فساد سے محفوظ ہوگا۔

پہلی اور دوسری دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فرض کا ذکر کیا ہے لیکن پہلی آیت میں بظاہر الفاظ تمام امت کے لئے نہیں بلکہ امت میں سے ایک جماعت خاص کے لئے اس کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ — تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے۔

لیکن دوسری آیت میں کسی ایک جماعت کی تخصیص نہیں ہے تمام امت کا امتیاز ملی اسی فرض کو قرار دیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ — تم سب میں بہتر امت ہو، اس لئے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو۔

دونوں آیتیں ایک ہی سورت ایک ہی رکوع میں ہیں، پھر دونوں میں اختلاف کیوں ہے۔ پہلی میں یہ فرض محدود و مخصوص اور

دوسری میں عام ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ پہلی آیت میں خدا تعالٰی نے جن فرائض کا ذکر کیا ہے ان میں سے ہر فرض اپنی تکمیل کے لئے علم کا محتاج ہے۔ دعوت الی الخیر کے لئے ضروری ہے کہ اعمال خیر کا علم ہو۔ امر بالمعروف کیوں کر انجام پا سکے گا، جب کہ وہ کام معلوم نہ ہوں گے جن پر معروف کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ نہی عن المنکر تو اور زیادہ علم و فرض اور درس تدریس کا محتاج ہے، کیونکہ منکرات میں تمام محرمات و مکروہات فقہیہ داخل ہیں اور جب تک ان کا علم نہ ہو کیوں کر ان سے روکا جا سکتا ہے۔ اس تفسیر کی بناء پر فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ اس آیت ولتکن منکم میں من تبعیض کے لئے آیا ہے اس سے صرف ایک گروہ محدود (علماء) مراد ہے اور یہ تینوں باتیں صرف انہیں کے فرائض میں داخل ہیں۔

علماء نے اس فرض عام کو اپنے لئے مخصوص کرلیا

لیکن درحقیقت یہ خیال عملاً اور اعتقاداً ایک ایسی خطرناک غلطی تھی جس کو میں نہیں سمجھتا کہ کن لفظوں سے تعبیر کروں؟ اس تیرہ سو برس میں اسلام کو ان تمام غلط فہمیوں سے سابقہ پڑا جو اس سے پہلے امم سابقہ کو پیش آچکی ہیں، لیکن کسی سخت سے سخت تحریف نے بھی مسلمانوں کو ایسا لاعلاج نقصان نہیں پہنچایا جیسا اس غلطی سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ اسلام کی وہ دعوت الٰہی

جو ایک عالمگیر اصلاح اور دین الٰہی جامعہ کے قیام کے لئے آئی تھی، اس
غلط فہمی سے زیادہ عرصہ تک قایم نہ رہ سکی۔ خلافت و نیابت الٰہی کا وہ
شرف جو مسلمانوں کو عطا کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے بہ حیثیت ملی وہ تمام
عالم میں خدا کا مقدس دست ئل سے تھے، بدبختانہ اسی غلط فہمی سے خاک
میں ملا۔ روسائے روحانی اور پیشوایان مذہب نے جو مشرکانہ اختیارات
اپنے لئے مخصوص کر لئے تھے اور جن کی غلامی سے دنیا کو نجات دلانا اس
دین الٰہی کا اصلی مشن تھا، اس کی بیڑیاں پھر اسی غلط فہمی کی لعنت سے مسلمانوں
کے پاؤں میں پڑیں اور ایسی پڑیں کہ اب تک نہ نکل سکیں، چنانچہ اس کا نتیجہ
فرزندان الٰہی جن کو اپنے اعمال حسنہ سے دنیا میں خدا کی تقدیس کا تخت جلال
بننا تھا، آج اپنی بد عملیوں سے تمام قومی جرائم اور ملی معاصی میں گرفتار ہیں
اور قہر الٰہی کو مدتوں سے دعوت دے رہے ہیں۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کی
پاداش میں اقوام گذشتہ سے خدا نے اپنا رشتہ توڑا تھا، جن کی وجہ سے
داؤد کے بنائے ہوئے ہیکل سے روٹھ کر رحمت الٰہی نے اسمٰعیل، کی
چھی ہوئی دیواروں کو اپنا گھر بنا لیا تھا، اور پھر جن کی وجہ سے بنی اسرائیل
کو اپنی نیابت سے معزول کر کے مسلمانوں کو اس پر سرفراز کیا تھا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَاءَتْهُمْ — اور تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں کہ جب انھوں نے ظلم و معاصی پر کمر باندھی تو ہم نے

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ، كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

انہیں ہلاک کر دیا - ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا - مجرموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں - پھر ان کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے تم کو دنیا کی بادشاہت دے کر ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ کیسے عمل کرتے ہو

مگر یہ بدبختی بھی صرف اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے -

لیکن یہ سب کچھ کیوں کر ہوا ؟ اس طرح کہ اعتقادی سے عمل وجود پذیر ہوتا ہے - اس غلط فہمی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ امر بالمعروف جو دراصل ہر فرد اسلامی کا فرض تھا اور صحابۂ کرام کی زندگی اس کی عملی شہادت ہمارے سامنے ہے وہ روز بروز ایک محدود دائرے میں سمٹتا گیا اور سمٹتے سمٹتے ایک غیر محسوس نقطہ بن کر رہ گیا - اب اس کے وجود میں بھی شک ہے -

دنیا کے تمام مذاہب کے انحطاط و ہلاکت کی ایک بڑی علت روسار مذہبی کا معبودانہ اقتدار ہے - اسلام نے اس زہر کا تریاق اسی اصل اصول کو تجویز کیا تھا کہ امر بالمعروف کی خدمت کو اس طرح عام ، اور ہر فرد ملت پر پھیلا دیا جائے کہ پھر کسی مخصوص گروہ کو اس ذریعہ سے اقتدار حاصل کرنے کا موقع نہ ملے - اور ہندوؤں کے برہمنوں اور عیسائیوں کے

رومن کیتھولک فادروں کی طرح مذہبی دعوت اور اصلاح کو کوئی
جماعت اپنی اقلیم حکمرانی نہ بنالے کہ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ
لیکن اب صدیوں سے دیکھیے تو مسلمان جن بیڑیوں کو کاٹنے آئے تھے
ان سے خود ان کے پاؤں بوجھل ہو رہے ہیں۔ اس فرض الٰہی کو علمار نے
اپنا موروثی حق بنا لیا ہے جس میں کسی اور فرد کو دخل دینے کی اجازت
نہیں۔ شیطان (اپنی قدیم عادت کی طرح) جب ضرورت دیکھتا ہے
ان کو اپنے اعمال ابلیسانہ کے لئے آلۂ کار بنالیتا ہے اور امر بالمعروف و
نہی عن المنکر کی جگہ (امر بالمنکر و نہی عن المعروف) کے فرائض ان کے ہاتھوں
انجام پاتے ہیں۔ باقی تمام قوم اپنے اس فرض کی طرف سے بالکل غافل اور
بے خبر ہے اور جہل مذہبی کے سبب سے علمار کے اس غصب حقوق عامہ
پر قانع ہو گئی ہے۔ خدا کی حکومت کوئی بھی اپنے اوپر محسوس نہیں کرتا
نیکیوں کی طرف سے سب کی آنکھیں بند ہیں۔ اور برائیوں پر سے ہر شخص
اس طرح گذر جاتا ہے گویا اس کو کان سننے کے لئے اور آنکھیں دیکھنے
کے لئے ملی ہی نہیں۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى
الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ

دونوں آیتوں کا منشا ایک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں، دونوں کا

منشا ایک ہے اور دونوں اس فرض کو بغیر کسی تخصیص و تحدید کے ہر قائل کلمہ توحید کا فرض قرار دیتی ہے۔ البتہ پہلی آیت میں وَلتکن منکم کا لفظ اشتباہ پیدا کرتا ہے کہ منکم بیان تبعیض کے لئے ہے، یعنی تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت اس فرض کو اپنے ذمے لے لے لیکن چونکہ آگے چل کر دوسری آیت نے اس فرض میں تمام امت کو شامل کر لیا ہے اس لئے یہاں منکم کو تبعیض کے لئے قرار دینا ہی غلط ہے۔ بلکہ وہ یقیناً توضیح و تبعیض کے لئے آیا ہے، جیسا ہر زبان کے محاورے میں عموماً بولا کرتے ہیں۔ مثلاً عربی میں کہیں گے لا میار من غلمانہ عسکر و لفلان من اولادہ جند یعنی امیر کے لڑکوں سے فوج کے سپاہی ہیں اور فلاں شخص کی اولاد سے لشکر مرتب ہو رہا ہے تو اس سے امیر کے تمام لڑکے مراد ہوں گے نہ کہ بعض۔ خود قرآن میں ایک موقع پر فرمایا ہے کہ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بتوں کے علاوہ اور کسی شے کی ناپاکی سے پرہیز نہ کیا جائے۔ غرضکہ یہاں من افادہ بمعنی تبیین کرتا ہے نہ کہ تبعیض۔ امام رازی نے دوسرے قول کو بیان کرتے ہوئے اس پر کافی بحث کی ہے۔

لیکن اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم قرآن مجید کی ایک اور آیت اس مضمون کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ اگر امام رازی نے اس آیت کو بھی پیش نظر رکھا ہوتا تو ان کو متعدد آراء و توجیہات کے لاحاصل نقل کرنے کی

ضرورت نہ ہوتی۔ سورہ حج کے پانچویں رکوع میں خدا تعالیٰ نے کافروں کے اُن مظالم کی طرف اشارہ کیا ہے، جن سے آغاز اسلام کے مسلمانوں کو سامنا تھا۔ پھر دفاع و حفظ نفس کے لیے قتال کی اجازت دی ہے اور اس کے بعد کہا ہے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔

اگر ہم ان مظلوم مسلمانوں کو حکومت اور خلافت دے کر زمین میں قایم کر دیں تو وہ نہایت اچھے کام انجام دیں گے یعنی نماز پڑھیں گے زکوۃ دیں گے لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

یہ آیت اس بارے میں بالکل صاف اور فیصلہ کن ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیاب کرنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زمین پر حکمراں ہونے کے بعد اچھے اور نیک کاموں کو انجام دیں گے۔ پھر ان کاموں کی بالترتیب تشریح کی ہے اور سب کو مسلسل عطف کے ساتھ بیان کیا ہے جو معطوف و معطوف الیہ میں تسویہ ثابت کرتا ہے۔ پہلے نماز کا ذکر کیا پھر زکوۃ کا اور یہ دونوں عمل ہر جگہ قرآن میں ایک ساتھ بیان کئے گئے ہیں

اس کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نام آیا ہے اور اسی سلسلہ اعمال میں جس میں نماز اور زکوۃ بلہجۂ وجوب و فرض بیان کئے جاتے ہیں اس سے ثابت ہو گیا کہ :-

(۱) مسلمانوں کو خدا نے جو نصرت و فتح اور دنیا میں کامیابی عطا فرمائی اس کی علت یہ تھی کہ تاکہ وہ اعمال حسنہ انجام دیں۔

(۲) وہ اعمال حسنہ (علی الخصوص) قیام نماز، ادائے زکوۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں۔

(۳) نماز اور زکوۃ ہر مسلمان پر فرض ہے، پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔

عمل و اعتقاد

گذشتہ بیان سے گو یہ تحقیق ہو گیا کہ اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے ہر پیرو پر فرض کر دیا ہے لیکن اصل بحث ابھی باقی ہے اس تعلیم کو اصولاً و اعتقاداً کون نہیں مانتا لیکن اخلاق اور مذہب کی ہر تعلیم میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اعتقاد اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو اصول قابل عمل نہ ہو، وہ کاغذ کے صفحوں پر کتنا ہی دل فریب ہو مگر انسانی مصائب کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ دنیا اس اصول پر عمل بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟

"اسلام" یکسر عمل ہے۔ مذہبی تاریخ میں جو انقلابات ذہن و حصول سے عمل کی جانب ہوئے ہیں اور جن کی ابتدائی حالت مکمل نمونہ گوتم بدھ اور آخری صورت (مسیحی تحریک) تھی، اسلام اس کے انقلاب آخری کا نام ہے۔ جس کے بعد مذہب ایک خالص عملی قانون کی شکل میں مبدل ہوگیا اور وہ تمام چیزیں نکل گئیں جو اس کی عملی طاقت کو مضرت پہنچاتی تھیں پس اگر یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف ایک اسلامی اصول ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ وہ محض ایک ذہنی زندگی رکھنے والا اصول ہی نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے والا قانون ہے۔

حب و بغض اور عفو و انتقام

سب سے بڑی مشکل جو اس اصول کی عملی راہ میں پیش آتی ہے وہ اخلاقی تعلیمات کی دو رنگی ہے۔ ایک طرف عفو و درگذر اور محبت و عاجزی کی تعلیم ہے، دوسری طرف نیکی و بدی کے احتساب کی سختی و انتقام و عقوبت ہے۔ خود قرآن کی تعلیمات میں بھی یہی مشکل پیش آتی ہے ایک جانب عفو و نرمی اور حکمت و موعظۃ کا حکم ہے، دوسری طرف سختی و انتقام اور تشدد و جبر کے احکام پر زور دیا گیا ہے۔ یورپ کے مورخین جب تعصب و جہل کی تاریکی میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس اختلاف کی تہ میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔ پھر پریشان ہوکر اس اختلاف کو مکی اور مدنی

زندگی کے اختلاف حالت کا نتیجہ بتلاتے ہیں کہ جب تک اسلام بے بسی اور محتاجی کی حالت میں تھا، نرمی اور عفو و درگزر کی تعلیم سے زندگی کا سہارا ڈھونڈھتا تھا، لیکن مدینہ میں آ کر جب تلوار ہاتھ آگئی تو پھر حکومت اور طاقت کی حالت میں عاجزی و مسکنت کی ضرورت نہ تھی لیکن وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ۔

اس بحث کا یہ موقع نہیں، لیکن اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جس اصول پر قائم کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

فقہاء کا ایک عمدہ اصول ہے کہ "اصل شے کی اباحت ہے تا آنکہ کوئی سبب حرمت پیدا نہ ہو" انگور کا عرق فی نفسہٖ ایک مفید اور عمدہ شے ہے، لیکن جب اس میں نشہ پیدا کر دیا جائے اور نشہ کی وجہ سے انسان کے دماغ اور اخلاق کو نقصان اور اس نقصان کی وجہ سے امن عامہ میں خلل اور سوسائٹی کا ہرج ہو تو وہ پھر حرام قطعی ہے۔ بالکل اسی طرح اخلاق میں بھی اصل عمل (محبت) ہے تا آنکہ کوئی سبب لاحق ہو کر بغض سے تبدیل نہ کر دے یعنی دنیا میں ہر شے محبت کے زیر قانون ہے اور کوئی نہیں جو محبت و پیار کا مستحق نہ ہو، لیکن اس محبت کے اوپر بھی ایک قانون عام کی حکومت ہے یعنی "نفع رسانی اور حقوق العباد کی نگہداشت" پس اگر کوئی علت ایسی پیدا ہو جائے جس کے سبب سے محبت کی صورت اپنی محبوبیت

کو مسخ کر دے تو پھر ہر محبوب شے کو اپنی نظروں میں مبغوض بنا لو۔ اور جس قدر محبت کی راہ میں محبت کا جوش رکھتے تھے، محبت ہی کی خاطر بغض کی راہ میں بغض کا جوش ظاہر کرو۔

غور کرو، قانون دنیا میں کیا چاہتا ہے؟ محبت یعنی امن کو قایم کرنا لیکن محبت کی خاطر عداوت اور امن کی خاطر بدامنی اس کو بھی کرنی پڑتی ہے اس کی انتہائی آرزو یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو ہلاکت سے نجات دے لیکن زندگی بخشنے کے لئے اسے موت ہی کے حربہ سے کام لینا پڑتا ہے انسان کو پھانسی پر چڑھا کر مارتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ اس لئے ہے تاکہ انسان گلا گھونٹ کر نہ مارے جائیں۔

پارلیمنٹ اور جمہوریت امن اور آزادی مانگتی ہے، مگر امن کی خاطر اسے شخصی حکومت میں بدامنی پیدا کرنی پڑتی ہے اور آئندہ قتل روک دینے کے لئے بہتوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ قرآن نے حب و بغض اور نرمی و سختی کے اصول کو اسی بنیاد پر قایم کیا ہے۔ اس کی عام تعلیم یہ ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ	خطاؤں سے درگزر کر، اچھی باتوں کا حکم دے
اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ وَاِمَّا	اور جاہلوں سے کنارہ کش ہوجا۔ اور اگر
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ	(اے پیغمبر) تیرے دل میں انتقام اور بدلہ لینے
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ	کا ولولہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگ، وہ

سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر احسان عام ۔ عاجزی و فروتنی کو اس پیرایہ میں فرمایا۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا	زمین پر اکڑ کے نہ چلا کرو۔ اس طرح چل کر
اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ	زمین کو پھاڑ تو سکتے نہیں۔ اور نہ تن کر
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۔ کُلُّ	چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو
ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھًا	یہ تمام باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔

سورہ فرقان میں اپنے نیک بندوں اور سچے مومنوں کی جہاں خصلتیں گنائی ہیں وہاں پہلا وصف یہ کہا

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ	اور رحم کرنے والے خدا کے رحم طینت بندے
عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا	وہ ہیں جو زمین پر نہایت فروتنی کے ساتھ چلتے
خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا	ہیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں
سَلٰمًا ۰	کرتے ہیں تو سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں۔

سورہ شوریٰ میں ایک ایسے ہی موقع پر مومن کا سب سے بڑا وصف یہ قرار دیا ہے کہ:۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ ۔	اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو خطاؤں سے
یَغْفِرُوْنَ ۰	درگزر کرتے ہیں۔

اصطلاح قرآن میں عزم امور ایک انتہائی وصف ہے ، جو انبیائے جلیل القدر کی مدح میں آیا ہے، لیکن عفو وصبر کرنے والے کے لئے بھی اسی کو استعمال کیا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ	اور جو صبر کرے اور خطاؤں کو بخش دے
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ	تو بے شک یہ بڑے ہمت کے کام ہیں۔

احسان عام کی ان تعلیمات کا استقصا کیا جائے تو اس طرح کی بیسیوں آیتیں اور ملیں گی۔

یہ تعلیم تو گویا عام اور اصل اخلاق کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب عوارض سے حالات متغیر ہوجائیں اور عفو و درگزر کی جو علت تھی (یعنی نفع خلائق اور عدم مضرت رسانی) عفو و درگزر سے خود وہ مفقود ہونے لگے، تو اس حالت میں پھر بہ شرائط عدل و وسطیت انتقام اور بدلے کی سختی کو جائز کردیا۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے کرو۔

آگے چل کر اس کو صاف کردیا۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ	اور اگر کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد
فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ	بدلہ لے تو ایسے لوگ معذور ہیں۔ ان پر
اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ	کوئی الزام نہیں۔ الزام انھیں پر ہے جو
النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ	لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور بغیر کسی حق کے

بِغَيْرِ الْحَقِّ زیادتی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے۔

عام حکم، کفار و مخالفین کے ساتھ نرمی و شرافت، عفو و درگزر اور بطریق احسن نصیحت و موعظت کا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ خدا کی راہ کی طرف حکمت و وعظ کے ساتھ بلاؤ اور اگر بحث بھی کرو تو اس طرح کر وہ پسندیدہ طریقہ ہو۔

دوسری جگہ مخصوص طور پر یہود و نصاریٰ کی نسبت کہا۔

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اہل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو مگر بطریق پسندیدہ

لیکن پھر دوسرے موقعوں پر (جہاد فی سبیل اللہ) کو ایک فرض دین قرار دیا اور سورتوں کی سورتیں اس کے احکام کی نسبت نازل فرمائیں۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو۔

اسی آیت کے بعد فرمایا۔

فَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ان کو جہاں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے، تم بھی انہیں نکال باہر کرو۔

پہلے عام طور پر نرمی اور آشتی کا حکم دیا تھا لیکن قتل پر بھی بس نہ کرکے

اسے شدید سے شدید سختی پر زور دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً — اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔

دونوں تعلیموں میں کس درجہ تباین و تباعد ہے؟ مگر در اصل دونوں کا منشاء ایک ہی ہے۔ پہلا حکم احسان عام، محبت عمومی اور اصل اخلاق پر مبنی تھا، لیکن جب عوارض و لواحق سے حالات بدل گئے تو جس طرح پہلے انسانوں کی راحت اور جلب نفع کے لئے نرمی کا حکم دیا تھا، اسی طرح اسی مقصد سے یہاں سختی اور قتل کا حکم دیا اور اس کی علت کو کھول کر بیان کر دیا۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ — فساد خونریزی سے بڑھ کر برائی ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ — ان کو قتل کر دو یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے۔

جس طرح قانون قتل کی برائی کو روکنے کے لئے خود قتل کی برائی کو مجبوراً اختیار کرتا ہے، اسی طرح قرآن نے فتنہ و فساد سے ارض الٰہی کو پاک کرنے کے لئے تلوار سے مدد لینے تک کی اجازت دے دی ہے۔ بیشک نرمی اور نرم رفتاری کو خدا دوست رکھتا ہے، لیکن سخت گیروں اور ظالموں کو سختی سے باز رکھنے کے لئے جب تک سختی نہ کی جائے نرمی قائم نہیں ہو سکتی۔ فتنہ و فساد اسے پسند نہیں مگر فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے ایسے علاج بالمثل

کرنا پڑتا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰہِ كَثِيرًا۔

اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ مٹوا تا رہتا تو تمام صومعے اور گرجے اور تمام عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کی منہدم ہو گئی ہوتیں

یعنی مقصد الٰہی شفقت و رحمت و احسان عام ہے۔ لیکن جب ایک گروہ اس کی زمین کو فتنہ و فساد سے آلودہ کرتا ہے، بغیر کسی جرم و قصور کے محض عبادت الٰہی کی وجہ سے اس کے نیک بندوں پر سختی کرتا ہے، ان کو گھروں سے نکالتا ہے۔ اللہ کی عبادت گاہ میں جانے سے روکتا ہے، پھر وہ جب اپنا گھر بار چھوڑ کر وطن سے بے وطن ہو کر ایک دوسرے شہر میں پناہ لیتے ہیں تو وہاں بھی اگر چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، تو ان حالتوں میں مجبور ہو کر پیغمبر کو فتنہ روکنے، مظلوموں کو بچانے، شعائر الٰہی کی حفاظت اور حرمت قایم رکھنے، اور رافت و رحمت سے دنیا کی محرومی کو مٹانے کے لئے سختی سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور تلوار کو کاٹنے کے لئے تلوار بلند کی جاتی ہے۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اس موقع پر پچھلے نمبر کے اس حصہ پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے، جس میں امتہً وسطاً پر بحث کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی خلافت اور

نیابت بخشی تھی پس ضرور تھا کہ وہ بھی صفات الٰہی سے متصف اور متخلق
با خلاق الٰہی ہوں۔ خدا رحیم اور محبت کرنے والا ہے۔ پس حکم دیا گیا کہ
"ارحموا علی الارض یرحمکم من فی السماء" زمین پر رحم کرو تاکہ وہ جو آسمان پر ہے
تم پر رحم کرے۔ لیکن رحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل بھی ہے۔ پس رحم و محبت
میں بھی عدل اور وسط کا ہونا ناگزیر تھا۔ اس بنا پر تعلیم دی گئی کہ جب افراط
تفریط حد سے بڑھ جائے تو افراط کو روکنے کے لیے تم بھی افراط کرو۔ صفرا ر
بڑھ گیا ہے تو تم بھی زیادہ ترشی کھلا دو۔ تم پر تلوار اٹھائی گئی ہے تو اُسے
تلوار ہی سے کاٹو۔ تم ذلیل کیے گئے ہو تو تم بھی ذلیل ہی کرو تاکہ تسویہ و اعتدال
پیدا ہو۔ یہ سب کچھ عین رحمت و محبت ہے نہ کہ سختی و جبر۔ ڈاکٹر مریض کے
عزیزوں سے کم مریض پر مہربان نہیں۔ اس کے تلوے میں کانٹا چبھ کر چبھن پیدا
کر رہا ہے لیکن اس چبھن کو دور کرنے کے لیے نشتر کی نوک کی چبھن ہی سے
اسے کام لینا پڑے گا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا	ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ
بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ	مبعوث کیا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو
الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ	بھیجا تاکہ عدل و انصاف پر قائم ہوں، اور
النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا	نیز لوہا پیدا کیا جو (ہتھیاروں کی شکل میں)
الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ	سخت خطرناک بھی ہے اور ساتھ ہی بہت سی

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ منفعتیں بھی انسانوں کے لئے اپنے اندر رکھتا ہے

اس آیت میں قرآن نے پوری تشریح کے ساتھ نظام عالم کے قوانین اساسی کو بیان کر دیا ہے۔ خدا ہدایت و اصلاح کے لئے انبیاء کو بھیجتا ہے اور ان کو میزان (قیام عدل کی نا قدانہ قوت) دیتا ہے۔ تاکہ دنیا میں اللہ کے عدل کو قایم کر دیں۔ لیکن چونکہ اس کے لئے اوقات قہر و عقوبت کی ضرورت تھی، اس لئے ان کو عدل قایم کرنے کے لئے جنگ و قتال کی بھی اجازت دی اور لوہا پیدا کیا جو طرح طرح ہتھیاروں کی اشکال اختیار کرتا ہے۔ پس وہ مضر بھی ہے اور مفید بھی۔

تَشَبُّہ بِاللّٰہ و تخلق باخلاق اللّٰہ

پس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صفات الٰہیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اسلام انسان کے آگے ایک ارتقائے روحانی کی راہ کھولتا ہے جو گو عبدیت کے مقام تذلل و تکسر سے شروع ہوتی ہے، مگر اس کا انتہائی نقطہ تشبہ باللہ یعنی خدا کی صفات سے مشابہت پیدا کرنے کا مقام ہے اور اسی طرف اس مشہور حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ وتخلقوا باخلاق اللّٰہ (خدا کا اخلاق اپنے اندر پیدا کرو) پس ضرور تھا کہ جس ملت کو خدا نے دنیا میں اپنی نیابت اور خلافت بخشی تھی وہ بھی اس صفت الٰہی سے متصف ہوتی خدا طاعت و عبادت سے (یعنی ہر ایسے کام سے جو قوائے فطریہ کا

صحیح استعمال ہو، خوش ہوتا ہے۔ پس ایک انسان مومن کو بھی خوش ہونا چاہیئے: خدا کفر و ضلالت اور بداعمالی سے (یعنی ان تمام کاموں سے جو قوائے فطریہ کا اسراف وتبذیر ہوں) ناخوش ہوتا ہے اور اپنی نارضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ پس مومن ومسلم کو بھی ناخوش ہونا چاہیئے اور اپنی نارضامندی کا اعلان کرنا چاہیئے۔ ہم نے گذشتہ بیان میں (اسراف) اور (تبذیر) کی حقیقت سے بحث کی تھی۔ خدا عادل ہے، اور رحم ومحبت، نرمی وآشتی میں بھی اسراف اور تبذیر پسند نہیں کرتا۔ اگر بائبل کا ابن اللہ رحم محض کا مجسمہ ہے اور عدل کی ترازو کو ہاتھ میں لینا نہیں چاہتا تو نہ لے، مگر چھوئے بغیر تو اسے بھی چارہ نہیں۔ اس نے تمام انسانی جرائم ومعاصی کو شانِ محبت کے جوش میں معاف کر دینا چاہا لیکن پھر بھی بدی کو قابلِ عقوبت ثابت کرنے کے لیئے تمام ابن آدم کو نہ سہی، مگر اپنے عزیز بیٹے کو تو تین دن تک لعنت میں گرفتار رکھ کر خونی مجرموں کی طرح سولی پر چڑھاتا ہی پڑا۔

یہ ناگزیر ہے۔ دنیا کے لیئے محبت کی صورت موہنی ہو مگر افسوس کہ سودمند نہیں۔ عدل کی پیشانی پر اگرچہ خوش نمائی کی بلندی کی جگہ سختی و خشونت کی لکیریں ہیں، لیکن دنیا کا تمام نظام صرف اسی کے دم سے ہے پس خدا نے اپنی ملت کو بھی اپنی صفات کی دعوت دی اور اپنی شانِ عدل کی طرح اس کو بھی امتہً وسطاً قرار دیا تاکہ وہ اس زمین پر ایک عادلانہ خلافت

ہو اور اس کی طرح کسی جذبے میں نہ تو اسراف کرے (یعنی رحم کے موقع پر رحم کو اور سختی کے موقع پر سختی کو اس کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا) اور نہ تبذیر کا طریقہ اختیار کرے (یعنی رحم کی جگہ قہر اور قہر کی جگہ رحم)

مقام محبت الٰہی

یہی راز ہے کہ خدا نے تمام قوموں کو اپنے اپنے دور میں اپنی خلافت بخشی اور ہر صالح جماعت کو اس ورثہ الٰہی کا حق دار بنایا۔ مگر کسی کو اپنی محبوبیت اور معشوقیت کا درجہ عطا نہیں فرمایا۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا و علیہ السلام کی نسبت ضرور کہا تھا کہ

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنی خلافت بخشی

بنی اسرائیل بھی مدتوں اس پر سرفراز رہے، لیکن ان کی نسبت یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ خدا کے دوست اور محبوب بنائے گئے تھے۔ یہ امت مرحومہ کی نسبت خصوصی تھی کہ

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ	عنقریب اللہ ایک ایسا گروہ پیدا کرے گا جن کو وہ اپنا محبوب بنائے گا اور وہ خدا کو محبوب رکھیں گے۔

لیکن اس جماعت کی علامت یہ بتلائی کہ۔

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ مومنوں کے ساتھ نرم، مگر کافروں کے ساتھ سخت

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ — اللہ کی راہ میں جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔

یہ مختصر آیت اس مشکل کا پورا حل ہے۔ مومن محبوب الٰہی ہے کیونکہ ایمان باللہ سے بڑھ کر محبت الٰہی کے لئے اور کون سی شے جالب ہو سکتی ہے لیکن خدا نے اپنی محبت کے ساتھ طرف مقابل کی محبت کا بھی ذکر کیا کہ "میں انھیں چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتے ہیں" یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اور یہاں ارباب ذوق کے لئے ایک نکتہ عجیب ہے۔ حضرت یوسف کے حالات میں یکسر عشق ومحبت ہی کا افسانہ ہے، مگر وہ محبت محض یک طرفہ تھی یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کی طرح دونوں طرف سے نہ تھی۔ صرف زلیخا ہی کی نسبت فرمایا:۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا — یوسف کا عشق اس کے دل میں جگہ پکڑ گیا ہے

اس کا نتیجہ تھا کہ زلیخا جو کچھ کرتی تھی اپنے نفس کی خاطر کرتی تھی یوسف کی رضا جوئی مطلوب نہ تھی۔ جب عزیز مصر پر اصلیت منکشف ہوگئی تو ذلت ورسوائی سے بچنے کے لئے باوجود کمال استیلائے محبت وشغف خود ہی یہ صلاح دی کہ:۔

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ — جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا

سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ارادہ کرے اس کی یہی سزا ہے کہ قید کیا جائے یا سخت عذاب میں گرفتار ہو۔

لیکن عشق و خود پرستی دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ عشق کی تعریف یہ ہے کہ اولہا قتل و اٰخرہا حرق اس کی ابتدا قتل نفس ہے اور انتہا تمام خواہشوں اور ہوا و ہوس کا فنا، یہاں سب سے بڑی معصیت اپنے وجود کا حس اور اثبات ہے۔

محبت کا اصلی مقام وہ ہے جہاں پہنچ کر نفس اپنے کو فنا کر دیتا ہے اور پھر دست محبوب میں ایک آلۂ بے روح بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کا دل اس کے پہلو میں نہیں ہوتا بلکہ محبوب کی انگلیوں میں یُقَلِّبُہَا کَیْفَ یَشَآءُ (جس طرف چاہتا ہے پھرا دیتا ہے)، محبت کا استغراق خود اس کو محبوب کے صفات و خصائل کا ایک دوسرا پیکر بنا دیتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو اسی کی نظر سے اور سنتا ہے تو اسی کے کانوں سے۔ خود اس کی کوئی خواہش اور کوئی مرضی باقی نہیں رہتی۔ محبوب کی خواہش اس کی خواہش اور محبوب کی مرضی اس کی مرضی بن جاتی ہے۔ زلیخا کو ابھی یہ درجہ حاصل نہیں ہوا تھا، ورنہ اپنی ذلت و رسوائی کے خوف سے یوسف کو بارہ برس تک قید خانہ میں نہ دیکھتی۔ البتہ جب اس راہ میں ترقی کر گئی تو پھر ننگ و ناموس کی زنجیریں خود بخود ٹوٹ گئیں اور پکار پکار کر کہنے لگی۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ
اپنے نفس کو الزام سے نہیں بچاتی بیشک میرا نفس برائی پر آمادہ کرنے والا ہے۔

خدا نے اپنے مومن بندوں کو صرف اپنا ہی محبوب نہ کہا کہ یہ تو صرف زلیخائی ہوتی، بلکہ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ فرمایا کہ میں اگر ان کو دوست رکھتا ہوں تو وہ بھی مجھ کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس تعلق محبت کو محب و محبوبی اور عشق و معشوقی دونوں سے مرکب بنایا، تاکہ مقام ایمان کی اصلی علامت اور خصوصیت ظاہر ہو جائے۔ اور ایمان باللہ فی الحقیقت اللہ کی محبت ہی کا نام ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط
اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی خدا سے نہایت درجہ محبت ہے۔

محبت کی شرط اولین فنا فی المحبوب ہے۔ اس لیے مومن مخلص بھی وہی ہے جو تمام اپنی خواہشوں اور قوتوں کو بھول کر صرف خدا کی مرضی اور ارادے پر اپنے تئیں چھوڑ دے۔ خدا کی مرضی اس کی مرضی اور خدا کی خوشی اس کی خوشی ہو۔ یہی معنی خلافت الٰہی کے ہیں کہ وہ دنیا میں اللہ کی صفات کاملہ کا مظہر اور اس لئے اس کا جانشین ہے۔

اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ

پس جب مقام ایمان محبت الٰہی، اور محبت بغیر حصول

فنافی المحبوب محال، تو یہیں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بے نقاب ہو جاتا ہے۔ مومن کی تعریف یہ ہے کہ خود اس کی نہ کسی کے ساتھ دوستی ہو اور نہ دشمنی۔ نہ کسی کی مدح کرے اور نہ مذمت بلکہ وہ دست الٰہی میں ایک بے جان آلہ بن کر اپنی محبت اور دشمنی کو راہ محبوب کے لئے وقف کر دے۔ جو خدا کے دوست ہیں وہ اس کے دوست ہوں اور جو اس کے دشمن ہیں وہ اس کے دشمن ہوں۔ اسی کی راہ میں الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ خدا نیکی اور اعمال حسنہ سے خوش ہوتا ہے۔ پس یہ بھی جہاں کہیں نیکی کو دیکھے اپنا سر جھکا دے۔ وہ بدی اور بداعمالی پر غضبناک ہوتا ہے، لَا یَرضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ پس اس کو بھی جہاں کہیں بدی نظر آئے صفات الٰہی کی چادر اوڑھ کر قہر مجسم بن جائے اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ، اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ نیکی کے سامنے جس قدر عاجز ہو اتنا ہی بدی کے آگے مغرور وسخت ہو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں امر بالمعروف کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی ایمان باللہ کا نام بھی لیا ہے

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ؕ

تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو کہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ اس لئے کہا کہ امر بالمعروف کا فرض بغیر کامل ایمان باللہ کے

ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان جو ہوائے نفس میں گرفتار ہے، درہم و دنانیر کو پوجتا ہے، لذت نفس اور عیش دنیوی کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے، دنیوی رسوخ و عزت کو اپنا معبود سمجھتا ہے، ممکن نہیں کہ اپنے اندر نیکی کے حکم اور بدی کے روک کی طاقت پا سکے۔ وہ مشرک ہے، گو زبان سے دعوائے ایمان کرتا ہو مگر ایمان کی حلاوت اس کو کبھی چکھنا بھی نصیب نہیں ہوئی۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ
إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ

اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ گو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر فی الحقیقت مبتلائے شرک ہیں۔

عبادت اور بندگی کے معنی کسی مجسم بت کو پوجنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ ہر شے جس کے لینے کا حق صرف خدا ہی کو تھا، اگر اس کے سوا کسی دوسری ہستی کو دیدی جائے تو یہ بھی شرک ہے (مگر اس کی تشریح کا یہ موقع نہیں)۔

خدا نے سب کچھ انسان کے لئے مگر انسان کو اپنے لئے بنایا ہے۔ پس ایمان باللہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان سب کچھ اوروں کو دے دے مگر خود اپنے تئیں خدا کے سوا اور کسی کو نہ دے۔ اگر وہ اپنی خواہش اور مرضی کو اس کی خواہش اور مرضی پر مقدم رکھتا ہے تو وہ دعوائے ایمان میں سچا نہیں۔

ہجوم خیالات سے سلسلۂ سخن بار بار ٹوٹتا ہے، اور پھر چند قدم چل کر

واپس ہونا پڑتا ہے۔ حاصل سخن یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کر سکتا ہے جو ایمان باللہ میں راسخ و مستقیم ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ محبت الٰہی کی راہ میں مستقیم ہو کر سب کو خدا کے لئے اختیار کرے اور سب کو خدا کے لئے چھوڑ دے۔ خود اس کی کوئی ذاتی محبت اور ذاتی عداوت نہ ہو۔ نہ اپنی غرض کے لئے دوست بنے اور نہ اپنی غرض کے لئے دشمن۔ وہ ہر شے کو خدا کی آنکھ سے پیار کرے، اور اس کی آنکھ سے دشمن دیکھے۔ اس کا کوئی وجود، اس کی کوئی زندگی، اس کی کوئی صدا نہ ہو۔ جب چلے تو خدا کے پاؤں سے چلے اور جب سنے تو خدا کے کان سے سنے اور جب بولے تو خدا کی آواز اس کے گلے سے نکلے۔

من بجاناں زندہ ام وز جاں نیم ۔۔۔ من ز جاں بگذشتم و جاناں نیم
چشم و گوش و دست و پایم او گرفت ۔۔۔ من بدر رفتم سرایم او گرفت
ایں بصر دیں سمع چوں آلات اوست ۔۔۔ بلکہ نورات تنم مرآت ذات اوست
نغمہ از نائیست نے از نے بداں ۔۔۔ مستی از ساقیست نے از شیشہ بداں
چوں مرا دیدی، خدارا دیدۂ ۔۔۔ گرد کعبہ صدق بر گردیدۂ
گفتن من گفتن اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
ما چو مست از دیدن ساقی شدیم ۔۔۔ مست گشتیم، از فنا باقی شدیم

یہ عارف رومی کی مستانہ نغمہ پردازیاں ہی نہیں بلکہ عین ترجمہ ہے

اس مشہور حدیث قدسی کا جس کو امام بخاری کتاب التواضع میں لائے ہیں کہ :-

لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ، حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِہٖ وَ لَئِنْ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ	جب میرا کوئی بندہ بذریعہ نوافل کے مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بناتا ہوں۔ پس جب وہ محبوب بن گیا تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، میرے کان سے سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں میرے پاؤں سے چلتا ہے۔ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں میری زبان سے بولتا ہے وہ جو مانگتا ہے عطا کرتا ہوں اور جب پناہ مانگتا ہے پناہ دیتا ہوں۔

یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ کا یہی مقام ہے اور یہیں پہنچ کر (پیر ہرات) اپنی فریاد ضبط نہ کر سکا اور مضطربانہ چیخ اٹھا کہ "خدایا۔ ایں چہ بوالعجبی است کہ با دوستان خود میکنی؟ تا وقتیکہ ترا می جستیم، خود را یافتیم، اکنوں خود را می جوئیم ترا می یابیم۔"

صحابہ رضی کی جماعت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر محمد ابن عبداللہ

کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر ارشاد الٰہی ہوا کہ وہ ہاتھ ابن عبداللہ کا نہ تھا بلکہ خود اللہ کا تھا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ۔ ۴۸:۱۰

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (۸: ۱۷)

وورآء ذالک فلا اقول، لانہٗ
سر، لسان النطق عنہ اخرس

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

یہ تبلیغ دعوت، لوگوں کے لئے عقل و بصیرت اور موعظۃ و حکمت کا مجموعہ ہے اور جو لوگ اللہ کے احکام پر یقین و ایمان رکھتے ہیں، ان کے لئے سرتاپا ہدایت و رحمت ہے!

وَ اَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ
وَ اَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ
قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ
الْعَذَابُ ثُمَّ

اے وہ لوگو کہ اپنے پروردگار کی نافرمانیوں
میں ڈوبے ہوئے ہو! اس کی طرف رجوع
کرو، اور اس کے حکم کے آگے اپنی گردن
جھکا دو، قبل اس کے کہ تم پر (آخری)

لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَنْ
تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا
فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ! وَاِنْ
كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ!! ۝ اَوْ
تَقُوْلَ: "لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ
لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ اَوْ تَقُوْلَ
حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ: "لَوْ اَنَّ
لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ"
بَلٰى، قَدْ جَاۗءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ
بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ۔

عذاب آ نازل ہو، اور کسی طرف سے تمھیں مدد
نہ مل سکے! اللہ کی طرف سے جو بہترین
احکام و مواعظ بھیجے گئے ہیں ان کی پیروی
کرو، مگر اس وقت الیم سے پہلے، جبکہ
یکایک تم کو آخری ناکامیوں اور نامرادیوں
کا عذاب آگھیرے گا اور تم بالکل بے خبر
ہو گے!! نہ ہو کہ اس وقت حسرت و ندامت
کے ساتھ اس وقت فرصت کو یاد کرو
اور تم میں سے کوئی کہے کہ آہ آہ!! اے صد
حسرت و افسوس میری اس کوتاہی پر،
جو میں نے اپنے پروردگار کے احکام
کی تقدیس و احترام کرنے میں کی! ہائے
افسوس کہ مجھ کو حکم الٰہی سنایا جاتا تھا مگر
میں ان پر تمسخر کرتا تھا! یا کہے کہ "اگر خدا
میری ہدایت فرماتا تو میں بھی آج پرہیزگاروں میں سے ہوتا!" (حالانکہ اسی
اتمام حجت کے لئے آج ہدایت کی صدائے دعوت بلند کی جا رہی ہے) یا پھر
جب وہ آخری العذاب سامنے آموجود ہو، تو اس کو دیکھ کر حسرت سے کہے کہ "اے

کاش مجھ کو کوئی مہلت اور گزرا ہوا وقت پھر دوبارہ مل جاتا، تو میں بھی نیک بن کر نیکوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا!" لیکن اس وقت صدائے الٰہی اٹھیگی کہ ہاں میں نے تو اپنا حکم بھیجا تھا، اور اپنی نشانیاں تجھے دکھلائی تھیں، پر تو نے ان کو جھٹلایا اور ان کے آگے جھکنے کی جگہ مغرور ہو گیا۔ میرے حکموں سے انکار کرنے والوں میں سے تو بھی تھا۔ اب تیرے لئے حسرت و نامرادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا!

مَنْ لم یکن للوصال اهلا فکل طاعاته ذنوب!!

اے وہ لوگو، کہ اپنے غفلت کدوں میں سرشار خواب بے خبری ہو! تمہیں معلوم ہے کہ اس آسمان کے نیچے تمہارے لئے کیسی کیسی بربادیاں اور ہلاکتیں آنے والی ہیں؟ پھر سپاہی کو اپنے بستر سے اٹھنا چاہیئے، اگر طبلِ جنگ کی آواز آنے لگے۔ اور لوگوں کو پانی کی تلاش میں دوڑنا چاہیئے، اگر ان کے گھروں کی دیواروں میں آگ لگ جائے۔ تو اے عزیزان غفلت شعار! وائے سرگشتگان نشۂ بے خبری و خمار! خدارا بتلاؤ کہ میں کیوں تمہارے غفلت کے بستروں کو خالی اور تمہارے پائے عمل میں حرکت نہیں دیکھتا؟

اگر تم اپنی انتہائی بربادی کے منتظر تھے، تو آہ! ثم آہ! کہ اس بربادی کا آخری وقت آ گیا۔ اگر تمہاری خواہش تھی کہ ذلت و نکبت کی انتہا کو اپنی ان

آنکھوں سے، جو تیرہ سو برس سے عزت و عظمت ہی کے نظارۂ وحید کے لئے پیدا ہوئی تھیں، دیکھ لو، تو یٰحَسۡرَتَا عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ! کہ اس کا وقت بھی آگیا، پھر کیا ہے، جس نے تم کو بند ہ ہوا و غفلت میں گرفتار کر دیا ہے؟ اور وہ کونسا قہر الٰہی ہے، جس کا انتظار تمھیں اپنے مرکز غفلت سے ہلنے نہیں دیتا؟

فالوقت ضیق، والخطب شدید، وللاھواء رغبات و للوساس سلطان - فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ؟؟

فکر جان و مال تا چند؟ اور جستجوئے عیش و راحت تا کے؟ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ

وہ زندگی، جس میں اپنی ملت اور اپنے خدائے ملت کا کوئی حصہ نہ ہو، عیش زندگی نہیں، بلکہ ایک لعنت کونین ہے:-

وَمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَهۡوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَـيَوَانُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ! (۲۹:۶۵)

یہ عیش نفس، اور محض فکر جان و مال کی زندگی (جس کی بوجھل زنجیریں تم نے اپنے پاؤں میں ڈال دی ہیں) کیا ہے؟ سوا اس کے کہ ایک لہو و لعب نفسانی ہے (جس کا کوئی اثر دنیا میں باقی رہنے والا نہیں) اور آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے! اگر تم سمجھو اور غور کرو!

کیا تم بھول گئے کہ جس متاع فانی کی خاطر چڑیوں کی طرح آشیانے بناتے اور چارپایوں کی طرح آذوقہ ڈھونڈھتے ہو، وہ بایں ہمہ شورش وکشاکش ایک نہ ایک دن جانے ہی والی ہے، اور تم اس کی خاطر سب کچھ کر سکتے ہو، پھر اُسے روک نہیں سکتے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کونسا سودا ہو سکتا ہے کہ ایک ایسی جانے والی رائیگاں شے کو کسی کی خاطر دیکر مفت کا احسان بھی اس کے سر رکھ دیجئے؟

جاں بجاناں دہ، وگرنہ از تو بستاند اجل!
خود تو منصف باش اے دل، ایں نکو یا آں نکو

لیکن جان دینے کی بھی بہت سی راہیں ہیں۔ تم ہتھیلیوں پر رکھ کر سامنے آؤ تو بتلاؤں کہ اس عنب سے حقیر، مگر سب سے زیادہ کام دینے والی جنس عجیب کے لٹانے کا اصلی طریقہ کیا ہے؟ پھر صرف یہی راہ نہیں ہے کہ اپنے دشمن کی تلوار کے نیچے سروں کو کٹوا دو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اپنے دوست کی تلوار کی نوک سے زخمی ہو۔ زخم کھانا ہی ہے تو دوست ہی کے خنجر سے کیوں نہ تڑپیں؟ زہر کا جام پینا ہی ہے تو محبوب کے ہاتھ سے کیوں نہ پئیں؟ اور جان دینی ہی ہے تو کسی کے سر رکھ کر کیوں نہ دیجئے؟ آیا نہ شنیدی کہ عارف (ابوالخیر) چہ گفت؟

غازی زپئے شہادت اندر تگ و پوست
غافل کہ شہید عشق فاضل تراز دست
در روزِ قیامت ایں ،باآں ، کے ماند
ایں کشتۂ دشمن است، وآں کشتۂ دوست

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (۲۰۷:۲)

اور بعض اللہ کے محبوب بندے ایسے ہیں جو اپنی جان تک کو اللہ کی رضا جوئی کی راہ میں دے دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت محبت و رافت رکھتا ہے!

افسوس کہ اس دور جوش و خروش ، اور بیداری و ہشیاری میں بھی دیکھتا ہوں ، تو میرے دل کی غمگینی اور اضطراب کا سامان کہیں نظر نہیں آتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ یا تو غفلت کی سرشاریاں ہیں ، یا بیداری کی کروٹیں بھی لی ہیں تو آنکھوں سے غفلت دوشیں کا خمار ابھی دور نہیں ہوا ہے خوابِ غفلت کی سرشاری اور چشم نیم باز کی کروٹیں ، یہ تو دو پہلی حالتیں ہیں ، لیکن ان کے بعد ایک تیسرا گروہ بھی نظر آتا ہے ، جو بستر سے تو اٹھ چکا ہے ، مگر منزلِ مقصود کے نشان سے بے خبر ہے پس چلنا بھی چاہتا ہے ، تو خطِ سفر سے نابلد ہے ۔ احرام کعبے کا باندھتا ہے مگر قدموں کو حرم و بتکدے کی تمیز نہیں ۔ حالانکہ اگر منزلِ مقصود کے نشان

ملتا ہے، نو صرف کعبے ہی کی راہ میں مل سکتا ہے، اور وہ کئی نہیں، بلکہ صرف ایک ہی ہے۔

تم اپنے سے باہر انجمنوں کو ڈھونڈتے ہو مگر بدبختی یہ ہے کہ اپنے اندر کی خلوت سے بے خبر ہو گئے ہو۔ اسلام کی حفاظت کے لئے ایک فنڈ قائم کرنا چاہتے ہو، تاکہ اپنی جیب اس کے حوالے کرو، لیکن اس سے بھی مقدم یہ ہے کہ اپنے دلوں کو اس کے سپرد کرو کہ اس کے بعد تم وہ سب کچھ دے سکو گے، جو دنیا چاہتے ہو، پر اس کے بغیر کوئی چیز بھی دے نہیں سکتے!

لیکن میں ایک صدائے مضطر، اور ایک فریاد لرزاں ہوں! میری آواز کبھی نہیں تھک سکتی، کیونکہ میرا خدا اسے تھکانا نہیں چاہتا۔ اور میرے آنسو کبھی نہیں تھم سکتے، کیونکہ مدتوں کے جمع کئے ہوئے سیلاب اشک کو اب بہنا ہے اور بہانا ہے۔ پس جس کے پاس کان ہیں، وہ سن لے، جس کے پاس آنکھیں ہیں، وہ دیکھ لے، اور جس کے پاس دل ہے، وہ جتنا تڑپ سکتا ہے تڑپ لے، کہ آج خدا اور اس کے بندوں میں صلح و جنگ کی آخری ساعت ہے۔ آج روٹھے ہوئے اور اس کے چاہنے والوں میں ہجر و وصال کا آخری معاملہ ہے۔ آج

ہی کسی کا دامن اقبال ہمیشہ کے لئے خالی ہونے والا ہے، اور کسی کی آستین امید ہمیشہ کے لئے مالا مال ہونے والی ہے! آج ہی وہ شب موعود، اور وہ لیلۃ القدر ہے جبکہ محروم ہونے والے محروم ہو جائیں گے اور منانے والے روٹھے ہوئے کو منالیں گے۔ وہ قوموں کے حیات و فنا کی فیصلہ کن گھڑیاں جب کہ ایک کو دائمی مایوسی اور دوسرے کو ہمیشہ کی امید و شادکامی ملے گی، ایک کو دائمی ہجر کا عذاب الیم: مگر دوسرے کو ہمیشہ کی بشارت لطف عمیم کی تقسیم ہوگی، بہت قریب ہے کہ ظاہر ہو جائے، وہ جس نے ایسے ہزاروں برس پہلے ایک ایسے ہی وقت میں (سعیر) کے دامن سے اپنا رشتہ کاٹا اور (فاران) کی چوٹیوں پر اپنا چہرہ دکھلایا تھا، اب پھر وقت آگیا ہے کہ اپنا چہرہ دکھلاتا، اور اپنے مشتاقوں کو ڈھونڈتا ہے۔ اگر تم نہیں دیکھ سکتے تو آنکھوں کو تلاش کرو۔ پر میں دیکھتا ہوں اور مجھے مت جھٹلاؤ۔ اگر تم نہیں سن سکتے تو میرے کانوں سے سنو، پر مجھ سے گردن نہ موڑو کہ دنیا نے تم سے گردن موڑ لی ہے۔ آہ! آہ! ثم آہ عَلٰی مَا فَرَّطْتُمْ فِی جَنْبِ اللّٰہِ اس کی صدائے لایزال ولم یزل، آج اپنے چاہنے والوں سے کچھ کہہ رہی ہے۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ:-

اے وہ لوگو کہ تم نے میرے مقدس رشتہ عشق کے تقدیس

کی تحقیر کی اور میری طرف سے گردن موڑلی! کیا تم بھول گئے کہ تم دنیا میں بے نام ونشان تھے، پر میں نے اپنے نام کی عظمت کے ساتھ تمھارے نام کو بلند کیا۔ تم دنیا میں حقیر و محتاج تھے، پر میں ہی قدوس و ذوالجلال تھا کہ میں نے دنیا کی عظمتوں اور دنیوی کبریائیوں کو تمھارے قدموں پر ڈال دیا تھا۔ تم گمراہ تھے پر میں نے تمھارا ہاتھ پکڑا۔ تم فقیر تھے، پر میں نے خشکیوں اور سمندروں کی حکمرانی تمھیں بخش دی۔ تم جہل و بے خبری کی تاریکی میں تھے، پر میں نے تم کو، پچھلوں کے علم و حکمت کا وارث، اور آنے والوں کے لئے چراغ علم و مدینہ بنایا۔ پھر تم کو کیا ہو گیا کہ تم نے مجھ کو چھوڑ دیا اور میری محبت کے دامن قدس کی تحقیر کی؟ وہ اور کونسا پیکر حسن دلربائی تھا جس کا حسن میرے جمال جہاں آرا پر غالب آگیا، اور میرے حسن کی پرستش چھوڑ کر تم نے اس کی بارگاہ معشوقیت پر پیشانی رکھی؟ وہ میری کائنات عالم میں میرے سوا اور کون تجلی گاہ حسن و رعنائی ہو سکتا ہے جو مجھ سے چھڑا کر تمھیں اپنا مفتوں و شیدا بنا لے سکتا ہے؟ پھر بتلاؤ کہ مجھ سے کٹ کر تم نے کونسا نیا رشتہ کامرانی جوڑا، اور مجھ کو چھوڑ کر کیا تھا جو تمھیں مل گیا؟ تم نے مجھ کو چھوڑا، لیکن پھر کیا میری دنیا کی ہر قوت نے بھی تمھیں نہیں

چھوڑ دیا؟ تم میرے آگے جھک کر پھر مغرور ہو گئے، لیکن کیا یہ
نہیں ہوا کہ تمام دنیا بھی تمھارے آگے مغرور ہو گئی؟ تم نے مجھ
سے صلح نہ کی، پھر کیا نفیں دیکھتے کہ آج تمام دنیا تم سے جنگ کر رہی ہے؟
جب تم میرے آگے نہیں جھکے، تو بتلاؤ کہ میری دنیا کو اپنے آگے
جھکانے کے کیوں آرزومند ہو؟ جب تم مجھ سے پھر گئے تو بتلاؤ
کہ میری دنیا تم سے کیوں نہ پھر جائے! اے نادانوں! اب
بھی مان جاؤ کہ میرا دروازۂ رحمت و بخشش تو کبھی بھی بند نہیں۔
اب بھی مجھ سے صلح کر لو، کہ مجھ سے جنگ جاری رکھ کر تم کبھی بھی
کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دنیا کا ہر دروازہ تم پر بند ہو سکتا ہے
مگر میرا ہی ایک دروازہ ہے، جو صرف کھلنے کے لئے ہے، بند
ہونے کے لئے نہیں ہے۔ تم ہزاروں مرتبہ اس دروازے سے
بھاگو، پھر بھی وہ تمھاری آمد کا منتظر ہے!!

باز آ، باز آ، ہر آنچہ کردی، باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی، باز آ!
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ!

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ

اے میرے بندو، کہ تم نے میری نافرمانیاں
کر کے طرح طرح کے ظلم خود اپنی جان
اور اپنی زندگی پر لئے ہیں، گو وہ

جَمِيْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (۳۹:۵۵) کتنے ہی سخت اور غضب انگیز ہوں، تاہم اپنے پروردگار کریم کی رحمت درافت سے مایوس نہ ہو!! توبہ کرو اور اس کے آگے جھک جاؤ! وہ تمہارے تمام قصوروں کو معاف کر دے گا۔ وہ تو بہت ہی بڑا بخشش دینے والا اور مہربان ہے!

اے عزیزان ملت! میں کیونکر تمھیں اپنے دل کے خونچکاں ٹکڑے دکھلا دوں، جن کے ہر ٹکڑے میں زخموں اور ناسوروں کے ہزاروں نشان ہیں! اور پھر میں کیونکر اپنا دل تمہارے پہلو میں رکھ دوں کہ تم اس صدائے الٰہی کو نہیں سنتے، پر میں سنتا ہوں اور کانٹوں پر لوٹتا اور آگ کے شعلوں میں تڑپتا ہوں۔ تم میری آواز سن سکتے ہو، پر اس سوزش و اضطراب کے آتشکدے کو تو نہیں دیکھ سکتے، جو میرے اندر سلگ رہا ہے، اور جس کے شعلے اب اس قدر بھڑک اٹھے ہیں کہ میں ان کے دھوئیں کو نہیں دبا سکتا۔

میں راتوں کو بستر پر لیٹتا، اور دن کو کاموں میں سرگرم رہتا ہوں لیکن مجھ کو میرا گم شدہ دل نہیں ملتا ہے، اور میرے کان میرے قبضے میں نہیں رہتے!!

آج کل کی گرمیوں کی راتوں میں، جبکہ ایک عالم رات کو ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لوٹتا اور خواب نوشیں کی راحت فرمائیوں میں مست و بے خبر ہوتا ہے، جبکہ ابتدائی نصف رات کی چہل پہل ختم ہو جاتی، اور

پچھلے پہر کا مقدس اور لاہوتی وقت شروع ہوتا ہے، تو میں اس وقت اپنے غم کدے کے ایک کنج باغ کی سنسان اور فکر پرور تنہائی میں، عیش خواب سے مہجور، اور راحت بالش دلبتر سے محروم پڑا ہوتا ہوں۔ پھر تم یقین کرو کہ میں اس کو دیکھتا ہوں، جس کی روشنی بجلی کی طرح شعلہ آسا، لیکن بجلی کی طرح نظروں کو خیرہ کرنے والی نہیں ہوتی۔ میرے کانوں میں اس کی ایک صدائے سامعہ نواز و نغمہ آسا آتی ہے، جو دریاؤں کی آہستہ روانی سے مشابہ، یا کسی دور کی صدائے ارغنوں کے مانند ہوتی ہے۔

میں ایک پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں، جس کی نسبت نہیں کہہ سکتا کہ وہ اوپر ہے، پر مجھے خیال ہوتا ہے کہ اوپر ہے جب کہ وہ کہتا ہے کہ:۔

ھل من تائب فاتوب علیہ؟	آج کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس
ھل من مستغفر فاغفر لہٗ؟	کی توبہ کو قبول کروں؟ کوئی طالب مغفرت
ھل من سائل فاعطیہ؟ یا طالب	ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کوئی مجھ سے
الخیر اقبل! و یا طالب الشر اقصر!	مانگنے والا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟

ہاں کوئی ہر طرف سے کٹ کر میری طرف آنے والا ہے کہ میں اسے آغوش میں لے لوں؟ کوئی میرے آگے تڑپنے والا ہے کہ میں اُسے تسکین دوں؟ کوئی میرے آگے خاک اضطراب و انابت پر لوٹنے والا ہے

کہ میں اسے اپنی گود میں اٹھالوں؟ یعنی کوئی ہے کہ میرا بن جانے والا ہو، اور میں بھی اس کا ہو جاؤں؟ اور کوئی ہے جو مجھے پیار کرنے والا ہو، تاکہ میں بھی اسے پیار کروں؟ پھر وہ کہاں ہیں جو مجھے ڈھونڈھنے والے ہیں اور وہ کیوں نہیں دوڑتے جو میرے لئے تشنہ ہیں؟ میں ان کے لئے جو کہ پیاسے ہیں، پانی ہوں، اور ان کے لئے جو مایوسی سے تھک گئے ہیں امید ہوں! اگر تم زخم ہو تو میری طرف آؤ کہ میں مرہم ہوں اور اگر تم بیمار ہو تو مجھ کو ڈھونڈو کہ صرف میں ہی شفا ہوں! تم کیوں غیروں کی ٹھوکریں کھاتے ہو، اور میری آغوشِ محبت سے بھاگتے ہو؟ حالانکہ میں تو وہ ہوں کہ اگر تم ایک بالشت میری طرف بڑھو تو میں ایک ہاتھ آگے بڑھ کر تم سے ملوں اگر تم ایک ہاتھ میری طرف آؤ تو میں ایک گز آگے بڑھ کر استقبال کروں اور اگر تم چل کر میری طرف آؤ تو میں دوڑ کر تمھاری طرف آؤں! اگر تم میرے ملنے کو محبوب رکھو گے تو یاد رکھو کہ میں بھی تم سے ملنے کو محبوب رکھوں گا اور اگر تم مجھ سے پھر جاؤ گے تو میں بھی تم سے پھر جاؤں گا۔" اے طالبِ خیر! تو کہاں ہے کہ میں تجھے پکار رہا ہوں؟ جلدی کر، جلدی کر کہ یہی مانگنے کا وقت ہے۔ اور اے شر کے پیچھے اپنے تئیں نادانی سے کھونے والو! اب بھی باز آجاؤ اور کمی کرو کہ یہی وقت ہے، اور یہی وقت ہے، اور صرف یہی وقت ہے کہ میں تم کو بچا لوں!"

با گنہگاراں بگویم تا نیند از در دل من وفائے دوست را در بیوفائی یافتم!

پس اے اخوان عزیز! اس آواز کو سنو اور اگر نہیں سنتے تو میری ترجمانی کو مت جھٹلاؤ کہ میں سو رہا تھا لیکن اس نے مجھ کو نیند سے جگا دیا۔ نہ ہو کہ غفلت سے چونک کر بھی غفلت ہی میں رہو اور بستر سے اٹھو بھی تو بستر کی جگہ راہ میں سو جاؤ۔ اس شخص کی غفلت میں جو بستر پر پڑا ہو، اور اس میں جو ہشیاروں کی طرح چل کر غلط راستوں میں پھنس کر رہ گیا ہو، کوئی فرق نہیں یہ تمھارا آج کل کا اضطراب مبارک ہے۔ یہ تمھاری جستجوئے مقصود ایک رحمت الٰہی ہے۔ یہ تمھاری آمادگی اور مستعدی امید کا فرشتہ، اور رحمت کا پیغام ہے مگر میری سنو اور اللہ کی پکار کی طرف سے غفلت نہ کرو۔ اگر سنبھلنا چاہتے ہو تو ایک ہی ہاتھ ہے جو تمھیں سنبھال سکتا ہے۔

اصلی اور ایک ہی وسیلۂ فوز و فلاح (اے دنیا میں تبدیلی چاہنے والو!) یہ ہے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو، اور احکام الٰہی کے اعتقاد و عمل کا عہد واثق کر کے اٹھ کھڑے ہو۔ توبہ کرو توبہ کرو کہ تمھارے تمام دکھ کی دوا صرف توبہ ہی ہے۔ خدا کے آگے جھکو اور اس کو پیار کرو! اس کو اپنے سے مناؤ کہ جب تک دوست کو اپنے سے راضی نہ کر لوگے، خواہ کتنی ہی محنت و مشقت کرو، لیکن کبھی مقبول نہ ہوگی۔ واللہ درما قال

لم یکن للوصال اھلا ٭ فکل طاعات ذنوب

میں جب تھا پر اب اٹھا ہوں کہ جو سن رہا ہوں، تم کو بھی سناؤں۔ آؤ کہ ہم سب مل کر اس کے دروازے پر جھکیں اور ایک مخلص و مجاہد"

جماعت الٰہی بن کر صرف اسی کے ہو جائیں اسی کی دعوت ہے جس کی طرف بلاتا ہوں اور صرف یہی میری بقیہ زندگی کا مقصد اور وظیفہ، اور غایت جدوجہد و عمل ہے، جس کے لئے خدا سے استقامت کا طلب گار ہوں پس مبارک ہیں وہ جو میری سنیں اور خدا کی طرف بڑھیں اور آخرت کی کامیابی انھیں کے لئے ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (۳۹:۲)

افسانۂ ہجر و وصال

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ؟ کیا مسلمانوں کے لئے ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے کلمۂ حق کے لئے ان کے اندر درد اور شکستگی پیدا ہو، اور وہ اپنے پروردگار کے آگے جھک جائیں؟

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ   بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

کیا دنیا میں جس طرح بہار و خزاں کے موسم آتے، ربیع و خریف کی ہوائیں چلتیں، اور جاڑے اور گرمیوں کا سورج بدلتا ہے، اسی طرح دلوں کی شورشوں کا بھی کوئی موسم ہے؟ روحوں کی بے قراری کی بھی کوئی فصل ہے؟ دیوانگی اور سراسیمگی کا بھی کوئی وقت ہے جس کی ہوائیں چلتی ہیں اور جن کی

بادل نمودار ہوتے ہیں؟ میں نہیں جانتا کہ ایسا ہو مگر میں پاتا ہوں کہ میرے دل کی دیوانگی ٹھہر ٹھہر کے اٹھتی اور میری روح کی شورش گزر گزر کے لوٹتی ہے میں کچھ عرصے سے اس دریا کی مانند جو اتر گیا ہو، چپ تھا لیکن آج اس سمندر کی مانند جس کی تہ سے موجیں جوش مار رہی ہوں، بھرا آہوں سے بھر گیا ہوں فریادوں سے معمور ہو گیا ہوں، شورشوں سے لبریز ہوں، اور دیوانگیوں کے سرجوش سے میرا ساغرِ ضبط چھلک گیا ہے۔ آج مجھے پھر اس خاک کی تلاش ہے جس کو اپنے سر و چہرے پر اڑا سکوں، پھر ان کانٹوں کی جستجو ہے جن کو اپنے دل و جگر چبھو سکوں۔ میں دیوانوں کا متلاشی ہوں اور مجھے بیماروں کی بستی کی ضرورت ہے۔ میں ہوشیاری سے اکتا گیا اور تندرستی نے مجھ عاجز کر دیا۔ آہ میں چاہتا ہوں کہ جی بھر کے روؤں اور جس قدر چیخ چیخ کے نالہ و فریاد کر سکتا ہوں کرتا رہوں۔ میری چیخیں تمھارے عیش و نشاط کو مکدر کر دیں، میرا نالہ و بکا تمھارے عیش کدوں کو ماتم کدہ غم بنا دے، میری آہوں سے تمھارے دلوں میں ناسور پڑ جائیں، میری شورش سے تمھارے چہروں کی مسکراہٹ معدوم ہو جائے۔ میں تم کو غم و ماتم سے بھر دوں میں تم کو درد و حسرت کا پتلا بنا دوں۔ تمھاری آنکھیں ندیوں کی طرح بہ جائیں، تمھارا دل تنور کی طرح بھڑک اٹھے، تمھاری زبانیں دیوانوں کی طرح چیخ اٹھیں، اور تمھاری غفلت عیش اور بیدردی نشاط کی وہ بستی جو مدتوں سے برابر آباد چلی آتی ہے، اس طرح اجڑ جائے کہ پھر کبھی آباد

نہ ہو۔

روئے بازار مراد امروز عرفی بانمست   دیدۂ تر می فرو شم دامن تر می خرم

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی نیند اگر موت کی نیند نہ ہو، تو کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہوتی ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ سونے والا کبھی نہ جاگے۔ پھر بعضوں کی نیند ایسی ہوتی ہے کہ اک ذراسی آواز ان کو جگا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ بعض کی ان سے سخت ہوتی ہے تو ان کے لئے چیخنے اور شور مچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض ان سے بھی زیادہ غفلت کی نیند سونے والے ہوتے ہیں تو ان کو جھنجھوڑنے اور ہلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر سونے والے کے جاگ اٹھنے کے لئے یہ بھی بیکار ہو تو پھر ایسا تو کبھی بھی نہیں ہو سکتا کہ بھونچال آجائے، آتش فشاں پہاڑ پھٹ اٹھیں، پہاڑوں کے ٹکرانے کے دھماکوں سے کان کے پردے ریزہ ریزہ ہو جائیں اور پھر بھی نیند کے متوالے آنکھیں نہ کھولیں۔

سو یقین کرو کہ خدا کا بھی اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہی حال ہے۔ اس کی صدائیں اٹھتی ہیں تاکہ غفلت کے سرشار آنکھیں کھولیں۔ اگر اب بھی وہ کروٹ نہیں لیتے، تو ہر طرف شور و غل مچنے لگتا ہے تاکہ سونے والوں کی نیند ٹوٹے۔ اگر اس پر بھی نیند نہیں ٹوٹتی تو ہاتھ نمودار ہوتے ہیں اور وہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کے اٹھاتے ہیں کہ صبح آگئی اور آفتاب کی کرنیں

دیواروں سے اتر کر صحنوں اور میدانوں میں پھیل گئیں اب بھی اٹھ جاؤ اور اس دن کو اپنے ہاتھ سے نہ کھو دو، جو جا کر پھر واپس نہیں آئے گا۔ لیکن آہ! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان جھنجھوڑنے پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور نیند کے متوالے کروٹ نہیں لیتے تو پھر دھماکے ہوتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، زمینیں پھٹنے لگتی ہیں، پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں، اور صداؤں اور آوازوں کی ہولناکیوں سے تمام دنیا بھر جاتی ہے۔ سو یہ بھی سب کچھ اسی لئے ہوتا ہے تاکہ کسی طرح انسان جاگے اور اب بھی آنکھیں کھول دے۔ اگر اس پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں تو پھر خدا کا فرشتہ پکار اٹھتا ہے کہ:-

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا	یہ زندوں کی آبادی نہیں بلکہ مردوں کی
يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ	بستی ہے وہ اٹھنے اور اٹھائے جانے کی

گھڑی سے بالکل غافل پڑے ہیں۔

پس تنبیہہ اور ہوشیاری کی تمام تدبیریں ہو چکیں اور ایک سوئے ہوئے کو جگانے کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا ہے، وہ سب کچھ کیا جا چکا، پر افسوس کہ تمہاری آنکھیں اب تک بند ہیں، تمہاری غفلت کا نشہ کسی طرح نہیں اترتا، اور تمہاری موت کی نیند کسی طرح بھی نہیں ٹوٹتی۔ دنیا میں انسان کے لئے عقل و بصیرت ہے، عقلا کی دانائیاں ہیں، ہادیوں کی ہدایتیں ہیں، واعظوں کے وعظ ہیں، خدا کے مقدس نوشتے ہیں، اور رسولوں کی

بتلائی ہوئی تعلیمات ہیں، پھر حوادث و تغیرات ہیں، انقلابات و تبدلات ہیں، آثار و علائم ہیں، استنباط و استشہاد ہے، لیکن آہ، وہ قوم جس کی غفلت کے لئے یہ سب کچھ بیکار ہے! نہ تو دنیا کے گزرے ہوئے واقعات میں اس کے لئے کوئی اثر ہے نہ حال کے حوادث و تغیرات میں اس کے لئے کوئی پیغام ہے، نہ اللہ کے کلام سے ڈرتی اور کانپتی ہے، اور نہ بندوں کی ہدایتوں سے عبرت پکڑتی ہے:-

مَا يَأْتِيهِم مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۔ (۶:۴)	اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی بھی ایسی نہ آئی جس کو دیکھ کر انھوں نے عبرت پکڑی ہو اور غفلت و سرکشی سے باز آگئے ہوں۔

بلکہ بسا اوقات ایسا نظر آتا ہے کہ جس قدر عبرت کی صدائیں جگانا چاہتی ہیں، اتنی ہی اس کی نیند زیادہ گہری ہوتی جاتی ہے:-

وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ۔ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۔ (۵۵:۴)	اور بلاشبہ ان کے پاس ایسی خبریں آچکی ہیں جن میں بڑی ہی تنبیہہ اور ہشیاری ہے اور بہت ہی بڑی گہری حکمت و دانائی، پر افسوس کہ حوادث و انقلاب کی یہ ڈراونی ہدایت بھی ان کی بیداری کے لئے کافی نہ ہوئی۔

دنیا سب سے پہلے انسان کے آگے تاریخ یعنی دنیا کے گزرے ہوئے واقعات آتے ہیں، اور انہی سے انسان تجربہ کی دانائی اور بصیرت حاصل کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے واقعات ظاہر ہوئے ایک ہی طرح کے اعلانات کئے گئے، ایک ہی طرح کی حالتیں طاری ہوئیں، اور ایک ہی طرح کے نتیجے نکلے۔ پس تجربہ اور استقرار اسے بتلا دیتا ہے کہ اب بھی ہمیشہ جب کبھی ویسی حالتیں پیدا ہوں گی تو ویسے ہی نتائج نکلیں گے اور اگر آگ کے شعلوں نے ہمیشہ انسان کے جسم کو دکھ دیا ہے تو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ آگ کے شعلوں میں کود کر کوئی ٹھنڈک پائے۔

سو اگر تمھاری نیند سونے والوں کی نیند ہوتی، بے روح لاش کی نیند نہ ہوتی تو تمھارے جاگنے کے لئے تاریخ کی آواز بس کرتی تھی تمھارے آگے نوع بشری کی پوری تاریخ موجود ہے، ہزاروں ملکوں اور قوموں کے تجربے موجود ہیں، ہزاروں آثار و اطلال ہیں اور زمین کے صدہا گوشے گزرے ہوؤں کی عمارتوں سے اور مٹے ہوؤں کے کھنڈروں سے رکے ہوئے ہیں، تو تم ان سب کے پاس جاؤ اور ان سب سے پوچھ دیکھو کہ دنیا میں کوئی قوم بھی معصیت کرکے زندہ رہی ہے اور انسانوں کا کوئی گروہ بھی خدا سے بھاگ کر بچ سکا ہے؟ کبھی ایسا ہوا ہے کہ خدا کے قانون پر چل کر قومیں تباہ ہوئی ہوں، اور اس کے

قانون کو توڑ کے انھوں نے خوشحالی اور ہمیشگی پائی ہو؟

اقوام کو چھوڑ دو اور افراد کو تلاش کرو۔ جب سے زمین بنی ہے آج تک ایک انسان بھی اس کی گود میں ایسا پلا ہے جس نے غفلت و اعراض کر کے زندگی پائی ہو، اور خدا کے قانون کو توڑ کر خوشحالی و مراد حاصل کی ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ تم زہر کھا رہے ہو اور امیدوار ہو کہ تمھیں زندگی ملے۔ اور تم نے شیروں کے بھٹ کی راہ اختیار کی ہے اور سمجھتے ہو کہ انسانوں کی آبادی میں تم پہنچ جاؤ گے؟

اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۔

کیا انھوں نے ان لوگوں کا حال نہیں سنا جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں، مثلاً قوم نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیم، اصحابِ مدین، اور وہ لوگ جن کی بستیاں الٹ دی گئیں؟ ان سب کے پاس اللہ کے رسول آئے اور راہِ حق کی نشانیاں انھیں دکھلائیں لیکن انھوں نے بدعملیوں کی راہ اختیار کی اور اس کی پاداش میں مٹا دیے گئے۔ سو اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا مگر ان بدبختوں نے خود ہی اپنی ہلاکت چاہی!

اگر گزرے ہوئے واقعات و حوادث میں بھی تمھارے لئے کوئی

آواز نہیں، تو پھر خود تمھاری آنکھوں کے سامنے گزرنے والے حوادث و تغیرات ہیں اور ان کی زبان سب سے زیادہ چیخنے والی اور سب سے زیادہ دلوں کے اندر گھر کر جانے والی ہے:۔

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ؟

کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی برس ایسا نہیں گزرتا کہ ایک بار یا دو بار وہ بلاؤں میں نہ ڈالے جاتے ہوں پھر بھی ان کی غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ مصیبتوں سے نصیحت پکڑتے ہیں!

اور اگر وہ تمام حوادث و تغیرات جن سے تمھاری زندگی کا ہر سال اور ہر ماہ بلکہ ہر طلوع و غروب معمور تھا، تمھارے سمجھنے اور بیدار ہو جانے کے لئے کافی نہ تھے تو آہ، کیا خدائے قدوس کی وہ سب سے آخری کڑک اور اس کے قانون تعذیب اُمم کی وہ سب سے زیادہ کپکپا دینے والی اور عقلوں اور ہوشوں کو مبہوت کر دینے والی گرج بھی تمھیں نہیں جگائی جس کے زلزلہ انگیز دھماکوں سے پہاڑوں کی چوٹیاں ہل گئیں۔ اور قریب ہے کہ زمین دھنس جائے اور سمندروں سے مچھلیاں رونے اور ماتم کرنے کے لئے ابھر آئیں؟

كَلَّا وَالْقَمَرِ، وَاللَّيْلِ إِذْ ا

بیشک چاند جبکہ نکل آیا، رات جبکہ ختم

إِذْ أَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝
إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيرًا
لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ
أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝
(۷۴ : ۳۷)

ہو گئی، اور دن جبکہ روشن ہو گیا، کہ یہ حادثہ بڑے بڑے انقلابات میں سے ایک بڑا ہی انقلاب ہے۔ اور غافل انسان کو غفلتوں کی پاداش سے سخت ڈرانے والا ہے، تو تم میں سے جو بڑھنا چاہے اس کے لئے اب بڑھنا ہے، اور جو پیچھے ہٹنا چاہے اس کے لئے غافل رہ کر تباہ ہونا!

پھر اگر تم اس لئے نہیں اٹھتے تھے کہ جب تک زلزلے نہ آئیں گے نہیں اٹھو گے، اور جب تک آتش فشاں پہاڑ نہیں پھٹیں گے آنکھ نہیں کھولو گے اور جب تک پہاڑوں کی چوٹیوں اور سمندروں کی موجوں کے اندر سے چیخ نہ اٹھے گی کانوں کو نہیں کھولو گے، تو آہ، یہ کیا ہے کہ زلزلے بھی آ چکے اور تم نے کروٹ نہ لی؟ آتش فشانیوں کی ہولناکیوں سے زمین چیخ اٹھی، اس پر بھی تم خبردار نہ ہوئے؟ اب اور کس بات کے منتظر ہو اور کیا چاہتے ہو کہ آسمان پھٹ جائے اور آفتاب کے پرزے پرزے ہو جائیں اور کرۂ ارضی دھواں بن کر اڑ جائے؟

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ
أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ

پھر کیا لوگ آخری فیصلہ کر دینے والی گھڑی کے منتظر ہیں کہ اچانک ان پر نازل ہو

اَشْرَاطُھَا، فَاَنّٰی لَھُمْ اِذَا جَآءَتْھُمْ ذِکْرٰھُمْ ؟ (سورۂ محمد) : سو اگر اسی کا انتظار ہے تو اس کی نشانیاں تو آچکیں۔ اور جب وہ گھڑی خود آجائیگی تو اس وقت ان کے لئے کیا ہوگا؟

آفتاب کو ہمیشہ اس کی کرنوں میں دیکھا جاتا ہے اور دھوئیں کو دیکھ کر مسافر پالیتا ہے کہ آگ جل رہی ہے، اسی طرح خدا کا جلال بھی ہمیشہ اپنی نشانیوں اور آیتوں کے اندر سے دیکھا گیا ہے، اور ہمیشہ اس نے اپنے آفتاب جمال کی چمک بدلیوں کے نقاب میں دکھلائی ہے۔ پس وہ جو ہمیشہ آیا تھا اور جس نے ہمیشہ مغرور و غافل انسان کو ماننے اور قبول کر لینے کے لئے مجبور کر دیا تھا، آج بھی آگیا اور آنکھیں رکھنے والوں کے لئے اس نے اپنے چہرے پر سے اچانک نقاب الٹ دی۔ پھر اگر اب بھی تم نہیں دیکھتے اور اب بھی تم اس کے آگے جھکنے کے لئے نہیں گر جاتے، تو شاید تم منتظر ہو کہ وہ انسانوں کی طرح تمھارے سامنے آکر کھڑا ہو جائے اور سورج کی کرنوں کے تخت پر بیٹھ کر آسمان سے اس طرح اتر پڑے کہ تم اپنی انگلیوں سے ٹٹول کر اس کو چھو لو، اور اپنے کانوں کو اس کے منہ سے لگا دو تاکہ وہ آوازوں اور حرفوں کے اندر بول دے کہ میں خدائے تمہارا ہوں، اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوں، اسی طرح اب بھی موجود ہوں، مجھے مان لو اور مجھ سے انکار نہ کرو:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (۲۴:۲۵)

ان لوگوں نے کہ خدا کے لقاء کی امید نہیں رکھتے کہا:- اگر جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے تو کیوں نہیں ہم پر فرشتے اتارے گئے اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہمارا پروردگار آسمان سے اتر آتا اور ہم اسے دیکھ لیتے؟

سو اگر واقعی اسی کے منتظر ہو تو تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمھارا انتظار کبھی ختم نہ ہوگا، یہاں تک کہ خدا کی جگہ اس کا آخری عذاب اترے گا اور تم کو دردناکیوں اور سوختیوں کی بشارت دے گا۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (۲۳:۲۵)

جس دن اللہ کے فرشتے نظر آئیں گے تو اس دن مجرموں کے لئے کوئی بشارت نہ ہوگی کہ وہ صالحوں کی طرح اس کا انتظار کریں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور ہمیشہ اس دن کے منتظر رہنے والوں نے اپنے انتظار کا ایسا ہی جواب پایا ہے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ؟ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (۱۰۲:۱۰)

پس کیا یہ لوگ بھی ویسے ہی دنوں کے منتظر ہیں جیسے ان سے پہلے قوموں پر آچکے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو کہدو کہ اچھا انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!

آنکھیں دیکھنے کے لئے ہیں، کان سننے کے لئے ہیں، اور دل پہلو میں رکھا گیا ہے تاکہ تڑپے اور بیقرار ہو لیکن وہ سب کچھ تمھارے لئے بے کار ہو گیا ہے جس کو آنکھ دیکھتی ہے؛ اور وہ سب آوازیں بے اثر ہو گئی ہیں جو کانوں سے سنائی دیتی ہیں، اور وہ تمام فکریں اور عبرتیں ڈوب گئی ہیں جن سے دل تڑپتے اور روحیں بیقرار ہوتی ہیں۔ پس جو کچھ کیا جائے لاحاصل ہے، اور جو کچھ کہا جائے بیکار ہے؟ آہ، تم غافل ہو گئے ہو، تم پر موت کا نتیجہ چل گیا ہے؛ تم گمراہی کے قبضے میں آ گئے؛ تمھارے احساس فنا ہو کر اور تمھارے دل کی دانائی میٹ دی گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایسا تھا کہ اندھے بینا ہو جاتے؛ لنگڑے چلنے لگتے؛ گونگوں کی چیخ سے دنیا ہل جاتی؛ اور لولوں کے ہاتھ شیروں کے پنجوں کی طرح طاقتور ہو جاتے۔ آہ، تمھاری غفلت سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوئی، اور تمھاری نیند کی سنگینی کے آگے پتھروں کے دل چھوٹ گئے۔ آہ، تم ایسے نہ تھے، پھر تم ان لوگوں کی طرح کیوں ہو گئے، جن کے لئے خدا کا رسول ماتم کرتا تھا؟

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ

ان کے پاس دل ہیں مگر سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں، وہ مثل

بِمَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (۷:۱۷۸)

چارپایوں کے ہو گئے بلکہ ان سے بھی بدتر، اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔

آہ، کوئی نہیں سب گمراہ ہو گئے، سب نکمے نکلے، سب غافل ہو گئے، سب پر نیند کی موت چھا گئی، سب نے ایک ہی طرح کی ہلاکت پالی لی، سب ایک ہی طرح کی تباہیوں پر ٹوٹے، سب نے خدا کو چھوڑ دیا، سب نے اس کے عشق سے منہ موڑ لیا، سب نے اس کے رشتے کو بٹہ لگایا، سب غیروں کے ہو گئے، سب نے غیروں کی چوکھٹوں کی گرد چاٹی، اور سب نے ایک سا قدم کر گندگیوں اور ناپاکیوں سے پیار کیا۔ آہ! سب نے عہد باندھا کہ ہم ایک ہی وقت میں گمراہ ہو جائیں گے اور سب نے قسم کھائی کہ ہم ایک ہی وقت میں خدا کی پکار سے بھاگیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

. . . .

. . . . آہ! سب اس سے بھاگ گئے

سب نے اس سے غول در غول بن کر بیوفائی کی! کوئی نہیں جو اس کے لئے روئے، کوئی نہیں جو اس کے عشق میں آہ و نالہ کرے۔ اس کی محبت کی بستیاں اجڑ گئیں، اس کے عشق اور پیار کے گھرانے مٹ گئے، اس کے گلہ کا کوئی رکھوالا نہ رہا، اور اس کے کھیتوں کی حفاظت کے لئے کوئی

آنکھ نہ جاگی۔ سب شیطان کے پیچھے دوڑے ، سب نے ابلیس کے ساتھ عاشقی کی ، اور سب نے بدکار عورتوں کی طرح اپنی آشنائی کے لئے اسے پکارا۔ پھر اس پر قیامت یہ ہے کہ کسی کو ندامت نہیں ، کسی کا سر شرمندگی سے نہیں جھکتا ، کسی کے گلے سے توبہ وانابت کی آواز نہیں نکلتی ، کسی کی پیشانی میں سجدہ کے لئے بیقراری نہیں ، کوئی نہیں جو روٹھے ہوئے کو منانے کے لئے دوڑ جائے اور کوئی نہیں جو اپنی بدحالیوں اور ہلاکتوں پر پھوٹ پھوٹ کر آہ وزاری کرے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ (۲۳ : ۷۶)

ہم نے انھیں عذاب کی تکلیفوں میں مبتلا بھی کر دیا پھر بھی اپنے خدا کے آگے نہ جھکے اور ان میں شکستگی اور عاجزی پیدا نہ ہوئی۔

آہ ! میں کیا کروں ، اور کہاں جاؤں ، اور کس طرح تمھارے دلوں کے اندر اتر جاؤں ، اور یہ کس طرح ہو کہ تمھاری روحیں پلٹ جائیں ، اور تمھاری غفلت مر جائے۔ یہ کیا ہو گیا ہے کہ تم پاگلوں سے بھی بدتر ہو گئے ہو ، اور شراب کے متوالے تم سے زیادہ عقلمند ہیں۔ تم کیوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو ، اور کیوں تمھاری عقلوں پر ایسا طاعون چھا گیا ہے کہ سب کچھ کہتے اور سمجھتے ہو پر نہ تو راستبازی کی راہ تمھارے

آگے کھلتی ہے، اور نہ گمراہیوں کے نقش قدم کو چھوڑتے ہو:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا؟ (۴۷: ۲۵)
کیا یہ لوگ قرآن کی آیتوں پر غور نہیں کرتے یا ایسا ہوا ہے کہ ان کے دلوں پر قفل پڑھ گئے ہیں؟

کیا تم وہ ہو جن کے لئے کہا گیا کہ:۔

وَ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (۱۷: ۴۸)
اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں کہ فکر کی آنکھ بیکار ہو گئی اور ان کے کان بہرے ہو گئے ہیں!

آہ! تم کو معلوم ہے کہ خدا کا قانون کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اس کی سنتہ اللہ کبھی انسانوں کی کسی کبھیڑ کے لئے بدل نہ جائے گی۔ اس کا یہ قانون ہے کہ آگ جلاتی ہے اور زہر کھانے سے آدمی مرجاتا ہے، اور اسی طرح غفلت و معصیت ہلاکت لاتی ہے اور خدا کی نافرمانیوں سے عذابوں اور دردناکیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے، اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا:۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝ (۳۳: ۶۲)
یہ اللہ کا قانون ہے جس کے مطابق تمام گزری ہوئی قوموں سے سلوک ہوا اور اللہ کے قانون میں تم کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے!

پس میں آج سب کچھ چھوڑ کے تم سے ایک ہی آخری بات کہنی چاہتا ہوں، اور یقین کرو کہ اس کے سوا جو کچھ کہا جاتا ہے اگر وہ اس بات کے لئے نہیں کہا جاتا تو سب کچھ بیکار ہے۔ اور اس میں تمہارے لئے کوئی برکت و امن نہیں۔ سو یاد رکھو اور ماننے کے لئے جھک جاؤ کہ تمہاری زندگی کا ہر عمل بیکار ہے، اور تمہاری فکروں کی ہر فکر گمراہی و ضلالت ہے۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی راہ نجات ہے اور بغیر اس کے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ تم جب تک اس پہلی منزل سے نہ گزر و گے، اس وقت تک خدا کا قہر تم پر سے ٹھنڈا نہ ہوگا، اور تم کبھی مراد اور خوشحالی نہ پاؤ گے۔ تمہارے سفر عمل کا پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کرو، توبہ کرو، اپنی تمام قوتوں اور تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کے آگے جھک جاؤ، اس کی سرکشی اور بغاوت چھوڑ دو، اس کے عشق اور محبت کو اس قدر پیو کہ بدمست ہو جاؤ، اور اس کے آگے اس طرح گرو، اور اس طرح روؤ اور اس قدر تڑپو کہ اسے تم پر پیار آجائے اور وہ تمہیں پہلے کی طرح پھر اپنی گود میں اٹھا لے، اور سب کچھ تمہیں کو دے دے، جس طرح کہ سب کچھ تمہیں کو اس نے بخش دیا تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ

مسلمانوں اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ تو اللہ تمام دنیا میں تمہارے لئے

يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ — ایک امتیاز اور سربلندی پیدا کردے گا، نیز تمھاری تمام برائیوں کو دور کردے گا اور تمھیں بخش دے گا، تم اس کے آگے کیوں نہیں جھک جاتے وہ تو بڑا ہی فضل وکرم کرنے والا ہے۔

تم نے غفلت کو خوب آزما لیا، تم نے نافرمانیوں کی صدیوں تک کڑواہٹ چکھ لی، تم نے گناہ اور معصیت کے پھل سے اچھی طرح اپنے دامن بھر لئے، تم نے دیکھ لیا کہ ایک خدا کی چوکھٹ سے تم نے سرکشی کی اور کس طرح ساری دنیا تم سے سرکش ہوگئی اور ایک اس کے روٹھنے سے کس طرح تمام دنیا تم سے روٹھ گئی؟ پس مان جاؤ اور اب بھی باز آجاؤ گناہوں کو آزما چکے، آؤ تقویٰ اور راستبازی کو بھی آزمالیں۔ سرکشیوں کو چکھ چکے آؤ اطاعت کا بھی مزہ دیکھ لیں۔ غیروں سے رشتہ جوڑ کے تجربہ کر چکے، آؤ اسی ایک سے پھر کیوں نہ جڑ جائیں جس سے کٹ کر ذلتوں اور خواریوں، ٹھوکروں اور راندگیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا:۔

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ! — پھر کیا ہے کہ اب بھی تم اللہ کے آگے نہیں جھکتے، اور توبہ واستغفار نہیں کرتے حالانکہ اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحمت فرما ہے۔

تمھارے خدا نے تمھارے ساتھ کونسی برائی کی تھی کہ تم نے اسے چھوڑ دیا اور اسے چھوڑ کے کونسی دولت نعمت ہے جو تمھیں ہاتھ آگئی؟ خدا سے بڑھ کر وہ اور کون حسین ہے جس کے حسن نے تم کو خدا سے چھین لیا اور اس سے بڑھ کر کس کے پاس محبت اور پیار ہے جس کی زنجیریں تمھارے پاؤں میں پڑ گئیں؟ تم غیروں کے پاس جاتے ہو تاکہ ٹھوکریں کھاؤ، پر خدا کے پاس نہیں دوڑتے تاکہ وہ تمھیں پیار کرے؟ اگر تم محبت کے بھوکے ہو تو الرحمٰن الرحیم سے بڑھ کر اور کون ہے جس کے عشق میں اسے چھوڑ رہے ہو؟ اگر تم رزق کے بھوکے ہو تو رب العالمین سے بڑھ کر اور کون ہے جس کے خزانوں کے لالچ نے تم کو متوالا کر دیا ہے؟ اگر تم اپنی محنت کی مزدوری مانگتے ہو تو مالک یوم الدین سے بڑھ کر کون مل گیا ہے جو تمھیں بدلہ دے گا؟ فاہ، آہ، ثم آہ، عَلٰی مَا فَرَّطْتُمْ فِی جَنْبِ اللّٰہِ

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ (۲۴:۲۱)

پھر کیا ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کریں

کہ وہ کونسی حقیقت ہے جس نے ان کی نظروں میں دوسروں کو معبود بنا دیا ہے۔ پھر کیا تم بالکل اس سے بے نیاز ہو گئے ہو اور اب تمھیں خدا کے آگے جھکنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی؟ کیا تم کبھی بیمار نہ پڑو گے جب کہ

طبیب

طبیب مایوسی کا پیام دے گا اور عزیز و اقربا دیکھ دیکھ کر نا امیدی سے روئیں گے، اور کیا اس وقت تمہیں خدا کو پکارنے اور ہر طرف سے مایوس ہو کر اسی سے راحت اور سکھ مانگنے کی ضرورت نہ ہوگی؟

كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ، وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ، فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (۷۵: ۲۸)

ہاں جب وہ گھڑی آئے کہ جان بدن سے کھنچ کر گردن کی ہنسلی تک آ پہنچے اور دیکھنے والے بول اٹھیں کہ اس کا علاج کرنیوالا کون ہے؟ اور بیمار خیال کرے کہ اب کوچ کا وقت آگیا، اور اس کے درد اور بےچینی کا یہ عالم ہو کہ ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر ٹکنے لگے، سو یہ وہ وقت ہوگا کہ اللہ ہی کی طرف انسان کا کوچ ہوگا۔

پھر بتلاؤ کہ اس وقت اس بدبخت کا کیا حال ہوگا جس نے نہ تو کبھی خدا کے حکم کو مانا اور نہ کبھی اس کے آگے عبادت کے لئے جھکا بلکہ ہمیشہ سچائیوں کو جھٹلایا اور حکموں سے منہ موڑا؟

اگر تم کو آنکھیں دی گئیں تھیں تو اسی لئے تاکہ تم اس کو دیکھو، اگر تم کو دل دیا گیا تھا تو اسی لئے تاکہ صرف اسی کو پیار کرو۔ اگر تم کو آنسو دئے گئے تھے تو اسی لئے تاکہ صرف اسی کی یاد میں بہاؤ، اور اگر تمھاری پیشانی بلند کی گئی تھی تو اسی لئے تاکہ اسی کے آگے جھکاؤ، پر آہ، تمھاری زبانیں اسکی

حمد کے زمزموں سے محروم ہو گئیں، تمہارے دل اس کی محبت کے نہ ہونے سے اجڑ گئے؛ تمہاری روحوں میں اس کی چاہت کی جگہ غیروں کی چاہتیں بھر گئیں تمہارے قدم اس کی طرف بڑھنے سے بوجھل ہو گئے، اور تمہاری آنکھوں میں اس کے عشق کے درد و غم کے لئے ایک قطرۂ اشک بھی نہ رہا۔ تمہاری مسجدیں تڑپ رہی ہیں کہ راستبازوں کی تڑپتی ہوئی اور مضطرب نمازیں ان کو نصیب ہوں، مگر جوانوں اور چارپایوں کے کھڑے رہنے اور رادندھے ہو جانے کے سوا وہاں اور کچھ نہیں ہوتا۔ حالانکہ تمہارا خدا تمہارے کھڑے رہنے اور اوندھے گر پڑنے کا بھوکا نہیں، اور اگر صرف پاؤں کا کھڑا رکھنا ہی عبادت ہوتا تو جنگلوں کے درختوں سے زیادہ تم کھڑے نہیں رہ سکتے:۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۷ : ۴۱)

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاۤءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (۴ : ۱۴۲)

بہت ہو چکا اب بھی چھوڑ دو۔ آہ؛ بہت سو چکے اب بھی چونک اٹھو بہت گم ہو چکے اب بھی اپنے کو پا لو۔ خدا نے تم کو وہ مہلت دی ہے جس سے بڑھ کر آج تک زمین کی کسی مخلوق کو بھی مہلت نہ دی گئی، پھر ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے، اور تمہاری جگہ کسی اور کو

اپنی چاہتوں کی شہنشاہی اور اپنی محبت کا تاج و تخت دے دے، جیسا کہ اس نے ہمیشہ کیا:-

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝

اور تمھارا پروردگار بے پروا اور فیاض ہے اگر وہ چاہے گا تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے گا اور تمھارے بعد کسی دوسری جماعت کو کھڑا کر دے گا جس طرح کہ خود تم کو دوسروں میں سے اس نے منتخب کیا تھا!

اپنا مال و متاع خدا سے زیادہ محبوب ہو کہ اسے نہ دو گے، اور اپنی جانوں کو اس کی محبت سے بھی زیادہ پیارا سمجھتے ہو کہ اس کے لئے دکھ میں نہ ڈالو گے، اور اگر تمھارے دلوں کی آہیں تمھارے جگر کی ٹیس، اور تمھاری آنکھوں کے آنسو، اب اس کے لئے نہیں رہے ہیں بلکہ دوسروں کا مال ہو گئے ہیں، تو یقین کرو کہ وہ بھی تمھارا محتاج نہیں ہے، اور اس کی کائنات انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ اگر چاہے گا تو اپنے کلمہ حق کی خدمت کے لئے درختوں کو جلا دے گا پہاڑوں کو متحرک کر دے گا۔ کنکروں اور خاک کے ذرّوں کے اندر سے صدائیں اٹھنے لگیں گی، پر وہ فاسق اور نافرمان انسانوں سے

کبھی بھی کام نہ لے گا، اور اپنے پاک کام کی عزت کو ناپاکوں کی گندگی سے کبھی آلودہ نہ ہونے دے گا۔

اور پھر تم مانو یا نہ مانو مگر میں نے سچ سچ دیکھا کہ جب تمھارے اندر سے اس کی پکار کو جواب نہ ملا، تو وہ دوسروں کو پیار اور محبت کے ہاتھوں سے اشارہ کر رہا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ	اے مسلمانو! تم میں سے جو شخص دین حق
يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ	کی راہ سے پھر جانے گا سو اسے یقین
فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ	کرنا چاہیئے کہ خدا اپنے کلمۂ حق کے
يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى	لئے اس کا محتاج نہیں ہے۔ قریب
الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	ہے کہ وہ ایک قوم کو نمایاں کرے
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ	جو اللہ کو چاہنے والی ہوگی اور اللہ کو
لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ	پیار کرے گا۔ وہ مومنوں کے آگے
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ	نہایت عاجز و نرم ہوں گے پر دشمنانِ
يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ	حق کے لئے نہایت مغرور و سرکش، اللہ
الْعَظِيْمِ ۰	کی راہ میں بے خوف مجاہد ہوں گے اور

کسی الزام دینے والے کے الزام کی پروا نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے جس کو چاہے چن لے۔ وہ بڑا ہی فضل و کرم والا ہے۔

مشہد اکبر

یا

امتحان گاہ کفر و ایمان

انسانی خصائل و فضائل کے ظہور و آزمائش کے لئے ابتلاء و مصائب ضروری ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصَّابِرِيْنَ وَ نَبْلُوَ اَخْبَارَكُمْ

اور ہم تم کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ معلوم کریں کہ کون کون تم میں مجاہد و صابر ہیں؟ اور نیز تمہاری اصلی حالت کو جانچ لیں۔

شاید اب موسم بدلنے والا ہے کہ تبدیلی کے آثار و علائم پیہم اور غیر منقطع ہیں۔ جو کچھ ہندوستان سے باہر ہوا، وہ مسلمانانِ ہند کی غفلت شکنی

اور تنبیہ کے لئے کافی نہ تھا، اس لئے حکمت الٰہیہ نے سلانیک اور البانیہ کی جگہ، شہادت آباد کانپور کے حوادث محزنہ و سوانح الیمہ کو ہمارے سامنے کر دیا ہے۔ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ!

پس ہزار رحمت ہو تجھ پر اے سرزمین مقدس کانپور! اور تیری یاد گرامی ہمارے دلوں سے کبھی محو نہ ہو، کہ تیرے انہار خونین نے ہمارے لئے حیات ملی کا چشمۂ حیات بہا دیا ہے!!

اگر لکھنے کی مہلت ملے تو ان نتائج عظیمہ کی تفصیل کے لئے دفتر کے دفتر چاہئیں جو اس حادثۂ خونیں سے ہم حاصل کر سکتے ہیں، اور جس کے بہے ہوئے خون کے ایک ایک قطرے سے حیات ملی کی ہر شاخ کو زندگی اور نشو و نما کا پانی مل سکتا ہے، مگر میں اس وقت صرف ایک خاص نتیجۂ حسنہ کی طرف اشارہ کروں گا، اور وہ ایک الٰہی آزمائش ہے جو آج ہر مسلم قلب کا امتحان لے گی، اور ملتوں اور لمحوں کے اندر فیصلہ کر دے گی کہ کون ہیں جن کے دلوں کی باگ ان کے خدائے حی و قدیم کے ہاتھ میں ہے، اور کون ہیں جن کے سر اصنام حکومت اور طواغیت ہوائے نفس کے آگے سربسجود ہیں؟ فَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ، وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ، وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ: اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ؟

دو صفیں تمھارے سامنے ہیں:-

دہنی طرف اللہ کی عبادت گاہ اور اس کا حرم محترم ہے۔ ان زخمیوں کی صفیں ہیں، جن کے زخموں سے بے گناہی کا خون بہہ رہا ہے، اور جنھوں نے مسجد الٰہی کی تحریم و تقدیس میں اینٹوں کے ٹکڑے رکھ کر، اس کے بدلے دشمنان حق و الہ کی گولیاں کھائی ہیں پھر کچھ معصوم بچے ہیں، جنھوں نے بنا بنا لپٹ خدا کو یاد کرنا سیکھا تھا، مگر ان سے، جن کی عمریں اس کی محبت کے دعوے میں بسر ہو چکی ہیں، بازی لے گئے، اور جن میں سے بعض اپنے خدا کے پاس پہنچ چکے ہیں، اور بعضوں کے لئے رحمت الٰہی کا آغوش منتظر ہے۔

پھر اس منظر اقدس و اعلیٰ سے بالاتر، وہ خدائے قدوس ابراہیم و محمد (علیہما السلام) اور اس کے دین قویم اور ملت مرحومہ کی عزت و عظمت ہے، جس کو ہمیشہ ظالموں نے بھلا یا ہے، پر مظلوموں نے اسی کے دامن میں تسکین پائی ہے۔ اور جس کو گو ان لوگوں نے فراموش کر دیا ہو، جن کو اپنے خونریز اسلحہ و آلات کا غرور، اور تاج و تخت حکومت کے نشۂ باطل سے سرگرانی ہو، لیکن وہ لوگ تو نہیں بھلا سکتے جنھوں نے تیرہ سو برس تک اس کی الٰہی نصرتوں کے معجزے دیکھے ہیں، اور اب بھی وہ اس وقت کے منتظر ہیں، جبکہ ظلم با وجود قوت کے ہلاک ہو گا، اور مظلومی با وجود بے سروسامانی

کے فتحیاب ہوگی۔ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ ۔

غرض کہ ایک جانب تو اللہ، اس کے رسولؐ، اور اس کے مومنوں کی عزت و عظمت دنیوی عجز و تذلل اور بے سر و سامانی و بیکسی کے اندر موجود ہے۔ وَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ ۔

اور دوسری جانب دنیوی حکومت کا قہر و جبر، دنیوی طاقتوں کا مجمع، قانون وقت کا غلط مگر قاہرانہ استعمال، حاکم وقت کی نگاہ گرم، اس کی درباریات کے مہیب و مخوف مناظر، کفر کی ظاہر فریبیاں، اور نفاق کی دلولہ اندازی سے دنیوی نام و نمود کی خواہش جو انسان کے پاؤں میں ڈالنے کے لئے شیطان کے پاس سب سے زیادہ بوجھل زنجیر ہے، تیار ہو رہی ہے، اور حرص و طمع کے ابلیس اپنے ساز و سامان جہنمی کے ساتھ مصروف کار ہیں۔

یہ دو راہیں ہیں، جو آج ہر مسلمان کے سامنے کھول دی گئی ہیں، اور ہدایت و ضلالت، نور و ظلمت، اور کفر و اسلام کی مقابل راہیں اسی طرح ہمیشہ سے باز رہی ہیں۔

پس سب سے بڑی آزمائش ہے، جو آج درپیش ہے، اور سب سے بڑا فیصلہ کن امتحان ہے جو کفر پرست و اسلام دوست صفوں کو الگ الگ کر دینے کے لئے آج مستعد ہے:-

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ

وہ دن جبکہ بعض لوگوں کے چہرے نور ایمان و فلاح سے چمک اٹھیں گے۔ اور بعض کے سیاہ پڑجائیں گے، روسیاہو سے کہا جائے گا کہ تم نے اللہ پر ایمان لاکر پھر کفر کا ساتھ دیا تھا، اب اس کی سزا میں اس عذاب کا مزہ چکھو!

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔۔ (۲۱۲:۳)

مگر جو لوگ سفید رو ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔ اور یہ رحمت دائمی اور ہمیشگی کی ہوگی۔

بہت سے لوگ ہوں گے جو آج اسلام اور اس کے پرستاروں کا باوجود ظاہری بیچارگی اور بیکسی کے ساتھ دیں گے اور اپنے ذہنی جانب کی صفوفِ ایمان و مومنین کی راہ اختیار کریں گے۔ پر بہت سے ایسے بھی ہوں گے، جن کے دلوں کی باگ خدائے قدوس کی جگہ شیطان لعین کے ہاتھوں میں ہوگی۔ وہ ان کو کھینچے گا، یہاں تک کہ وہ منہ کے بل اوندھے گریں گے، اور دوسری جماعت کے آگے سربسجود ہوں گے:

فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۔ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۔ وَالسَّابِقُونَ

پس ایک گروہ تو دہنے ہاتھ والوں کا ہے: اور دہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا! اور ایک بائیں جانب والوں کا ہے، اور

السَّابِقُوْنَ، اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ — بائیں ہاتھ والوں کا کیا ہی برا گروہ ہے!
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ، ثُلَّةٌ مِّنَ — پھر ان دونوں کے علاوہ تیسرے گروہ
الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ — کے لوگ جو سب سے آگے ہیں اور وہ

آگے ہی رہنے کے مستحق بھی ہیں، کیونکہ یہ بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں، اور ان کی جگہ جنت کی خوشیاں اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ پھر ان میں بھی بہت سے تو اگلوں میں ہوں گے اور کچھ پچھلوں میں سے۔

السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ!!

آیۂ کریمہ مندرجۂ صدر میں اللہ تعالیٰ نے مختلف جماعتوں کو مختلف اسماء وصفات سے موسوم کیا ہے۔ پہلے "اصحاب المیمنہ" اور "اصحاب المشئمہ" کا ذکر کیا ہے، پھر "السابقون السابقون" کی تعریف کی ہے، اور اس کے بعد "ثلۃ من الاولین" اور "قلیل من الآخرین" ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ حادثۂ خونیں کا ظہور نے ان تمام جماعتوں کو دنیا کے سامنے کر دیا ہے۔ میں "اصحاب المیمنہ" کو بھی دیکھ رہا ہوں، جنھوں نے اللہ کی حزب و جماعت کا ساتھ دیا ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ اور میرے سامنے "اصحاب المشئمہ" کی صفوف لئام بھی موجود ہے، جنھوں نے اپنے قلوب و ایمان کو حزب الشیطان کے حوالہ کر دیا ہے:۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ، اَلَآ اِنَّ حِزْبَ

الشَّیْطٰنِ، هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۵۹: ۲۱)

پھر اس جماعت مقدسۂ مومنین، اور عباد اللہ المخلصین، و حزب اللہ الجلیل المتین، یعنی "اصحاب المیمنہ" میں سے بھی اعلیٰ و اقدس "السابقون السابقون" کی جماعت ہے۔ جنھوں نے ایثار فی سبیل اللہ میں اور دں کی مسابقت کی، اور جبکہ کچھ لوگ اللہ کی طرف بڑھے تو ان کے قدم سب سے آگے تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے مظلومین کا پنور کی اعانت و امداد کے لئے اپنے وقت و مال کا انفاق کیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ سب کو پہلے وہی بخشش گاہ الٰہی سے اپنا اجر بھی حاصل کریں۔

کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفضل نصرت فرمائے گروہ گروہ جماعتہائے انصار و معاونین کو کانپور بھیجدے، اور اپنے بندوں کے دلوں کو اپنی عبادت گاہ کی راہ میں مجروح و شہید ہونے والوں کی مدد کے لئے کھول دے، لیکن تاہم جو فضیلت و سعادت "السابقون السابقون" کو ملنے والی تھی، وہ مل چکی، اور جو بخشش دروازے پر پہلے پہنچنے والوں کے لئے ہوتی ہے وہ لینے والوں نے لے لی اب اس میں اور کسی کا حصہ نہیں ہوسکتا کہ: اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا مسلمانو! مصائب و ابتلاء کے دور دورہ

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ صبر و صلوٰۃ سے مدد لو، اور یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ۝

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے، ان کو مردہ نہ سمجھو، وہ تو زندہ ہیں۔ البتہ تم ان کی حیات کی حقیقت سے بے خبر ہو! اللہ تعالیٰ تم کو آزمائشوں میں ڈالے گا کہ یہ اس کا ایک قانون ہے۔ وہ خوف، بھوک، نقصان مال وجان، اور ہلاکت اولاد و اقارب کے مصائب میں تمہیں مبتلا کرکے، تمہارے صبر و استقامت کی آزمائش کرے گا۔ اور پھر اللہ کی طرف سے فلاح دارین کی بشارت ہے، ان صبر و استقامت سے کام لینے والوں کے لئے، جن کے ایمان و یقین کے ثبات کا یہ حال ہے کہ جب کسی مصیبت سے دوچار ہوتے ہیں تو مایوسی و ناامیدی کی جگہ " انا للہ وانا الیہ راجعون" کہہ کر صبر و استقامت پر استوار رہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ اللہ کی رحمت ان کے لئے ہے، اور یہی ہیں جو دنیا میں ہر طرح کی کامیابیاں حاصل کرتے ہیں!

کانپور کے آخری حوادث جب شروع ہوئے تو میں سفر میں تھا اور سفر بھی میرے لئے مانع کار نہیں ہو سکتا لیکن مشکل یہ تھی کہ ایک مقام پر قیام نہ ہونے کی وجہ سے سکون و جمعیت خاطر کہ جمع خیالات کے لئے ضروری ہیں، بالکلیہ میسر نہ تھے۔ جس زمانے میں کہ بندگان الٰہی کو جان اور زندگی تک (جو ہر ذی روح کا قدرتی حق ہے) حاصل نہ ہو، تو مجھے سکون و جمعیت کے حاصل ہونے کی شکایت کا کیا حق ہے؟ اس لئے شاکی تو نہیں ہوں، البتہ معذرت خواہ ضرور ہوں کہ اس واقعہ پر پوری تفصیل سے بحث نہ ہو سکی اور ایک مقالہ افتتاحیہ کے سوا، جو صرف اصل حادثہ کے متعلق تھا، اور کوئی تحریر اس اثناء میں نہ نکل سکی، حالانکہ عبرت بخش بصیرتیں ان واقعات میں پوشیدہ ہیں اور ہلاکتوں اور خونریزیوں کے یہی حوادث ہیں، جن سے قومیں اور جماعتیں اپنے لئے زندگی حاصل کر سکتی ہیں۔ گو وقت گزر چکا ہے مگر اصل یہ ہے کہ عیش و نشاط کی صحبتوں کے لئے وقت کی قید ہوتی ہے، ماتم و فغاں کا کوئی وقت خاص معین نہیں۔ جب قدرت کی بخشش حیات میں سے اپنے لئے یہی ایک چیز باقی رہ گئی ہے، تو خاص وقتوں کی کیا قید ہے؟ جب مہلت ملے، بہتر ہے کہ اس میں مشغول ہو جائیں۔ بلکہ جلانے والوں کی غفلت سے اگر آگ بجھنے لگے، تو خود دامن سے ہوا دے دے کر اور روشن کر دیں۔

ولایہ درد و الم بھی تو مقتنسم ہے، کہ آخر
نہ نالۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (۵۵:۵۱) (پس) ذکر کر، ذکر و نصیحت صاحبان ایمان کے لئے ضروری نفع بخش ہے۔

سفک دما و قتل نفوس

۳ اگست کی صبح کو جب آفتاب افق کا پور پر طلوع ہوا تو اس کے لئے کوئی نیا نظارہ نہ تھا۔ اس نے اس خون کو دیکھا جو ہمیشہ بہا ہے، اس نے لاشوں کی تڑپ پر نظر ڈالی جو ہمیشہ تڑپی ہیں، اس نے قہقہۂ وحشت کا شور اور آہ مظلومی کی سسکیاں سنیں جو اس عصیاں آباد ارضی پر ہمیشہ سنی گئی ہے۔ اس نے موت و حیات کو باہم کش مکش میں دیکھا، اس نے روح و جسم کی مفارقت کے آخری اضطراب کا نظارہ کیا، اس نے خون کے فواروں کا جوش و خروش، زخموں کی تلملاہٹ، ایڑیوں کی پٹک، زندگی کے لمحات آخری کا اضطرار، غرضکہ انسانی درندگی و بہیمیت کے تمام خونریز تماشے دیکھے۔

لیکن ان میں سے کون سی چیز ایسی تھی جس کا نظارہ اس کے لئے نیا ہو سکتا تھا؟ وہ ایک نامعلوم ابتداء سے اس عجائب آباد ہستی کا تماشائی ہے، اس نے زندگی اور موت کے نہیں معلوم کتنے لا تعد و لاتحصیٰ تماشے

دیکھے ہیں؟ یہ تماشا خود انسانی تاریخ کی نظروں کے لئے عجیب و نادر نہ تھا، پھر اس نظارہ فرمائے آسمانی کے لئے اس میں کون سی ندرت ہو سکتی تھی؟

انسان نے اپنے حاکمانہ قوت کے گھمنڈ میں ہمیشہ خدا کے قانون امن و محبت کو توڑا ہے، اور زور آوروں نے زیردستوں کے ساتھ ہمیشہ وہی کیا ہے جو آج کیا جا رہا ہے۔ تاریخ عالم میں انسانی رحم و محبت کے واقعات کم ہیں، مگر خون ریزی و بہیمیت کی سرگذشتوں سے اس کے تمام صفحات رنگین ہیں۔ دنیا کے اس عجیب و غریب درندے نے جس کا نام انسان رکھا گیا ہے، جب کبھی موقعہ پایا ہے، اپنے ہم جنسوں کو چیرا اور پھاڑا ہے اور شہر کی آبادیوں اور انسانی بود و باش کی عمارتوں کے اندر وہ سب کچھ ہوا ہے جو جنگلوں کے بھٹ اور پہاڑوں کے غاروں میں ہوا کرتا ہے، اسکی وحشت و بہیمیت نے دنیا میں ہمیشہ حکمرانی کی ہے، اور شاید وہ وقت اخلاق کی امیدوں اور خانقاہوں کے حجروں سے باہر کبھی بھی آنے والا نہیں جبکہ فضیلت انسانی رذائل حیوانیت سے اپنی شکست کا بدلہ لے گی۔

کانپور کے مذابح تو ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ ادعائے قانون و حکومت کی تاویلات و توجیہات کے ذریعہ اس کی خونیں صورت پر چند پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ اس سے قطع نظر کر کے دنیا کے اور تمام خونچکاں قطعات ارضیہ پر نظر ڈال لیجئے، اور انسانی خون کے اس سمندر کا کوئی کنارہ

ڈھونڈھئے، جو نسل ہمیشہ کے آج بھی دو سال سے بہہ رہا ہے۔ پھر کیا انسان کی مذہبیت نئی؛ اور دنیا کا اخلاقی دکھ پہلی مرتبہ ظاہر ہوا ہے؟ کیا خون کے جو سیلاب آج اس کی سطح پر بہہ رہے ہیں ویسے ہی صدہا سیلاب اس کے نیچے خشک نہیں ہو چکے ہیں؟ اگر کسی طرح زمین کی تمام مٹی ایک جگہ جمع کی جا سکتی اور خدا کوئی فرشتہ بھیج دیتا جو اس کے ذرّوں کو دبا کر نچوڑ سکتا، تو نہیں معلوم، ایک ایک ذرہ سے خون کے کتنے قطرے ٹپکتے اور پھر پانی کے تمام سمندروں کو خون کا ایک نیا سمندر اپنے ساتھ ملا کر کس طرح سرخ کر دیتا؟

پس جو کچھ کہ آج دنیا میں ہو رہا ہے، وہ ایک بہت ہی ادنیٰ نمونہ ہے دنیا کی اس سیرۃ الیمہ کا، جس کے ظہور پر تاریخ انسانیت ابتدا سے ماتم کرتی آئی ہے اور کرتی رہے گی۔ فراعنۂ مصر کے شخصی استبداد اور ظلم شاہیوں کی حکایتیں عہد عتیق میں بیان کی گئی ہیں، اور قرآن کریم نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں کا اظہار کرتے ہوئے ان کا تذکرہ کیا ہے، کیونکہ اس کا سب سے بڑا فضل اپنے بندوں پر یہ ہے کہ انھیں ظالم حاکموں کے پنجۂ قہر سے رہائی دلائے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ   اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو خاندان
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ   فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دلائی،

يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ (۲: ۲۷) جو تم کو سخت سے سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے۔ تمہاری اولاد کو تو ذبح کر دیتے مگر تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تاکہ ان کو ذلیل و رسوا کریں۔ یقیناً تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے اس میں صبر و استقامت کی بہت بڑی آزمائش تھی۔

لیکن کتنے فرعون ہیں جو اس دنیا کے ہر دور زماں میں انسانی خون کے سیلاب پر اپنا تخت حکمرانی بچھا چکے ہیں؟ اور بنی اسرائیل کی غلامی و مظلومی سے بڑھ کر کتنی ہی مظلوم و محکوم قومیں گذر چکی ہیں اور موجود ہیں جن کی لاشوں کے ڈھیر پر حاکمانہ "رعب و عظمت" کے محل تعمیر کئے گئے ہیں؟

باغ عدن کا سانپ

دنیا میں انسانی حکمرانی کا گھمنڈ ہمیشہ انسانی معصیت کا سب سے بڑا مبدا، اور بانی رہا ہے۔ اور اگر دنیا کی کوئی صورت ہے تو اس کے چہرے سے اس داغ کی سیاہی کبھی نہیں ڈھل سکتی۔ دنیا کی تمام درد انگیز مصیبتیں اسی کے سائے تلے سے نکلی ہیں، اور انسان کی بربادی کا وہ خونخوار سانپ، جس کو آدم کے ساتھ باغ عدن سے نکالا گیا تھا، جب وہاں سے نکلا، تو اس نے اسی کے نیچے اپنا گھر بنایا۔

نیا قطرۂ خونین

یہ ہمیشہ ہوا ہے اور شاید ہمیشہ ہوگا۔ دنیا کی بہت سی خوشیاں نئی ہیں، مگر اس کا ماتم ایک بھی نیا نہیں۔ اس تمام خون کو جو اس کی آنکھوں کے سامنے بہہ چکا ہے، اگر جمع کیا جائے، تو ایک طوفان خیز سمندر ہوگا، جس میں لکڑی کی کشتیوں کی جگہ انسانی لاشوں کے ڈھیر ہر طرف تیرتے نظر آئیں گے۔

پھر آج جن واقعات پر ہم ماتم کر رہے ہیں، ان کی حیثیت اس سمندر خونیں کے سامنے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ چند نئے سُرخ قطرے تھے جو اس کی موجوں میں ڈال دیئے گئے؟

۳ر اگست کو کانپور میں جو کچھ ہوا، وہ بھی ایک قطرۂ خونیں تھا، جو اس سمندر میں ڈال دیا گیا ہے۔

اسلامی خون کی قیمت

یہ مسلمانوں کا خون تھا لیکن اس خون کی بھی اب زمین کی سطح پر کیا کمی رہی ہے کہ اس کو نادر و عجیب سمجھا جائے؟

ممکن ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں اس خون کی دنیا میں کمی رہی ہو، جب (بدر) کے کنارے تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمان، پچاس کم ایک ہزار مغرور و قومی دشمنوں کے مقابلے میں بھی اپنا خون محفوظ رکھتے تھے، اور چودہ

مسلمانوں کا اگر خون بہتا بھی تھا تو اس حالت میں کہ ۷۰ دشمنوں کی لاشیں میدان جنگ میں تڑپ چکی تھیں اور اتنی ہی تعداد مشکیں کسی ہوئی سامنے تھی! ممکن ہی کہ مسلمانوں کا خون اس وقت کمیاب ہو، جبکہ (احد) کے دامن میں تین ہزار دشمنوں کے زرغے میں، جن میں ۱۲ سو شتر سوار اور ۷ سو آہن پوش خون آشام تھے، صرف ۷ سو مسلمان پھنس گئے تھے، اور جب کہ حضرت (انس) نے ستر زخم کھاکر اپنی گردن کا خون زمین کے حوالے کیا تھا!

جنگ قادسیہ کا وہ معرکۂ اغواث جس میں دشمن کے پورے ایک دستے کے مقابلے میں تنہا ایک مسلمان کی تلوار کافی ہوتی تھی، اور ہر صدائے تکبیر بلند کرنے والی زبان اس وقت تک خاموش نہ ہوتی تھی، جب تک کم از کم اپنے خون کے چند قطروں کے معاوضے میں دشمنان حق والہ کے خون کا ایک سیلاب عظیم اپنے سامنے نہ دیکھ لیتی تھی، تو یقیناً وہ ایک وقت تھا، جو مسلمانوں کے خون کی قیمت تبلا سکتا تھا۔

وہ (لیلۃ الہریر) کا معرکۂ عظیم، جس میں مسلمانوں کا صرف آلات آہنی ہی سے مقابلہ نہ تھا بلکہ حریفان کارواں کا ہر سپاہی بھی غرق فولاد و پیکر آہن تھا، تاریخ کے صفحوں پر آج بھی فرزندان اسلام کے خون کی قیمت تبلا سکتا ہے۔ جبکہ ایک تنہا (قعقاع) نے مست و خونخوار ہاتھیوں کے

غول کے ساتھ پہل تن دشمنوں کے غول کو بھی خاک و خون میں تڑپا دیا تھا، اور پھر بھی اس کے خون کی پوری قیمت نہیں ملی تھی۔

جبکہ ۱۲ھ ۶۳۵ء میں رومیوں کے عظیم الشان مشرقی مرکز یعنی "حمص" کی طرف تنہا و جریدہ ایک مسلمان تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھے بڑھ رہا تھا اور وہ دروازۂ شہر کی ایک پوری فوجی جمعیت پر بے باکانہ حملہ آور ہوا تھا، تو اسلامی خون کی حرمت و عظمت پر یقیناً زمین کی مٹی کا ایک ایک ذرہ شہادت دے سکتا تھا۔ وہ پہنچا، اور تن تنہا اس بے جگری سے دشمنوں پر ٹوٹا کہ شہر سے بھاگ کر تمام عیسائیوں نے (دار سجل) میں پناہ لی، حالانکہ اس کی فاتح تلوار کسی دوسری تلوار کی شرمندۂ اعانت و شرکت نہ ہوئی تھی!

جبکہ ایک پورا شہر، ایک پوری فوج، ایک بہت بڑی فوج کی چھاؤنی اپنا پورا خون دے کر بھی ایک مسلم و مومن کے خون کو بہ مشکل خرید سکتی تھی، تو ضرور اس وقت یہ خون قیمتی، اور اس کی روانی بہت نادر تھی۔

(یرموک) کے میدان میں مسلمانوں کا خون ضرور قیمتی تھا، جبکہ جاں فروشان توحید کے سامنے خطبائے جنگ کی یہ صدائیں بلند ہو رہی تھیں کہ:۔

اللہ اللہ! انکم ذادۃ العرب و انصار الاسلام و انھم ذادۃ

اللہ اللہ! تم لوگ فرزند عرب ہو اور اسلام کے انصار و حامی، اور تمہارے

الروم وانصار المشرك ! اللّٰھم دشمن رومی ہیں اور شرک کے مددگار! پھر ان ھذا یوم من ایامك اللّٰھم یہ کیوں ہو کہ تم ان سے خائف ہو؟ خدایا انزل نصرك علی عباد المومنین آج کا دن تیری عزت و عظمت کے دنوں میں سے ہے۔ اپنی نصرت کی غیبی مدد اپنے مومن بندوں کے لئے بھیج دے!

اس وقت مسلمانوں کا خون کیوں نہ قیمتی ہوتا، جب اسی یرموک کے میدان میں عکرمہ بن ابوجہل اپنے ساتھ صرف چار سو مجاہدین جاں فروش کو لے کر چار ہزار رومیوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا دیتا اور پھر جان دیتا کہ اسلام کا خون رائیگاں نہ گیا؟ اس معرکہ میں ایک تنہا (شرجیل) کا یہ حال تھا کہ چاروں طرف سے ہزاروں دشمنوں کی تلواریں پڑ رہی تھیں، مگر پھر بھی زمین کو اس کے خون کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کے خون کے لئے اس سے بھی زیادہ قیمت کی ضرورت تھی!

ہاں، جبکہ رومی و اسلامی سرحد کے انتہائی حصے میں ایک بڑھیا مسلمان کی صدا بغداد کے تخت پر (معتصم) کو مضطرب کر دیتی تھی، اور اس کی فریاد کا جواب دینے کے لئے ساٹھ ہزار تشنگان خون کو ساتھ لے کر، جوش و اضطراب کے پروں سے اڑتا ہوا رومیوں کے سر پر گرتا تھا، تو اس وقت اس خون کی قیمت یقیناً بہت گراں تھی، اور ایک مسلمان بڑھیا کی فریاد کے معاوضے میں روم کی ہزارہا سالہ عظمت و ابہت طلب کی جاتی تھی!!

دنیا طغیان و فساد میں مبتلا تھی، نوع انسانی باہمی کشت وخونریزی میں ہلاک ہو رہی تھی، پس مسلمان بھیجے گئے تھے تاکہ ان کا، جو انسان کے خون کی عزت سے انکار کرتے ہیں، خون بہائیں اور بندگانِ الٰہی کا خون محفوظ ہو۔ پس وہ اس لئے آئے تھے کہ خون بہائیں، اس لئے نہ تھے کہ ان کا خون بہایا جائے۔ اسلام نے ان کو زندگی اور قوت دی تھی، موت اور زخم اور درد ان کے حصے میں آئے تھے۔ ان کے خون کا ایک ایک قطرہ ملکوں اور قوموں کا خون طلب کرتا تھا۔ اگر ان کے جسم پر ایک زخم لگتا تھا تو انسانی جبروت وجلال کے بڑے بڑے تخت الٹ دیئے جاتے تھے۔

ان کے ہاتھ میں تلوار تھی، جس کی خون آشامی سے انسانی وحشت وخوں ریزی کی خون آشامی پناہ مانگتی تھی، لیکن ان کو کسی تلوار کی چمک کا ڈر نہ تھا۔ وہ خدا سے ڈرنے والے تھے، اس لئے خدا کی زمین بھی ان سے لرزتی تھی۔

"لَا تَخَافُوْهُمْ، وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ کے وہ مخاطب تھے، اور لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کی الٰہی تسکین نے ان کے دلوں سے خوف وخطر ہمیشہ کے لئے دور کر دیا تھا۔ ان کا خون صرف اللہ کی راہ میں بہتا تھا، اور خدا کبھی پسند نہیں کر سکتا کہ جو خون اس کے نام کی عزت سے مقدس کیا جائے، وہ اس کی زمین پر ارزاں قیمتوں پر فروخت ہو جائے!

وہ کیونکر اس کو پسند کرتا؟ کیونکہ یہ تو وہ متاع عزیز تھی، جس کو خود اس نے بھی خریدنا چاہا، تو نعائم جنت کی سرمدی خوشیوں اور راحتوں سے کم میں اس کی قیمت نہ چکی۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ؕ	اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا تاکہ اس کے معاوضے میں انھیں حیات بہشتی کی دائمی زندگی عطا فرمائے۔ کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں

قتال کرتے ہیں، اور پھر کبھی اس کے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں، اور کبھی خود اسکی راہ میں مقتول ہو جاتے ہیں۔

ایں بیع راکہ روز ازل با تو کردہ ایم!
اصلا دراں حدیث اقالہ نمی رود!

یہاں جنت کا ذکر کیا گیا مگر فی الحقیقت پوچھئے تو اس خون کی قدر و قیمت تو اس سے بھی ارفع و اعلیٰ تھی۔ جن مجاہدین حق وجاں نثاران راہ الٰہی کے دلوں میں اللہ کے عشق و محبت کا گھر ہو، ان کی قیمت جنت نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ تو جنت کے نہیں بلکہ رب الجنت کے طلبگار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں "انفسھم" فرمایا قلوبھم نہ کہا۔ کیا یہ معاوضہ نفس وجان کا ہے، دل کا نہیں ہے۔ دل کا معاوضہ اگر ہو سکتا ہے تو جنت کا

نظارہ نہیں بلکہ خود پروردگار جنت کا قرب و وصال ہے۔ اور تلاش کیجئے
تو اصلی قیمت اس خون کے بیچنے والوں کو ملی بھی یہی تھی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے، انکو
سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ مُردوں میں شمار نہ کرو۔ وہ زندہ ہیں اور
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ اپنے پروردگار کے پاس شربتِ وصال
بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ سے سیراب اور غذائے قرب و اتصال
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے رزق اندوز ہیں۔ اللہ نے اپنے
مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فضل سے ان کو جو مقامات و مدارج عالیہ
عطا کئے، ان سے شادکام رہتے ہیں اور اپنی اس حالت سے ان لوگوں کو،
جو ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان سے ملے نہیں، بشارت دے رہے ہیں
کہ اللہ کی راہ میں بڑھنے کے لئے جلدی کرو۔ ان کے لئے کوئی خوف نہیں اور
نہ کسی طرح کا حزن و ملال ہے!!

حضرت امام (جعفر صادق) علیہ و علی اجدادہ و آبائہ الصلوٰۃ والسلام
نے اسی مقام کی طرف اشارہ کیا تھا، جبکہ فرمایا:۔

یا ابن آدم! اعرف قدر نفسك لوگو! اپنے نفس کی قدر و قیمت پہچانو! یہ
فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عرفك قدرك تو وہ متاع گرانمایہ ہے کہ اللہ نے اسکی
وَلَمْ يرض اَنْ يكون لك ثمن قدر شناسی کی اور اس کے معاوضے

غَبَرَ الجنۃ ! میں جنت سے کم قیمت کے ملنے پر راضی نہ ہوا۔

وفی المثنوی المعنوی

کلمہ کہ ہیچ خلقش ننگرد | از خلافت آں کریم آں را خرد
ہیچ قلبے پیش او مردود نیست | زانکہ قصدش از خریدن سود نیست
خویشتن را آدمی ارزاں فروخت | بردا طلس خویش را بر دلق دوخت

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ پس مسلمانو! اپنے جان ومال کے اس سودے پر جو تم نے خدا سے کیا ہے، خوش ہو، کہ فی الحقیقت یہ بڑی ہی کامیابی تھی جو تمہیں پیش گاہ الٰہی سے حاصل ہوئی۔

ولکن شتان ما بین الیوم والامس

غرضکہ ایک زمانہ تھا، جب دنیا میں ان کے خون سے بڑھ کر اور کوئی شئے کمیاب وگراں نہ تھی، مگر اب تو دریا کا پانی قیمتی ہے، مگر مسلمانوں کے زخموں کا خون بہت ارزاں ہو گیا ہے۔ خاک کے سنگریزے ٹھکرانے کے لئے نہیں ملیں گے مگر پرستاران توحید کی لاشیں ٹھوکریں کھانے کے لئے ہر جگہ موجود ہیں۔ جنگل میں درختوں کے پتے جھومتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر اس سے زیادہ مسلمانوں کی لاشیں تڑپتی ہوئی دکھائی دیں گی۔

دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا، جہاں ہمارا خون اپنی قیمت طلب نہ کرتا ہو،

مگر آج بازار جہاں میں اس جنس کس مخبر کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ چشم انسانیت کو دو آنسوؤں کی قیمت دینا بھی گوارا نہیں۔ اللہ اللہ! یہ وہی خون ہے جس کے معاوضے میں کبھی روم و ایران کے تخت خریدے جاتے تھے: مگر

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ — یہ تغیر حالت خود انھوں نے اپنے ہاتھوں
وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ — مول لیا، ورنہ اللہ تو اپنے بندوں کے
لِّلْعَبِيْدِ! (۸: ۵۱) — لئے کبھی ظالم نہیں ہو سکتا۔

خدا کے ہاں قیمتیں بڑھائی جاتی ہیں بڑھا کر گھٹانا اس کی شان کریمی سے بعید ہے۔ وہ خون جس کے معاوضے میں اپنے قرب و وصال کی قیمت دیکر اسے متاع کونین سے افضل و اعلیٰ کر چکا تھا، ممکن نہ تھا کہ اسی کی دنیا میں اس قدر بے قدر ہو جائے کہ مٹی کی ٹوکریاں قیمت دیکر لیں مگر مسلمانوں کے خون کی کوئی قیمت ہی نہ ہو؟ لیکن اس کو کیا کیجئے کہ خود ہم ہی نے اپنے تئیں قدر و قیمت کا مستحق ثابت کیا تھا: اور ہم ہی ہیں کہ آج اس کی قدر و قیمت کو اپنے ہاتھوں کھو بیٹھے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا — "اس لئے کہ جو نعمت خدا نے کسی قوم کو
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى — دی ہو پھر وہ کبھی واپس نہیں لی جاتی،
يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ — تا آں کہ خود وہ قوم اپنی صلاحیت اور
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۸: ۵۳) — قابلیت کو بدل نہ ڈالے اور بے شک

اللہ تم سب کی باتوں کو سنتا اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔"

پس جس خون کے آج دنیا کے تمام حصوں میں دریا رواں ہیں، اگر ہمارا گستاخ کو کانپور میں اس کے چند فوارے کچھ دیر کے لئے بلند ہو گئے تو کونسی اچنبھے کی بات ہے؟ دریا کی موجوں میں قطروں کو کون پوچھتا ہے، اور ہم جو مسلمانان عالم سے خون کی قربانیوں کا نظارہ حاصل کر رہے ہیں خود بھی اس نظارے کے پیش کرنے سے کیوں عاجز رہتے؟ یہ سچ ہے کہ طرابلس کی خونیں موجوں کے مقابلے میں ہمارے پاس چند قطروں سے زیادہ نہیں، یہ بھی ضرور ہے کہ ایران کی سولیوں کا جواب اگر ہم سے مانگا جائے تو ہم ابھی کچھ نہیں بتلا سکتے، اس میں بھی شک نہیں کہ مقدونیا کی آتش زدہ آبادیوں، خون کے سیلابوں، اور انسانی لاشوں کے بسے ہوئے شہروں کے مقابلے میں ہمارا حبیب ماتم ابھی بالکل خالی ہے تاہم ہماری شرمندگی مٹ گئی کہ ہمارے پاس خون کے بھرے ہوئے حوض نہیں تو چند چلو ضرور ہیں، جن سے اپنے چہروں کی بے دردی اور بے حسی کی سفیدی چھپا سکتے ہیں، اور خون سے منہ دھو کر اس قابل ہو سکتے ہیں کہ عالم اسلامی کی مجلس خونیں میں شریک ہو سکیں۔

آج تین سال سے تمام عالم اسلامی سوگ میں ہے۔ مسلمانان ہند کے پاس دل و جگر کے ٹکڑے تھے مگر زخموں سے بہا ہوا خون نہ تھا کہ اس ماتم کدۂ

مقدس میں، جہاں شہداء کی پاک روحیں خدا کی آغوش سے نکل کر اپنے ماتم گزاروں کا آہ وفغاں سننے کے لئے آئی ہوئی تھیں، بغیر خون سے وضو کئے ہوئے کیونکر شریک ہو سکتے تھے؟ (رابعہ بصریہ) نے ایک موقعہ پر کہا تھا:-

رکعتان فی العشق لا یصح — نماز عشق کی دو رکعتیں، جو ادا نہیں ہو سکتیں

وضوء هما الا بالدم! — جب تک کہ خون سے وضو نہ کیا جائے۔

پس اگست کی تیسری تاریخ پیغام شہادت لے کر آئی تاکہ مسلمانان ہند کی اس شرمندگی کو مٹا دے، اور ہم ممنون ہیں بالقانہ کے، جن کی بدولت دو چار کوزے خون کے ہم نے بھی بھر لئے۔

دعا کنید بوقت شہادتم او را!
کہ این دعا ہیست کہ در ہائے آسمان باز است

بصائر و حکم

۱- عشرۂ محرم الحرام	الہلال ۱۰ر دسمبر سنہ ۱۲ء
۲- ماہ ربیع الاوّل	البلاغ ۲۱ر جنوری سنہ ۱۶ء
۳- ماہ مقدس	الہلال ۵ر اگست سنہ ۱۴ء
۴- لیلۃ القدر	″ ۱۲ر ″ سنہ ۱۴ء
۵- عید الفطر	″ ۱۵ر ستمبر سنہ ۱۲ء
۶- عید الاضحیٰ	″ ۲۱ر، ۲۷ر نومبر سنہ ۱۲ء
	″ ۴ر - ۱۱ر دسمبر سنہ ۱۲ء
۷- یوم الحج	″ ۲۱ر اکتوبر سنہ ۱۴ء

عشرہ محرم الحرام

شمع ہا بردہ ام از صدق بخاک شہدا   تا دل و دیدہ خونابہ فشانم دادند

آئیے، سب سے پہلے آج ایک بھولی ہوئی صحبت ماتم کو پھر تازہ کریں۔ کتنے دن گزر گئے کہ راہ و رسم ماتم و شیون سے نا آشنا ہیں۔ نہ صدائے ماتم کی فغاں سنجی ہے اور نہ چشم خونبار کی اشک افشانی۔ کاروبار غم کی رونق افسردہ ہو چلی ہے اور روزبازار درد کی چہل پہل مدت سے موقوف ہے۔

نہ داغ تازہ می خارد، نہ زخم کہنہ می کارد   بدہ یارب دلے کیں صورت بیجاں نمی خواہم

طرابلس کے خون آلودہ ریگستان کو اگر لوگوں نے بھلا دیا، مشہد مقدس[1] اور

---

[1] روسیوں کی گولہ باری کی طرف اشارہ ہے۔

تبریز[۵۱] کا قصۂ الم اگر ذہنوں سے محو ہو گیا، مقدونیا اور البانیہ[۵۲] کے تازہ ترین افسانہ ہائے خونیں اگر فکروں سے فراموش ہو گئے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ارباب درد و غم کے لئے ایک ایسی داستان الم صدیوں سے موجود ہے جو کبھی بھلائی نہیں جا سکتی اور اگر لوگ اسے بھلا بھی دیں تو بھی ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن تازگی زخم کہن کے لئے آموجود ہوتے ہیں جو از سر نو ایکہزار ڈھائی سو برس پیشتر کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں! میرا اشارہ حادثۂ ہائلہ کبریٰ یعنی شہادت حضرت سید الشہداء علیہ وعلیٰ اجدادہٖ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ عظم اللہ اجورنا بمصائبنا۔

دفتست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی ۔۔۔ سوز د نفس نوحہ گر از تلخ نوائی!
دفتست کہ آن پردگیاں کز رہ تعظیم ۔۔۔ بر در گہ شاں کردہ فلک ناصیہ سائی!
از خیمۂ آتش زدہ عریاں بدر آیند ۔۔۔ چوں شعلہ دخاں بر سر شاں کردہ ردائی
جاں ہا ہمہ فرسودۂ تشویش اسیری ۔۔۔ دلہا ہمہ خوں گشتۂ اندوہ ربائی!
تنہاست حسین ابن علی در صف اعدا ۔۔۔ اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی؟

سچ یہ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو، جن ارباب درد کو رُوح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو، جنکی زبانیں

---

[۵۱] روسیوں نے وطن پرست ایرانیوں کو پھانسیاں دیں اس طرف اشارہ ہے۔

[۵۲] جنگ بلقان کی طرف اشارہ ہے۔

آہ و فغاں کو محبوب اور جن کی آنکھیں خونابہ فشانی کو اپنا مطلوب و مقصود سمجھتی ہوں، ان کی صحبت ماتم والم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامان غم اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے بڑے بڑے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہہ جائیں اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں آجائیں جب بھی ان کی نذار حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی جو اس کے ایک ایک لفظ کے اندر سے توجیہہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔

لیکن آہ! کتنے دل ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو اس کے حقیقی بصائر و معارف کے اندر دیکھا ہے؟ اور کتنی آنکھیں ہیں جو حسینؑ ابن علیؑ شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتے ہیں جو اس حادثہ عظمیٰ کے اندر موجود ہے۔

فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تاکہ پیروان اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے۔ اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اس کے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک مکمل ترین مثال قائم کردے پس جو بے خبر ہیں ان کو رونا چاہیئے۔ ان لم تبکوا فتباکوا اور جو روتے ہیں ان کو صرف رونے ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے۔ ان کے سامنے سید الشہداء نے اپنی قربانی کا ایک اسوۂ حسنہ پیش کردیا ہے، اور کسی درجہ کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت

حسین کی مدعی ہو جب تک کہ اسوۂ حسینی کی مطابقت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے۔

دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

لیکن افسوس کہ شرح و بسط کے لئے اس وقت متعدد نہیں صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کروں گا!

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

(۱) سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، دعوت الی الحق، اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تیئں قربان کرتا ہے۔ بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی، کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجماع امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت شریعت الہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ: ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے

خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ و جائزہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم پر ہو۔

(۲) مقابلے کے لئے یہ ضرور نہیں کہ تمھارے پاس قوت و شوکت مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے۔ کیونکہ حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ چند ضعفاء و مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پرواہ ہو۔ نتائج کا مرتب کرنا تمھارا کام نہیں یہ اس قوت قاہرہ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمت دنیوی کے نامراد نگونسار کرتی ہو۔ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہی۔ جو فی نفسہ اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہی لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہی۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہو کہ ہم کریں؟

آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ محترمہ جہاد سے قطع نظر، تمھارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کب کیا ہو کہ کبھی بھی کیا جائے؟ میں کہتا ہوں کہ حسینؑ ابن علیؑ نے صرف بہتر یا باسٹھ بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر و جابر کا مقابلہ کیا جس کے حدود سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے۔ اور گو یہ سچ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا اور پھر ایک ایک کرکے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک و خون میں تڑپا اور جان بحق تسلیم ہوا، اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کے لئے اپنی غذا حاصل کر سکا، اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک وہ زخموں سے چور ہوا اور اس خلعت شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا تا اس کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچے، جو دوستوں کو خاک و خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

ادبیں وصالہ و بیربیں قتلی!

تاہم فتح اس کی تھی اور فیروزمندی و کامرانی کا تاج صرف اسی کے زخم خوردہ سر پر رکھا جا چکا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا پر اپنے اس خون

سے ایک ایک قطرہ سے جو عالم اضطراب میں اس کے زخموں سے رنگ و سنگ پر بہتا تھا، انقلاب و تغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دئے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی، نہ حجاج کی بے امان خونخواری، اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست۔ وہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا پانی تیل بن کر ان کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا، اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کر ان کی ایک ایک چنگاری کو آتشکدۂ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آگیا اور جو کچھ کہ ۶۱ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب کچھ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام عالم اسلامی کے اندر ہوا۔ صاحبان تاج و تخت خاک و خون میں تڑپے، ان کی لاشیں گھوڑوں کے سُموں سے پامال کی گئیں، فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مُردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور اس طرح وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کا پورا پورا ظہور ہوا۔

پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا، وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا؟ کیا یہ اسی خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا؟ پھر یہ فتحمندی تو بہ حسب ظاہر ہے جس کے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے اسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کر لیتا ہے۔

(۴) بہرحال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر

ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظالم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اسے ہونا ہی چاہیئے۔ تعداد کی قلّت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہو سکتا۔ اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے، کیونکہ وہ ظلم ہے، اور حق و صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

(۴) حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں قدم قدم پر حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزما لیں، نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

جرم را ایں عقوبت ہست و استغفار نیست

اس قتیل جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا، اس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کیے ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ اللہ تعالیٰ تمھیں آزمائشوں میں ڈالے گا

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَۃٌ، قَالُوْا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وہ حالت خوف و ہراس بھوک اور پیاس، نقصان مال و جان اور ہلاکت اولاد و اقارب میں مبتلا کر کے، تمہارے صبر و استقامت کو آزمائے گا، پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے ان صابرین کے لئے جن کے صبر و استقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے تمام معاملات کو یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خوف و ہراس، بھوک، پیاس، نقصان اموال و متاع، قتل نفس و اولاد یہی چیزیں انسان کے لئے اس دنیا میں انتہائی مصیبت ہو سکتی ہیں، اس لئے انہی چیزوں کو راہ الٰہی کے لئے آزمائش قرار دیا گیا۔

لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پا کر آرام و راحت اور شوکت و عظمت حاصل کر سکتا تھا اگر حکومت ظالمہ کی وفاداری و اطاعت کا عہد کر لیتا، اور حق و صداقت سے روگردانی کے لئے مصلحت وقت کی تاویل پر عمل کرتا، پر اس نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی، اور حق کا عشق، زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا۔ اس نے اپنا سر دے دیا کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی ایک آخری متاع ہے، پر اطاعت و اقرار وفاداری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق و عدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

اللہ، وَاللّٰہ رَءُوفٌ بِالعِبَادِ

(۶) سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظمیٰ کی لسان حال اس کی ترجمانی کرتی ہے، راہ مصائب و جہاد حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے کہ:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا دوسری جگہ کہا فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ لطمہ ہائے یداللہ می زنند

فی الحقیقت اس شہادت عظمیٰ کی سب سے بڑی مزیت و خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تمام عزیز و اقارب، اہل و عیال، اور فرزند و احباب کے ساتھ دشت غربت و مصائب میں محصور اعدا ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو تشنہ عطش و جوع سے آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا، حتیٰ کہ اپنے طفل شیرخوار کو بھی تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پانا، مگر با ایں ہمہ راہ عشق صداقت میں جو پیمان صبر و استقامت باندھا تھا اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشرہ دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا، اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا کہ:۔

رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علی بلائہ

پیکان ترا بجاں خریدار من مرہم دیگراں نخواہم

دوست کے ہاتھ سے جام زہر بھی ملتا ہو تو تشنہ کامان زلال محبت اسکو

غیروں سے جامِ شہد و شکر پر ترجیح دیتے ہیں۔

اے جفا ہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں!

آج بھی اگر گوشِ حقیقت نیوش باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرہ ترسیہ فرمائے صبر و استقامت ہے۔

شدیم خاک ولیکن ببوئے تربتِ ما ! تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

افسوس کہ تفصیل مطالب کا ارادہ نہیں اور وقت و گنجائش مقتضی اجمال و ایجاز اگر اس صبر و استقامت کے اسوۂ حسنہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو خدارا اسفارِ تاریخ کی طرف توجہ کرو۔ صرف ایک روایت یہاں لکھوں گا تاکہ جو لوگ خاندانِ نبوت اور عترت حضرتِ رسالت کی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں، وہ غور کریں کہ ادعا محبت بغیر متابعت بے کار ہے۔

ان المحب لمن یحب یطیع

حضرت امام علی بن الحسین الشہیر بہ زین العابدین کہتے ہیں۔

"جس رات کی صبح کو میدانِ شہادت گرم ہونے والا تھا عین اسی شب کا واقعہ ہے کہ میں بیمار پڑا تھا میری پھوپھی زینب میری تیمارداری میں مصروف تھیں۔ اتنے میں حضرت امام حسین داخل ہوئے وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جنھیں سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ کیا ہے؟ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاء الٰہی نازل ہو گئی ہے اور اب اس سے چارہ

نہیں مگر حضرت زینب ضبط نہ کر سکیں کیونکہ قدرتی طور پر عورتیں زیادہ رقیق القلب ہوتی ہیں۔ وہ ماتم کناں چلا اٹھیں کہ واحسرتا وامصیبتا! الیوم ماتت فاطمۃ وعلیؑ وحسنؑ بن علی۔

لیکن جب حضرت حسین نے یہ حالت دیکھی تو ان کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے بہن! یہ کیا بے صبری اور کیسا جزع وفزع ہے؟ اللہ سے ڈرو کہ موت یقیناً ایک آنے والی چیز ہے، اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ لیکن حضرت زینب شدت غم وحزن سے مضطر تھیں، وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعات خونیں کے ساتھ طلوع ہوگی۔ فرط غم میں انھوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا گریبان پھاڑ ڈالا اور واویلا! واحسرتا! پکارتی ہوئی بیہوش اپنے بھائی پر گر پڑیں۔ حضرت حسین نے یہ حالت دیکھ کر ان کے منہ پر پانی ڈالا اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا: اے بہن یہ کیسا غم وحزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمھیں چاہیئے کہ اللہ کے حکم وفرمان کے مطابق جو طریق عزا وحزن وغم ہے، اسے اختیار کرو کیونکہ میرے لئے اور ہر مسلم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال وافعال میں اتباع اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہے!"

اللہ اکبر! خاندان نبوت کے اس مرتبۂ رفیع اور اس درجۂ عظیم کو دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کس طرح ان کے سامنے تھا اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے حکم کے آگے کس طرح انھوں نے اپنے جذبات اور خواہشوں کو قربان کر دیا تھا؟ ایسے سخت اور زہرہ گداز موقع

پر بھی اپنی بہن کا جزع و فزع انھیں گوارا نہ ہوا، اور بجائے عام الفاظ صبر و تشفی کے فرمایا تو یہ فرمایا "فَاَنَّ لِی ولکل مسلم اسوۃ فِی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" پھر آج کتنے مدعیان محبت اہل بیت کرام ہیں، جو اس اسوۂ حسنہ کے اتباع کا اپنے اعمال سے ثبوت دے سکتے ہیں۔

ماہ ربیع الاوّل

ولادت نبوی

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(۱)

جب زمین پیاسی ہوتی ہے تو رب السماوات والارض پانی برساتا ہے، جب انسان اپنی غذا کے لئے بے قرار ہوتا ہے تو وہ موسم ربیع کو بھیجدیتا ہے، جب خشک سالی کے آثار چھا جاتے ہیں تو آسمان رحمت پر بدلیاں پھیل جاتی ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ	وہ خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے
فَتُثِیْرُ سَحَابًا، فَیَبْسُطُهٗ	اور ہوائیں بادلوں کو اپنی جگہ سے
فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ	ابھارتی ہیں، اور جس طرح اس کی

وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (۳۰: ۴۸)

مرضی نے انتظام کر دیا ہے، بادل فضا میں پھیل جاتے ہیں، پس تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے مینہہ برسنے لگتا ہے اور تمام زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ پھر جب وہ اپنے بندوں پر جو بارش سے مایوس ہو گئے تھے، پانی برسا دیتا ہے تو وہ کامیاب و خرم ہو کر خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

خدا کی تمام مثالیں اور دانائیاں جو وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے کھولتا ہے، ہمیشہ عام اور قدرتی مظاہر سے تعلق رکھتی ہیں، تاکہ زمین کی ہر مخلوق ان کی تصدیق کر سکے اور ان سے دانائی حاصل کر سکے۔ وہ ایسے تغیرات و حوادث اور غیر فطری و صناعی چیزوں کا ذکر نہیں کرتا جن کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے کسی خاص طرح کی زندگی، خاص طرح کے علم، اور خاص طرح کے گرد و پیش کی ضرورت ہو۔ بلکہ اس کی ہر تعلیم ایسی عام اور خالص فطری حالات سے متعلق ہوتی ہے جس کو سن کر جنگل کا ایک چرواہا اور متمدن آبادیوں کا ایک فیلسوف، دونوں یکساں اثر کے ساتھ خدا کی سچائی کو پا سکتے ہیں۔ پس اگر تم نے فلسفہ و حکمت نہیں پڑھا ہے، اگر تم نے اجرام سماویہ کے دیکھنے کے لئے کسی رصد خانے

کی قیمتی دوربین نہیں پائی ہے، اگر تم کو مادہ کے خواص کا تجربہ نہیں ہے، اگر تم کسی دارالعلوم کے اندر برسوں تک نہیں رہے ہو، اگر تم صحرائی ہو، اگر تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشہ نشین ہو، اگر پھونس کی ایک چھت اور بانسوں کی ایک شکستہ دیوار ہی رہنے اور لیٹنے کے لئے تمھارے حصے میں آئی ہے، اور اس طرح تم نہیں جانتے کہ اپنے خدا کو آسمان کے عجیب و غریب ستاروں کے اندر کیوں کر دیکھو اور اس کے حسن و جمال کو عناصر و ذرات خلقت کی آمیزش و آویزش کے اندر کیونکر ڈھونڈو۔ تاہم تم انسان ہو، تم کو روح دی گئی ہے اور تم زمین پر بستے ہو، تم آسمان کی ہر بدلی کے اندر، بادلوں کے ہر ٹکڑے کے اندر، ہواؤں کے ہر جھونکے کے اندر، باران رحمت کے ہر قطرہ کے اندر اپنے خداوند حی و قیوم کو، اس کی حکمت و قدرت کو اس کی رافت و رحمت کو، اس کے پیار اور محبت کو دیکھ سکتے ہو اور اسے پا سکتے ہو تم میں سے کون ہے جس نے امید و بیم کی نظروں سے کبھی آسمان کو نہیں دیکھا ہے، اور اسکی بجلیوں کی چمک اور بادلوں کی گرج کے اندر اپنی کھوئی ہوئی امید کو نہیں ڈھونڈھا ہے؟

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ یُّرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۔ اور قدرت الٰہی کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب زمین پیاسی ہوتی ہے اور خشک سالی کے آثار ہر طرف چھا جاتے ہیں تو وہ آسمان پر بارش کی علامتوں کو پیدا کر دیتا ہے، اور تم امید و بیم کی نظروں سے انھیں دیکھتے ہو!

پھر وہ کون ہے کہ جب تم اور تمہاری تشنہ و بے قرار زمین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے ترس جاتی ہے، خاک کا ایک ایک ذرہ رطوبت و نمو کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے، کرۂ ارضی اپنی بیخودانہ حرکت میں آفتاب کے آتشکدہ سے قریب تر ہوتی جاتی ہے، اس کی تمام کائنات نباتاتی اپنا حسن و جمال فطری کھو دیتی ہے، پرند اپنے گھونسلوں میں، ٹہنیاں درختوں میں، اور انسان اپنے گھروں میں پانی کے لئے ماتم کرتا اور ہر دم آسمان کی گرم و خشک فضاء کی طرف مایوسی کی نگاہیں اٹھاتا ہے تو وہ اپنی محبت و ربوبیت کے نقاب میں آتا ہے، اور مایوسی کے بعد امید کا، نامرادی کے بعد مراد کا، موت کے بعد زندگی کا پیام زمین کے ایک ایک ذرّے تک پہنچا دیتا ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ؎	اس کی ربوبیت و رحمت کو دیکھو کہ جب تم امید و بیم کی نظروں سے آسمان کو دیکھتے ہو اور تمام زمین پر مردنی اور ہلاکی چھا جاتی ہے تو وہ آسمان سے پانی برساتا ہے

اور زمین پر موت کے بعد زندگی طاری ہو جاتی ہے۔ یقیناً قدرت الٰہی کی اس نمود میں صاحبان فکر و عقل کے لئے بڑی ہی نشانیاں رکھی گئی ہیں۔

(۳)

یہ وہ انتظام الٰہی ہے جو پروردگار عالم نے انسان کے جسم کی غذا کے لئے کیا ہے، پھر کیا اس نے انسان کی روح کے لئے کچھ نہ کیا ہوگا؟ وہ رب الارباب جو زمین کی پکار سن کر اسے پانی دیتا اور جسم کی بے قراری دیکھ کر اسے غذا بخشتا ہے، کیا سرزمین روح ومعنی کی تشنگی کے لئے کچھ نہیں رکھتا، اور دل کی بھوک کے لئے اس کے خزانوں میں کوئی نعمت نہیں؟

وہ کہ اس کی محبت زمین کی مٹی کو خشک نہیں دیکھ سکتی، اور درختوں کی ٹہنیوں کو وہ سبز پتوں اور سرخ پھولوں کی زیبائش سے محروم نہیں رکھتا کیا روح انسانی کو ہلاکت وبربادی کے لئے چھوڑ دے گا، اور عالم انسانیت کا مرجھا جانا اسے خوش آئے گا؟ وہ رب العالمین جو تمھارے جسم کو غذا دے کر موت سے بچاتا ہے، کیونکر ممکن ہے کہ تمھاری روح کو ہدایت دے کر ضلالت سے نہ بچائے؟

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:-

مَن رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى (۲۰: ۵۱) تمھارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ!

تو حضرت موسیٰ نے نہ صرف اپنے رب العالمین کی نسبت خبر ہی دی بلکہ اس کی ربوبیت کی دلیل قطعی وفطری بھی چند لفظوں میں فرما دی:-

رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۲۰: ۵۰)

ہمارا رب وہ ہے، جو رب ہے، اور اس لئے اس کی ربوبیت نے کائنات کی ہر چیز کو اس کی خلقی ضروریات بخشیں پھر اس کے بعد ان کی ہدایت کردی تاکہ صحیح اور فطری طریقہ پر کاربند رہ کر اپنی خلقت کے مقصد کو حاصل کریں۔

پس اس نے کہ زمین کی مٹی کے اندر قوت نشو و نما رکھی، اور پھر پانی برسا کر اس کی ہدایت کردی، یعنی اس کے آگے نفوذ و عمل کی راہ کھولدی اور جس کی ربوبیت نے عالم ہستی کے ایک ایک ذرہ کے لئے خلقت اور ہدایت، دونوں کا سامان کردیا، انسان کو بھی جسم اور روح دونوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اس کے لئے بھی خلقت اور ہدایت دونوں کا سامان رکھتا ہے۔

اس کی ربوبیت نے جس طرح جسم کے لئے زمین کے اندر طرح طرح کے خزانے رکھے ہیں، اسی طرح روح کی غذا کے لئے بھی اس کے آسمانوں کی وسعت معمور ہے۔ جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی مادی حیات و نمو کے لئے آسمانوں پر بدلیاں پھیلتیں، بجلیاں چمکتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے، ٹھیک اسی طرح اقلیم روح و قلب کی فضا میں بھی تغیرات ہوتے ہیں۔ یہاں اگر زمین کی مٹی پانی کے لئے

ترستی ہے، تو وہاں بھی انسانیت کی محرومی ہدایت کے لئے تڑپنے لگتی ہے۔ یہاں پتے جھڑتے ہیں، ٹہنیاں سوکھنے لگتی ہیں، اور پھولوں کے رنگین ورق بکھر جاتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ آسمان کو رحم کرنا چاہیئے وہاں بھی جب سچائی کا درخت مرجھا جاتا ہے، نیکی کی کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں عدالت کا باغ ویران ہو جاتا ہے، اور خدا کے کلمۂ حق و صدق کا شجرۂ طیبہ دنیا کے ہر گوشے اور ہر حصے میں بے برگ و بار نظر آنے لگتا ہے، تو اس وقت روح انسانیت چیختی ہے کہ خدا کو رحم کرنا چاہیئے۔ یہاں زمین پر موت طاری ہوتی ہے تو خدا کی بارش اسے زندگی بخشتی ہے۔ وہاں انسانیت ہلاک ہو جاتی ہے تو خدا کی ہدایت اسے پھر اٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ	اور وہ پروردگار عالم ہی تو ہے کہ بارش
الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ	سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو باران
يَدَيْ رَحْمَتِهٖ، حَتّٰى	رحمت کے آنے کی خوش خبری سنا
اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا	دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کا
ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ	وقت آجاتا ہے تو وہ وزنی بادلوں کو
مَّيِّتٍ، فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ	حرکت دیتی ہیں، اور ہم انھیں ایک
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ	ایسے شہر کے اوپر لیجا کر پھیلا دیتے ہیں
كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	جو ہلاک ہو چکا ہے اور زندگی کے لئے

پیاسا ہے۔ پھر پانی برستا ہے اور زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ اس کی نموبخشی سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور مخلوقات اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہم مردوں کو بھی اٹھاتے ہیں اور یہ جو کچھ کہا گیا ہے سو در اصل ایک مثال ہے، تاکہ تم دانائی اور سمجھ حاصل کرو۔

(۳)

عالم انسانیت کی فضا روحانی کا ایک ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا۔ وہ رحمت الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالمگیر نمود تھی جس کے فیضان عام نے تمام کائنات ہستی کو سرسبزی و شادابی کی بشارت سنائی، اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ وہ خداوند قدوس جس نے سینا کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں تجلیوں کے ساتھ آؤں گا، اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلال الٰہی کی نمود ہو گی، سو بالآخر وہ آ گیا، اور سعیر و فاران کی چوٹیوں پر اس کے ابر کرم کی بوندیں پڑنے لگیں۔

یہ ہدایت الٰہی کی تکمیل تھی۔ یہ شریعت ربانی کے ارتقاء کا مرتبہ آخری تھا۔ یہ سلسلۂ ترسیل رسل و نزول صحف کا اختتام تھا۔ یہ سعادت بشری کا آخری پیام تھا۔ یہ وراثت ارضی کی آخری بخشش تھی۔ یہ امت

مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا، اور اس لئے یہ حضرت ختم المرسلین و رحمۃ اللعالمین محمد بن عبداللہ کی ولادت باسعادت تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم۔

(۴)

یہی واقعہ ولادت نبوی ہے جو دعوت اسلامی کے ظہور کا پہلا دن تھا، اور یہی ماہ ربیع الاول ہے جس میں اس امت مسلمہ کی بنیاد پڑی جس کو تمام عالم کی ہدایت وسعادت کا منصب عطا ہونے والا تھا۔ یہ ریگستان حجاز کی بادشاہت کا پہلا دن نہ تھا، یہ عرب کی ترقی وعروج کے بانی کی پیدائش نہ تھی، یہ محض قوموں کی طاقتوں کا اعلان نہ تھا، اس لیا صرف نسلوں اور ملکوں کی بزرگی کی دعوت نہ تھی، جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے، اور جیسا کچھ کہ دنیا کی تمام تاریخ کا انتہائی سرمایہ ہے، بلکہ یہ تمام عالم کی ربانی بادشاہت کا یوم میلاد تھا۔ یہ تمام دنیا کی ترقی وعروج کے بانی کی پیدائش تھی۔ یہ تمام کرۂ ارضی کی سعادت کا ظہور تھا۔ یہ تمام نوع انسانی کے شرف واحترام کا قیام عام تھا یہ انسانوں کی بادشاہتوں، قوموں کی بڑائیوں، اور ملکوں کی فتوحات کا نہیں، بلکہ خدا کی ایک ہی اور عالمگیر بادشاہت کے عرش جلال وجبروت کی آخری اور دائمی نمود تھی۔

پس یہی دن سب سے بڑا ہے، کیونکہ اسی دن کے اندر دنیا کی سب سے بڑی بڑائی ظاہر ہوئی۔ اس کی یاد نہ تو قوموں سے وابستہ

سے ہے اور نہ نسلوں سے ہے، بلکہ وہ تمام کرۂ ارض کی ایک عام اور مشترک عظمت ہے جس کو وہ اس وقت تک نہیں بھلا سکتی جب تک کہ اس کو سچائی اور نیکی کی ضرورت ہے اور جب تک کہ اسکی زمین اپنی زندگی اور بقا کے لئے عدالت وصداقت کی محتاج ہے۔

(۵)

دنیا میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں۔ یہ انقلابات خاص خاص انسانوں کے وجود سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان انسانوں کی پیدائش کے ایام کو بھی دنیا عظمت کے ساتھ یاد رکھنا چاہتی ہے، اور اس اعتبار سے اس کی یادگاروں کی فہرست بڑی ہی طویل ہے۔ اس میں بادشاہوں کے زرنگار تختوں کی قطاریں ہیں، فاتحوں کی بے پناہ تلواروں کی جھنکار ہے، سپہ سالاروں کے زرہ بکتر کی ہیبت ہے، حکیموں کی حکمتوں اور دانائیوں کے دفاتر ہیں، فلاسفہ وعلماء کے علوم وصحائف کے خزائن ہیں، صناعوں کی ایجادیں ہیں، وطن پرستوں کے مواعظ ہیں، قومی پیشواؤں اور ملکی داعیوں کی جانفشانیوں اور سرفروشیوں کی داستانیں ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا اگر اپنی عظمت کے اصلی دن کو یاد رکھنا چاہتی ہے، تو ان میں سے کس کو یاد رکھے؟

ان میں سے کون ہے جس نے دنیا کو سب سے بڑی چیز دی ہے تاکہ وہ بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسی کی یاد کو پیار کرے؟

(۶)

آؤ ہم سب سے پہلے بڑے بڑے اولوالعزم شہنشاہوں کو دیکھیں، جنھوں نے دنیا کے بڑے بڑے رقبوں کو نوک شمشیر پر رکھ لیا، اور ایسے ایسے عجیب وغریب ایوانوں اور محلوں میں بسے جن کی دیواریں اور چھتیں چاندی سونے اور لعل وجواہر سے بنائی گئی تھیں۔ انھوں نے بہت زیادہ مال ومتاع جمع کیا، ان کے پاس لوہے کے بہت زیادہ آلات خونریزی کے تھے، اور ان کی اطاعت وغلامی میں انسانوں کا سب سے بڑا گلہ تھا۔ پس ان کی پیدائش کے واقعہ کو بھی سب سے زیادہ عظیم الشان اور ناقابل فراموش ہونا چاہیئے۔

لیکن اگر دنیا ان کی پیدائش کو یاد رکھے، تو بتلاؤ کہ دنیا کے لئے انھوں نے کیا کیا؟ ان کی فتوحات بہت وسیع تھیں، اور ان کی وہ دولت جو انھوں نے زمین کی بستیوں کو اجاڑ کر لوٹی تھی، بڑے بڑے وسیع رقبوں کے اندر آتی تھی، لیکن دنیا کو اس سے کیا ملا کہ دنیا کی گردن ان کی یاد کے آگے جھکے؟ اگر وہ بہت بڑے فاتح تھے، تو اس کو یوں کہو کہ انھوں نے سب سے زیادہ زمین کو ویران کیا، سب سے زیادہ اس کی آبادیوں کو اجاڑا سب سے زیادہ خون کی ندیاں بہائیں، اور سب سے زیادہ خدا کے بندوں کے گلے میں اپنی غلامی کی لعنت کا طوق ڈالا، پھر کیا دنیا اپنی ویرانیوں، اپنی قتل وغارت، اپنی نہب وسلب،

اور اپنی غلامی کی ملعنت کے ناپاک دنوں کو یاد رکھے؟ اور جن کی اہلبیت نے یہ لعنت پھیلائی تھی، ان کی پیدائش کی نحوست پر خوشیاں منائے؟

سکندر دنیائے قدیم کا سب سے بڑا فاتح تھا، جس نے تمام دنیا سے اپنے تخت کی پوجا کرانی چاہی، لیکن دنیا اگر اس کی پیدائش کو یاد رکھے تو یہ یاد کن واقعات کی یاد ہوگی؟

یہ دنیا کی ویرانیوں، ہلاکتوں، اور غلامیوں کی لعنتوں کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہوگا، جو اسے ہاتھ آئے گا!

دنیا میں جس قدر بادشاہ پیدا ہوئے، اگر تم ان کی زندگی کے تمام کارناموں کا حاصل معلوم کرنا چاہو، تو اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ جتنے بڑے بادشاہ تھے، اتنے ہی زیادہ انسانوں کو غلام بنانے والے تھے، اتنے ہی زیادہ ان کی فطری قوتوں کے لئے پتھر تھے، اتنے ہی زیادہ ان کی قدرتی حرکت و نشو کے لئے زنجیر تھے، اور اتنے ہی زیادہ خدا کی عطا کردہ حیات صالحہ اور انسان کے نوعی شرف و احترام کے لئے ان کے اندر بربادیوں اور ہلاکتوں کی نحوست تھی۔

پس جن کا وجود خود دنیا کے لئے ایک زخم تھا، وہ ان کی یاد میں اپنی گم شدہ شفا کیونکر پا سکتی ہے۔

(۷)

حکمار کی حکمت، فلاسفہ کا فلسفہ، صناعوں کی ایجادیں، بلاشبہ تاریخ عالم کے اہم واقعات ہیں، لیکن اگر وہ اپنی یاد کے آگے دنیا کو جھکانا چاہتے ہیں، تو انھیں بتلانا چاہیئے کہ انھوں نے اپنی حکمت سرائیوں اور عجیب عجیب ایجادوں سے دنیا کے اصلی دکھ اور زمین کی حقیقی مصیبت کے لئے کیا کیا؟ آسمان کی فضا میں ان گنت ستاروں کی قطاریں پھیلی ہوئی ہیں۔ بلاشبہ وہ شخص بہت بڑا غور کرنے والا دماغ اور بڑی ہی کاوش کرنے والی نظر رکھتا تھا، جس نے ہم کو سب سے پہلے بتلایا کہ یہ بڑے بڑے ستارے ہیں، ان میں ثوابت ہیں، سیارات ہیں، اور ان کی حرکتوں کے معین اوقات و ایام ہیں۔ لیکن دنیا جب ستاروں کی یہ بہت بڑی سچائی نہیں جانتی تھی، تو اس وقت بھی بیمار تھی، اور یہ معلوم کر کے بھی بیمار ہی رہی یہ اس کا اصلی دکھ یہ نہ تھا کہ انسان آسمان کے متعلق تھوڑا جانتا ہے، بلکہ ہمیشہ سے وہ اس ایک ہی مرض میں گرفتار رہی ہے کہ انسان خود اپنی نسبت اپنی فطرت صالحہ کی نسبت، اپنی راہ سعادت کی نسبت کچھ بھی نہیں جانتا۔

اس صناع کو اگر تم بڑا سمجھتے ہو جس نے انسان کے لئے فن تعمیر ایجاد کیا، تاکہ وہ پائدار مکانوں اور خوب صورت چھتوں کے نیچے بیٹھے

تو تھیں بتلانا چاہیئے کہ انسان درختوں کے نیچے بیٹھ کر نیک اور سچا انسان نہ تھا، مگر بڑے بڑے محلوں کے اندر بس کر اس نے اپنی گمشدہ حقیقت پالی؟ دنیا کا اصلی مرض انسانیت حقیقی کی گم شدگی ہے۔ سعادت انسانی اور امن ارضی ہی وہ نعمت ہے جس کی ڈھونڈ میں ابتدا سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ تہ و بالا ہو رہا ہے۔ پھر بتلاؤ کہ اگر یہ بڑے بڑے صناع اور موجد ہی انسانیت کی سب سے بڑی بڑائی رکھتے ہیں، تو ان کی ایجادوں نے انسان کو کس قدر امن دیا؟ کس قدر سلامتی بخشی؟ کہاں تک صراط سعادت پر چلایا؟ طلسم حیات انسانی کا کونسا راز افشا کیا؟ خدا اور بندوں کے رشتوں کو کہاں تک جوڑا؟ پھر اگر وہ یہ نہ کر سکے تو دنیا ان کی ایجادات کو اپنے خزانے میں رکھ سکتی ہے پر ان کی یاد اس کے لئے کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کیونکہ انھوں نے اس کے اصلی دکھ کے لئے کچھ نہیں کیا!

(۸)

اچھا، دنیا نے قدیم کے ذخیرہ میں جو کچھ ہے اسے چھوڑ دو، کلدان اور بابل اور یونان و اسکندریہ کے کھنڈر اور مسمار شدہ آثار کے اندر اگر دنیا کے لئے کچھ نہ تھا، تو بہت ممکن ہے کہ آج لندن اور برلن و پیرس کی عجیب و غریب آبادیوں اور عقل و فہم کو مبہوت کر دینے والے تمدن کے اندر دنیا کو وہ چیز مل جائے، جس کے لئے ابتدائے

خلقۃً اسے حیران و سرگشتہ رہی ہے۔

موجودہ تمدن یورپ کی ابتدا جن بڑے بڑے دعووں سے ہوئی ہو ضرور ہے کہ وہ سب کے سب اس وقت تمھارے سامنے ہوں کیونکہ ہماری موجودہ صحبت ان کے اعادے کی متحمل نہیں۔ ہم کو بتلایا گیا تھا کہ موجودہ تمدن کو دنیا کے قدیم تمدنوں سے کوئی مشابہت نہیں۔ ان کی مختلف شاخوں میں باہم ربط و علاقہ نہ تھا، ان کی بنیادیں صحت و حقیقت پر نہ تھیں؛ وہ انسانی علم و عمل کی تمام شاخوں کو بیک وقت مکمل نہ کر سکی تھیں، انھوں نے معلومات و اعمال میں کوئی صحیح نظم و ترتیب پیدا نہیں کی اور انھیں اپنے تمدن کی اشاعت اور پھیلاؤ کے وہ ذرائع حاصل نہ تھے جن کے ذریعے ہم نے تمام کرۂ ارضی کو علم و تمدن کا ایک گھر بنا دیا ہو۔ پس گذشتہ تمدنوں کی ناکامی سے موجودہ تمدن کی ناکامی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اور اسی طرح کے دعوے تھے جن سے موجودہ تمدن کی فضا بھر گئی تھی، اور جن کے ذریعے اعلان کیا جاتا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت موجودہ تمدن کی ہے، حالانکہ سب سے بڑا صرف خدا ہی۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۝ (۲۵ : ۲۱)	بلاشبہ انھوں نے یہ کہہ کر اپنے اندر بڑا گھمنڈ پیدا کیا اور بڑی سخت درجے کی سرکشی کی!

سواب تم دیکھو کہ دنیا اپنے اعتراف کا سر جھکانے کے لئے جب تمدن کے اس سب سے بڑے مغرور بت کی طرف جاتی ہے تو اسے کیا جواب ملتا ہے؟

آج تمدن کے ابلیسانہ گھمنڈ کا ملعون بت چور چور کر دیا گیا ہے، اور خدا کا وہ زبردست اور بے پناہ ہاتھ جو قوم ثمود و عاد، اور بڑی بڑی آبادیوں اور بڑے بڑے خیموں والوں کو سزا دے چکا تھا، اپنے جلال اور ہولناکی کی آتشیں چمک دکھلا رہا ہے۔ تم یورپ کی موجودہ جنگ اور متمدن اقوام کی باہمی قتل و خون ریزی پر چارپایوں کی طرح نہیں بلکہ انسانوں کی طرح نظر ڈالو، اور دیکھو کہ یہ کیا ہے جو تمھارے سامنے ہو رہا ہے؟ یہ تمدن اور وحشت کی پیکار نہیں ہے۔ یہ علم اور جہل کی ٹکر نہیں ہے۔ یہ تمدن ہے جو تمدن سے ٹکرا رہا ہے یہ علم ہے جو علم کو ذبح کر رہا ہے۔ یہ صناعت ہے جو صناعت کو پیس رہی ہے۔ یہ ایجاد کا مغرور شیطان ہے، جو ایجاد ہی کے شیطان لعین کو ڈس رہا ہے، اور اس طرح تمدن کا گھمنڈ ہی ہے جو تمدن کے گھمنڈ کو ریزہ ریزہ اور پاش پاش کر رہا ہے۔

يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ (۵۹ : ۲) — اپنے گھروں کو وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اجاڑ رہے ہیں۔

پس اگر مسکین دنیا ان انسانوں کو یاد رکھنا چاہتی ہے جو تمدن کے

پادشاہ تھے، علم کے فرمان فرما تھے، اور ایجاد وصناعت کے دیوتا تھے تو تم
اس کا ہاتھ پکڑو، اور اسے آج یورپ کے ان میدانوں کے سامنے لیجاکر
کھڑا کردو، جہاں تمدن وعلم کا تخت عظمت واجلال آگ اور لہو کی بدلیوں
اور دھوئیں اور زہریلی گیسوں کی مسموم فضار کے اندر بچھایا گیا ہے، اور
مسمار عمارتوں کے کھنڈروں، سُرخ سُرخ خون کی ندیوں، اور انسانوں
کی تڑپتی ہوئی لاشوں کے تودوں پر اس کے سنہری ستون عظمت نصب
کئے گئے ہیں۔ پھر اس سے کہو کہ وہ اپنی احسان مندی اور شکر گذاری کے
لئے ان عظیم الشان انسانوں میں سے کسی بڑائی کو چھانٹ لے، جو آج
گیہوں اور جو کے لئے روتے ہیں کیونکہ ہوا میں اڑنے کے آلات اور
پانی کو مفرد اجزا میں بدل لینے کا علم ان کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

وہ ان میں سے کس کو اپنی پرستش اور یاد کے لئے چنیں گی؟ کیا
وہ اس سب سے بڑے فلسفی کو یاد کرے گی، جو چودھویں صدی عیسوی
میں آیا اور اس نے تجربہ کی راہ کھولی، جس راہ نے کہ انسانوں کو ہلاکت
اور خونریزی کے سب سے زیادہ روح پاش آلات تک پہنچا دیا؟ وہ
کیمسٹری کے اس دیوتا کو یاد کرے گی جس پر موجودہ تمدن کو سب سے
زیادہ ناز ہے اور جس نے ایسی زہریلی گیسیں، ایسے مہلک بم اور شل، اور
ایسے بے پناہ مرکبات بنا دئے جن کے آگے انسانی جماعتیں بالکل بے بس

ہوجاتی ہیں، اور منٹوں کے اندر بڑی بڑی آبادیاں موت کی نسبت سے بھر جاتی ہیں؟ اچھا، بھاپ کی طاقت کے موجد کو بلاؤ، اس کی ذہانت کیسی عجیب تھی جس نے بھاپ کی غیر معلوم طاقت کو انسان کے تابع کر دیا؟ لیکن آہ! وہ اس دنیا کے لئے کیا کرے جو موت کی نہیں، بلکہ زندگی کی بھوکی ہے اور دیکھ رہی ہے کہ بھاپ کے شیطان ہی کے اندر وہ سب سے بڑی بے پناہ خباثت ہے، جس نے آج جنگ کے میدانوں میں مختلف کلیسوں اور مختلف صورتوں کے اندر موت کی سب سے بڑی پھینکار ماری ہے، اور تمام انسانی علم و دانائی اس کے بچاؤ کے لئے بیکار ہے۔

پھر کیا دنیا تمدن و علم کے ان مغرور بانیوں کی پیدائش پر خوشیاں منائے جنہوں نے اس کی موت اور ہلاکت کے لئے تو سب کچھ کیا، پر اس کے امن و سلامتی اور سعادت و طمانیت کے لئے کچھ نہ کر سکے؟ ان کے پاس انسان کے اڑنے، سمندروں کے اندر جانے، بجلی کو قابو میں کرنے، ہوا کے تموج اور ذرات کو اپنے نامہ و پیام کا سفیر بنانے، اور خود بخود بجنے والے باجوں اور بڑی تیزی سے چلنے والی سواریوں کے لئے تو بڑا ذخیرہ ہے، لیکن انسان کو نیک اور راست باز بنانے، خدا کی عدالت و صداقت سے زمین کو معمور کرنے، امن اور راحت کی پادشاہت کے قائم کرنے، ظلم و فساد کے بیج سے زمین کو صاف کرنے،

طاقت اور حکم کے جبر سے ضعف اور ناتوانی کو بچانے، اور انسانوں کو درندوں اور سانپوں کی طرح نہیں، بلکہ انسانوں کی طرح بسا دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

تم نے یورپ کے تمدن کی کتوں کی طرح لوٹ کر اور بھیڑوں کی طرح چل کر ہمیشہ پرستش کی ہے اور مذہب کی تعلیمات کی ہنسی اڑائی ہے کہ وہ آخرۃ آخرۃ کہتا ہے مگر یورپ کی طرح دنیا کے لئے کچھ نہیں تبلاتا۔ لیکن شاید تم آج قرآن حکیم کی اس آیت کو سمجھ سکو جس کے متعلق حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اس کی تلاوت آخری زمانے کے فتنہ سے بچائے گی۔

هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ (۱۸ : ۱۰۳-۱۰)

تم کو تبلاؤں کہ سب سے زیادہ ناکام و نامراد کام کرنے والے کون ہیں؟ وہ جن کی تمام قوت سعی صرف دنیا کی زندگی سنوارنے ہی میں کھوئی گئی اور جہلِ حقیقت نے ان میں یہ گھمنڈ پیدا کر دیا کہ وہ بہت ہی خوبیوں کا کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی نشانیوں اور اس کے رشتے کو نہ سمجھا اور اس سے انکار کیا پس ان کا کیا دھرا برباد گیا اور قیامت کے دن انھیں کوئی وزن نصیب ہوگا۔

دوسری جگہ ارباب کفر کے اعمال یہ تبلائے

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ	صرف دنیا کی زندگی کا ایک ظاہری
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ	پہلو انھوں نے جان لیا ہے اور وہ
عَنِ الْاٰخِرَةِ غٰفِلُوْنَ	آخرت کے علاقوں سے بالکل غافل ہو گئے

ہیں!

"آخرت" سے مقصود یہ نہیں ہے کہ دنیا اور دنیا کے اعمال ترک کر دیئے جائیں، بلکہ اس کی عملی تفسیر یورپ کی موجودہ زندگی کو سمجھو جس نے اپنے تئیں صرف دنیا ہی کے لئے وقف کر دیا اور اس کے گھمنڈ میں وہ اللہ اور اس کے رشتے کے لئے کوئی وقت اور فکر نہ نکال سکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے وہ چیز تو حاصل کر لی جس کا نام تمدن رکھا گیا ہے، لیکن وہ شئے حاصل نہ کر سکی جو انسان کے لئے امن حقیقی کی راہ، اور سلام و سعادت فطری کی صراط مستقیم ہے۔

(۹)

تم کہہ سکتے ہو کہ یہ ان انسانوں کا حال ہے جن کی بڑائیاں صرف جسم و مادے تک محدود تھیں، لیکن اگر دنیا کے لئے ان کی پیدائش کی یاد میں کوئی تسکین اور راحت نہیں ہے تو وہ ان تمام صفوں سے باہر آ جائے گی، اور دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے دامن میں پناہ

ملے گی۔ وہ بانیانِ مذہب کی عظمتوں کا نظارہ کرے گی، وہ خدا کے رسولوں اور اس کے پاک پیاموں کے پیغام بروں کو ڈھونڈھے گی۔

ہاں اگر دنیا ایسا کرے تو یہ فی الحقیقت اس کی مصیبتوں کا خاتمہ ہوگا، اس کے دائمی درد اور بے قراریوں کے لئے سکھ اور راحت کی ایک حیات بخش کروٹ ہوگی، اور وہ بلاشبہ منزلِ مقصود کو پالے گی۔ قرآن حکیم نے بھی اس کے دکھ کا یہی علاج بتلایا ہے اور جب کہ وہ بادشاہوں، قومی پیشواؤں، کاہنوں، اور علم و مذہب کے جھوٹے مدعیوں کے دامن غرور میں لپٹی ہوئی تھی، تو اسے وصیت کی کہ وہ سچائی کے رسولوں اور خدا کے داعیوں کی راہ اختیار کرے، اور انھی کی زندگی کو اپنا نصب العین بنائے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝

خدایا تو ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا وہ صراطِ مستقیم جو تیرے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، صالح بندوں کی راہ عمل ہے!

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس میدان میں بھی اگر وہ کونسی زندگی ہے، جس کے اعمال دعوت کے اندر دنیا کو پیام امن و سعادت مل سکتا ہے؟

دنیا میں آج جو بڑے بڑے مذاہب موجود ہیں، وہ علم الاقوام

کی تقسیم کے مطابق دو قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک سمیا طیقی سلسلہ ہے جس کے ماتحت یہودی اور مسیحی قومیں اب تک دنیا میں باقی ہیں۔ دوسرا آرین سلسلہ ہے جس سے گوتم بدھ اور ہندوستان کے تمام داعیان مذاہب وابستہ ہیں۔

پھر دنیا کے لئے اگر سب سے بڑا رسول یہودی مذہب کی تاریخ میں ہے، تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور ان کی پیدائش کو سب سے بڑا واقعہ قرار دے گی۔ لیکن اگر اس نے ایسا کرنا چاہا تو اسے یہ سمجھنے کا حق حاصل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعمال حیات میں اپنے لئے پیام امن ڈھونڈھے۔ حضرت موسیٰ کی حیات مقدس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مصر کی ایک جابر و ظالم گورنمنٹ کے پنجۂ استبداد سے بنی اسرائیل کو نجات دلائی، اور اسے غلامی کی ناپاکی سے نکال کر جو انسانیت کے لئے سب سے بڑی ناپاکی ہے، حکومت و امن و عزت کی طہارت تک پہنچا دیا۔

بلاشبہ انھوں نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کی نسل کے لئے بڑا ہی مقدس جہاد کیا، اور یہ ان کا یادگار عالم اسوۂ حسنہ ہے جس کی دنیا کو تقدیس کرنی چاہیئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انھوں نے تمام دنیا کے لئے کیا کیا؟ دنیا صرف بنی اسرائیل ہی کا نام نہیں ہے۔ غیر الٰہی عبودیت کی

زنجیریں صرف بنی اسرائیل ہی کے پاؤں میں نہیں تھیں بلکہ کرۂ ارضی کی تمام آبادی کے پاؤں اس کے بوجھ سے زخمی تھے پس دنیا کے لئے وہی تلوار محبوب ہو سکتی ہے جو صرف فرعون کی ڈالی ہوئی زنجیروں ہی کو نہ کاٹے بلکہ دنیا کے تمام فرعونوں کے تخت غرور کو الٹ دے؟

انھوں نے صرف بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلائی، مگر تمام دنیا غلامی سے نکلنے کی آرزومند ہے۔

دوسرا سب سے بڑا اسرائیلی مذہب مسیحی تحریک کا ہے، لیکن مسیحی دعوت کی تعلیم ہمارے سامنے ہے۔ اس کے علاوہ مسیحیت سے منسوب قومیں جو کچھ کہیں گی، ہم انھیں حضرت مسیح کے نام سے قبول نہیں کر سکتے حضرت مسیح نے کہا کہ میں صرف توراۃ کو قائم کرنے آیا ہوں، خود کوئی نئی دعوت نہیں لایا (متی ۵: ۱۷) انھوں نے تصریح کی کہ میرا مشن صرف بنی اسرائیل کی اصلاح تک محدود ہے۔ نیز انھوں نے غیر قوموں میں منادی کرنے سے روکا[1] اور ہمیشہ اپنے کاموں اور اپنی وصیتوں میں اپنی تعلیم

---

[1] غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور نہ سامریوں کے کسی شہر میں داخل ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی ۹: ۶)

کو اسرائیل کے گھرانے تک ہی محدود رکھا۔ پس دراصل انھوں نے جو کچھ بھی خدمت کرنی چاہیئے، وہ محض بنی اسرائیل نامی ایک مسخ شدہ قوم کی تھی تمام دنیا کے لئے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

پھر ان کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ روم کی ظالمانہ حکومت نے شام کے مقدس مرغزاروں کو روند ڈالا تھا، اور بت پرست قوموں کی جابرو مستبد گورنمنٹیں دنیا کے بڑے حصے کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھیں، لیکن انھوں نے نہ تو اس ظلم وطغیان کے متعلق کچھ کہا، اور نہ اس سے کچھ تعرض کیا۔

پہلی صدی مسیحی کے بعد جس قدر مسیحی قومیں دنیا میں آباد ہوئیں ان کو حضرت مسیح کی تعلیم اور دعوت سے کچھ تعلق نہ تھا اور وہ سرتاسر یونان کے ایک تعلیم یافتہ یہودی پولس کے مذہب کی پیرو تھیں۔ پولس نے تمام حواریان مسیح کے مذہب کے خلاف غیر اسرائیلی انسانوں کو بپتسما دینا شروع کیا، اور اس طرح روم و یونان کے مختلف جزیروں اور دیہاتوں میں ایک نیا گروہ پیدا کرلیا۔ پس اگر دنیا حضرت مسیح کی طرف جھکنا چاہے گی تو دنیا کو ان کے کارنامۂ حیات کے لئے بمشکل ایک چوتھائی صدی ہاتھ آئے گی، جس کے اندر ان کے تربیت یافتہ حواریوں کے اعمال نظر آسکتے ہیں اور یہ چند سال فضائل ومحاسن اخلاق کا کیسا ہی عمدہ نمونہ پیش کریں، لیکن ان میں دنیا کے لئے کوئی عام پیام نجات نہیں ہے۔

پھر اس سے بھی قطع نظر کرو۔ نتائج کی بحث بعد کو آتی ہے، سب سے پہلے دعوت، اعلان، ادعا، اور نفس تعلیم کا سوال ہے۔ دنیا حضرت مسیح کی یاد پر کیونکر قناعت کرلے جبکہ خود انھوں نے دنیا کے لئے کچھ نہ کیا؛ بلکہ ہمیشہ اسے ٹھکرایا، مردود کیا، اور اس کے ساتھیوں کو، اس کے دوستوں کو، اور اس سے رشتہ رکھنے والوں کو خدا کی بادشاہت کی مہربانی سے محروم بتلایا! حتیٰ کہ ایک آخری فتویٰ دے دیا "تم خدا اور دنیا، دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے" (متی ۶: ۲۵) "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (متی ۱۹: ۲۳)

اس سے بھی درگذر کرو، اور اس کی بہتر سے بہتر توجیہہ جو کرسکتے ہو کرلو۔ نیز نفس دعوت ہی کو حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت تسلیم کرلو۔ اور ان تمام قوموں کو جنھوں نے مسیح کے نام پر بپتسما کا پانی اپنے اوپر چھڑکا، مسیحی دعوت کا پھل مان لو لیکن پھر بھی مسیحی تحریک کی پوری تاریخ کا کیا حال ہے؟ جب تک مسیحیت دنیا پر حکمران رہی، جس وقت تک مسیحی مذہب کا دینی تسلط انسانوں سے اطاعت کراتا رہا، اور جب تک کہ مسیحی راہنماؤں اور خلیفوں کی غلامی سے دنیا نے انحراف نہ کیا، تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت تک اس کا وجود دنیا کے لئے، دنیا کے علم و تمدن کے لئے، آبادی و عمران کے لئے، اخلاق و پاکیزگی کے لئے،

اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کی فطری حریت اور شرف انسانیت کے لئے ایک بدترین لعنت رہا، جس نے جلایا، ویران کیا، مسمار کیا، قتل کیا، جیل خانے بھرے، زبانوں پر مہریں لگائیں، انسانی دماغوں کو معطل کیا، لیکن انسان اور انسانیت کی راستی و ترقی کے لئے چند لمحوں کا بھی ایک دور پیدا نہ کیا۔ مشہور مورخ گیزو، سیدیو، مارے، اور ڈریپر اس بارے میں ہمارے لئے بہترین راوی ہیں۔

لیکن جس وقت سے کہ مسیحیت کی قوت نے شکست کھائی، تمدن کا غیر دینی دور شروع ہوا، مذہبی جماعتوں اور مذہبی خلافت (پوپ) کے حلقۂ غلامی سے یورپ آزاد ہو گیا، تو اس وقت سے یورپ کے موجودہ تمدن کی بنیاد پڑی اور مسیحی قوموں نے ترقی شروع کی۔

اگر تم کہتے ہو کہ دنیا کے لئے سب سے بڑی عظمت مسیحی مذہب کے بانی میں تھی، تو خود اس کے بانی ہی نے ہمیں معیار حق و باطل بھی بتلا دیا ہے کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" (مرقس ۱۹: ۱۶) پس دنیا اگر مسیحی مذہب کی پیدائش کے اندر اپنی خوشی کو ڈھونڈھے، تو اس کو انسان کی امن و سلامتی اور فطرت کی آزادی و سعادت کی جگہ قتل و غارت اور ہلاکت و غلامی کی یادگار کا جشن منانا پڑے گا۔ کیونکہ مسیحیت کے درخت کا صرف یہی پھل ہمارے سامنے ہے۔

پھر کیا دنیا اس کے لئے تیار ہے؟

یہ جو کچھ تھا مسیحی اقوام کی تاریخ قدیم کی بنا پر تھا، لیکن اگر اس پر گذشتہ دو صدیوں کے واقعات و نتائج کا بھی اضافہ کردیا جائے جو اقوام یورپ کے اعمال تمدن سے وابستہ ہیں، تو دنیا کی مایوسی اور زیادہ درد انگیز ہو جائے۔

اس کے بعد مذاہب عالم میں آرین نسلوں کی دعوتیں ہمارے سامنے آتی ہیں لیکن افسوس کہ دنیا کے لئے ان کے پاس بھی کوئی پیام سعادت نہیں۔ عظیم الشان گوتم بدھ کی تمام تعالیم و وصایا کا ماحصل یہ بتلایا جاتا ہے کہ "نجات دنیا کے ساتھ رہ کر حاصل نہیں ہو سکتی"۔ پس دنیا کو جن لوگوں نے ٹھکرا دیا، دنیا ان کے پاس جا کر کیا سکھ حاصل کرے گی؟

پھر اس نے جو کچھ بھی بتلایا اور سکھلایا ہو، لیکن قوموں اور ملکوں کے دائرہ ہی میں اس کی دعوت محدود رہی۔ ہندوستان میں اسے شکست ملی تو جاپان اور چین میں جا کر محدود ہو گئی۔ پس زمین اپنی اس مصیبت کے لئے جو رقیبوں اور ملکوں میں محدود نہیں ہے، عظیم الشان بدھ سے کیا حاصل کر سکتی ہے؟

ہندوستان کے مذہبی ذخیرۂ تعلیمات اور ان کی پر اثر قدامت کی وقعت سے ہم انکار نہیں کر سکتے، تاہم دنیا کے لئے ان کے بانیوں

کی عظمت کے اندر کیا خوشی ہو سکتی ہے جبکہ کوہ ہمالہ کی دیواروں اور بحر عرب کی موجوں سے باہر بھی دنیا ہے، مگر ہندوستان کے مذہبی داعیوں نے صرف ہندوستان کے اندر بسنے والوں ہی کو اپنی ہدایتیں سپرد کیں۔

(۱۰)

پس دنیا اگر اپنی نجات کے لئے بیچین ہے تو اس کے لئے راحت اور تسکین کا پیام صرف ایک ہی ہے، اور صرف ایک ہی کی زندگی میں ہے۔ اس کا دکھ ایک ہی ہے، اس لئے اس کی شفا کے نسخے بھی ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اس کا پروردگار ایک ہے، جو اپنے ایک ہی آفتاب کو اس کے خشک و تر پر چمکاتا، اور ایک ہی طرح کی بدلیوں سے اس کے آباد و ویرانے کو شاداب کرتا ہے، پس اس کی ہدایت و رحمت کا آفتاب بھی ایک ہی ہے، اور گو بہت سے تارے اس کی روشنی سے اکتساب نور کرتے ہوں، مگر ان سب کا مرکز و مبدا، نورانیت ایک ہی ہے۔

قرآن حکیم نے آفتاب کو "سراج" کہا:

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (۷۸ : ۱۴) اور ہم نے آسمان میں سورج کے چراغ کو بڑا ہی روشن بنایا۔

اور اسی طرح اس کے ظہور کو بھی "سراج" کہا جس کی ہدایت و رحمت کی روشنی تمام کرۂ ارضی کی ظلمتوں کے لئے پیام صبح تھی۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ، وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ،	اے پیغمبر اسلام! ہم نے تم کو دنیا کے آگے حق کی گواہی دینے والا، سعادت انسانیت کی خوش خبری پھیلانے والا اللہ کی طرف اس کے بندوں کو بلانے والا، اور دنیا کی تاریکیوں کے لئے ایک چراغ نورانی بنا کر بھیجا۔

پس تمام کرۂ ارضی کی روشنی کے لئے یہی ایک آفتاب ہدایت ہے، جس کی عالم تسخیر کرنوں کے اندر دنیا اپنی تمام تاریکیوں کے لئے نور بشارت پا سکتی ہے۔ اور اس لئے صرف وہی ایک ہے جس کے طلوع کے پہلے دن کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی، اور اگر اس نے بھلا دیا ہے تو وہ وقت دور نہیں جب اسے کامل عشق و شیفتگی کے ساتھ صرف اسی کے آگے جھکنا پڑے گا، اور اسی کو اپنا کعبۂ امید بنانا پڑے گا۔

اس مقدس پیدائش نے دنیا میں ظاہر ہو کر یہ نہیں کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے آیا ہوں، بلکہ اس نے کہا کہ تمام عالم انسانیت کو غیر الٰہی غلامیوں سے نجات دلانا میرا مقصد ظہور ہے۔ اس نے صرف اسرائیل کے گھرانے کی گم شدہ رونق ہی سے

عشق نہیں کیا، بلکہ تمام عالم کی اُجڑی ہوئی بستی پر غمگینی کی ماتمداماں کی دوبارہ رونق و آبادی کا اعلان کیا۔ اس نے اس خدا کی محبتوں کی طرف دعوت نہیں دی جو صرف سینا کی چوٹیوں یا ہمالہ کی گھاٹیوں میں بستا ہو بلکہ اس رب العالمین کی طرف بلایا جو تمام نظام ہستی کا پروردگار ہے، اور اس لئے تمام کائنات عالم کو اپنی طرف بلا رہا ہے، ہم کو دنیا میں سکندر ملتا ہے جس نے تمام عالم کو فتح کرنا چاہا تھا، لیکن ہم دنیا کی پوری تاریخ میں خدا کے کسی رسول کو نہیں پاتے جس نے تمام عالم کی ضلالتوں اور تاریکیوں کے خلاف اعلان جہاد کیا ہو۔ اس کا صرف ایک ہی اعلان ہے جو آغاز خلقت سے اب تک کیا گیا ہے، اور اس لئے اگر دنیا نسلوں، قوموں اور رقیبوں کا نام نہیں ہے بلکہ مخلوقات الٰہی کی اس پوری نسل کا نام ہے جو کرۂ ارضی کی پیٹھ پر بستی ہے، تو وہ مجبور ہے کہ ہر طرف سے مایوسی کی نظریں ہٹا کر صرف اس ایک ہی اعلان عام کے آگے جھک جائے اور صرف اسی کی پیدائش کے دن کو اپنی عمر کا سب سے بڑا دن یقین کرے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	کیا ہی پاک اور برکتوں کا سرچشمہ ہے
عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ	ذات اس کی جس نے اپنے برگزیدہ
لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (۲۵:۱)	بندے پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ

قوموں اور ملکوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کے لئے ڈرانے والا ہو!

دنیا میں جس قدر داعیان حق وصداقت کے اعلانات موجود ہیں، اگر دنیا ان کو بھلا دے گی، تو یہ صرف قوموں اور ملکوں کی سعادت کی فراموشی ہوگی، کیونکہ اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہ کہا، لیکن اگر ربیع الاوّل کو اس نے بھلا دیا، تو یہ تمام کرۂ ارضی کی نجات کو بھلا دینا ہوگا، کیونکہ ربیع الاوّل کی رحمت کسی ایک سرزمین کے لئے نہیں بلکہ تمام عالمین کے لئے تھی۔

ماہِ مقدس

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن

دنیا ایک تماشا گاہ حوادث ہے جس کے مناظر دمبدم متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا نقاب جسم و صورت ایک جلوۂ نیرنگی و بوقلمونی ہے، جو حوادث و انقلابات عالم کے ہاتھوں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ یہ تغیر عام ہے اور تجدد و تبدل کے قانون سے کائنات کی کوئی شے خالی نہیں۔ جس طرح انسان کی عظیم الشان آبادیوں اور بحر و بر کے بڑے بڑے رقبوں میں انقلابات و تبدلات ہوتے رہتے ہیں اسی طرح اُن غیر مرئی ذرّوں میں بھی ایک محشر تغیر اور رست خیز تجدد برپا ہے، جن سے جسم کائنات کے اجزائے طبیعہ ترکیب پاتے ہیں، اور جو اس قدر چھوٹے ہیں کہ انھیں انسان کی چشم غیر مسلح[1] نہیں دیکھ سکتی!

---

[1] چشم غیر مسلح یعنی بغیر کسی آلے کے دیکھنے والی آنکھ۔

ان انقلابات کا ایک بڑا نمونہ مظاہر فطرۃ کا نمود اور کائنات ہستی کے تغیرات طبیعیہ ہیں جو آغاز تکوین سے جاری ہیں اور جنھوں نے نہیں معلوم کتنی مرتبہ کرۂ ارضی کا نقشہ بدل دیا ہے؟ مثلاً وہ حوادث طبیعیہ جن کی وجہ سے دریا خشک ہوگئے، زمین کے بڑے بڑے رقبے سمندر میں مل کر فنا ہوگئے، دریاؤں نے اپنا رُخ بدل دیا، اور اپنی روانی کی جگہ خشکی کے بڑے بڑے ٹکڑے چھوڑ دیے بحر اطلانطیک میں کبھی بے شمار جزیرے تھے، آج سب سے بڑی دریائی موجیں اسی میں اُٹھتی ہیں۔ بحر عرب اور قلزم کے درمیان بہت بڑا حصہ ارضی حائل تھا، مگر چند قرون حوادث بحریہ کے بعد اتنا کم رہ گیا کہ بآسانی ملا دیا گیا۔ یا مثلاً وہ انقلابات جو آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے آئے اور دور دور تک اُنھوں نے زمین کی سطح بدل دی، یا وہ ہولناک زلزلے جنھوں نے ایک پوری اقلیم کو تہ و بالا کر دیا، اور خشکی کے نشیب میں بالائی سطح کے دریا اُمنڈ آئے۔ اسی طرح وہ انقلابات ارضیہ جو علم طبقات الارض کے موثرات طبیعیہ سے ہمیشہ آتے رہتے ہیں، اور جن کی وجہ سے دریاؤں کے رُخ بدلتے، خشکیوں کے قطعات غرق ہوتے، اور آبادی کی جگہ ویرانی اور زندگی کی جگہ موت طاری ہو جاتی ہے!

انقلاب اقوام و امم

اسی طرح تماشا گاہِ ہستی کا ایک بہت بڑا منظر وہ تغیرات بھی ہیں جن کے طوفان قوموں اور ملکوں کے اندر اٹھتے ہیں اور بڑی بڑی آبادیوں کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ آبادیوں کی جگہ ویرانیوں سے مبدل ہو جاتی ہے، صحراؤں کی جگہ شہر بس جاتے ہیں۔ زندگی کی رونق پر موت کا سناٹا چھا جاتا ہے، اور انسانی عیش و نشاط کے بڑے بڑے محل مدفن قبور و مقبرۂ اموات و خرابۂ سلسبۂ نقب ہو کر نابود و مفقود ہو جاتے ہیں۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۔

(۲۸ : ۵۸)

اور کتنی ہی آبادیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا، حالانکہ اسباب حیات و معیشت سے وہ مالا مال تھیں۔ یہ برباد کے خرابے اور تباہی کے کھنڈر انھی لوگوں کے گھر ہیں جو پھر آباد نہ ہو سکے اور آخر کار اُن کے مال و متاع کے ہم ہی وارث ہوئے!

سکندر اعظم نے ایران کو جلا کر تباہ کر دیا۔ ایرانیوں نے بابل کی اینٹیں بجا دیں، بخت نصر نے بیت المقدس کو ویران کر کے

بنی اسرائیل کو کئی قرنوں تک مقید رکھا، رومیوں نے ایشیا اور افریقہ کی آبادیاں بارہا غارت کیں، اور ٹیٹس نے شمالی افریقہ کے ریگ زاروں کے اندر عالی شان شہر آباد کئے، تاتاریوں کے اولین ظہور نے رومتہ الکبریٰ کی تاریخ ختم کردی تھی، اور جرمنی کے وحشیوں نے تمدن قدیم کا نقشہ بدل دیا تھا۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

انقلاب مادی و روحانی

لیکن یہ تمام انقلاباتِ عالم جسم و ظاہر کے تغیرات ہیں جو صرف دریاؤں اور خشکیوں کو، آبادیوں اور صحراؤں کو، پہاڑوں اور جنگلوں کو، انسانوں کے بسائے ہوئے شہروں اور اُن کے مکانوں کی اینٹوں اور پتھروں کو بدل دیتے ہیں اور ان کے اندر سلطان تغیر و تقلب کی قوت اس سے زیادہ طاقت ور نہیں ہوتی۔

لیکن ان انقلابات سے بھی بالاتر ایک عالم تغیر و تبدل ہے، جس کے انقلابات کی حکومت صرف مادے کی نمود اور جسم کی صورت ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی آگے تک نکل گئی ہے۔ پہلے قسم کے انقلابات مٹی کے ذروں، اینٹ پتھر کے مکانوں اور انسان کے جسموں اور صورتوں کو بدل دیتے ہیں، پر

یہ انقلابات روحوں اور دلوں کی کائنات کو منقلب کر ڈالتے ہیں اس عالم کے بحرِ ذخّار کے طوفان دنیا کے طوفانوں کی طرح نہیں ہیں جو سمندروں میں اُٹھتے ہیں اور کناروں سے ٹکرا کے رہ جاتے ہیں، بلکہ اُس کی موجوں کا منبع آسمان کے اوپر ہی جہاں سے وہ جوش کھاتی ہوئی ابلتی ہیں، اور کرۂ ارضی کی سطح پر گرتی ہیں!

اس کے اندر جب زلزلے اُٹھتے ہیں تو صرف زمین کے محدود رقبوں ہی کو جنبش نہیں دیتے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پورے کرۂ ارضی کو ہلا دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی پیدا کی ہوئی جنبش نظام اعتقاد و عمل کے اندر حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے آتش فشاں پہاڑوں کی آتش افشانی صرف پتھروں کے اڑا دینے ہی میں صرف نہیں ہوجاتی بلکہ جب اُس کے پہاڑ پھٹتے ہیں تو انسانی اعتقادات و اعمال کی بڑی بڑی اقلیموں کو اڑا کر نابود کر دیتے ہیں۔ پہلے قسم کے انقلابات شہروں کو ویران کرتے ہیں، پر یہ انقلاب وہ ہیں جو دلوں کی اجڑی ہوئی بستیوں کو آباد کر دیتے ہیں۔ اُن کی فتح و تسخیر جسم و زمین کی ہوتی ہے، مگر ان کا احاطہ قلب و معنی کا ہوتا ہے۔ وہ زمین کی تبدیلیاں ہیں جو زمین والے انجام دیتے ہیں، مگر یہ آسمانی تبدیلی ہے جسے ارواح سماویہ کا نزولُ

درود پورا کرتا ہے۔ وہ ویرانی اور موت لاتے ہیں مگر یہ آبادی اور زندگی کی بشارت دیتے ہیں۔ وہ جسموں کو بدلتے ہیں جو فانی ہیں مگر یہ روحوں کو بدل دیتے ہیں جو دائمی زندگی باقی ہیں۔ اُن کا شہریار زمین کے رقبوں اور انسان کے جسموں کو مسخر کرتا ہے، تاکہ اپنی بادشاہت کا تخت بچھائے، پر اس اقلیم کا فاتح جب اُٹھتا ہے تو زمین کی جگہ آسمان کی برکتوں کو اور انسان کے جسموں کی جگہ اُن کی روحوں کو فتح کرتا ہے تا خدا کے تخت و جلال و کبریائی کا اعلان کر دے!

فی الحقیقت یہی تغیرات دنیا کے اصلی انقلابات ہیں جن سے کائناتِ انسانیہ کا نقشۂ حیات و ممات مٹتا اور بدلتا رہتا ہے، اور جن کی بدولت دنیا کی سعادت و ہدایت کا قیام اور عالم انسانیہ کی ابدیت روحانی و امنیت قلبی کو بقا ہے۔ ان روحانی انقلابات کے آگے مادی انقلابات بالکل ہیچ ہیں اور ان کے سلطان تجدد و تبدل کی دائمی و عالمگیر طاقت کے آگے زمینوں اور مکانوں کے انقلابات کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ ان کی ہستی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ زمین کے چند رقبوں کو بدل دیں یا چند لاکھ انسانوں کو نابود کر دیں، لیکن یہ انقلابات کروڑوں انسانوں کے ان اعتقادات

و اعمال کو بدل دیتے ہیں جو صدیوں سے اُن کے دلوں میں جاگزیں ہوتے ہیں اور ان عالمگیر گمراہیوں اور تاریکیوں کو نابود کر دیتے ہیں جو تمام سطح ارضی پر چھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ دریاؤں کو خشک کر دینا آسان ہے اور زمین کو سمندر بنا دینا مشکل نہیں، پر گڑوروں روحوں اور دلوں کو بدل دینا بہت مشکل ہے جس کی قوت مادہ کی طاقتوں کو نہیں دی گئی۔

سکندر اعظم نے نصف دنیا فتح کر لی، لیکن وہ ایک دل کو بھی فتح نہ کر سکا۔ رومیوں نے کیسے کیسے عظیم الشان شہر بسا دیے لیکن دلوں کی اُجڑی ہوئی بستی نہ بسا سکے۔ بخت نصر اتنا طاقتور تھا کہ ایک پوری قوم کو اُس نے قید کر لیا اور ستر برس تک غلام بنائے رکھا لیکن بایں ہمہ وہ ان میں سے ایک دل کو بھی اپنا غلام نہ بنا سکا۔ ایرانیوں نے بابل کے لاکھوں انسانوں کو قتل کر دیا لیکن وہ ایک روح کی گمراہی کو بھی قتل نہ کر سکے۔ بلاشبہ دنیا میں بڑے بڑے مادی انقلابات گذر چکے ہیں، جنھوں نے عجب نہیں کہ درمیان کی زمینیں کاٹ کے سمندروں کو باہم ملا دیا ہو لیکن کسی کی طاقت یہ نہ کر سکی کہ ایک انسان کو بھی اس کے خدا سے ملا دے، حالانکہ وہ اس سے دور نہیں۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ

مِّنكُمْ وَلٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ (۵۶ : ۸۳)

پس مادی طاقتوں کی تبدیلیاں کتنی ہی مہیب اور ہولناک ہوں مگر وہ عظمت و جلال نہیں پا سکتیں جو روحانی انقلابات کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ظہور کو بھی حاصل ہے۔ سکندر اعظم کو تم دنیا کا سب سے بڑا فاتح کہتے ہو، لیکن بتلاؤ اس نے اپنی تمام عُمر میں بدیوں کے کتنے لشکروں کو شکست دی، اور ضلالتوں کے کتنے بت توڑے؟

بقائے ذکر و دوام تذکار

اسی کا نتیجہ ہے کہ انقلابات و تغیرات کے "تنازع للبقا" میں اُن انقلابوں کے تذکرے کو رفعتِ ذکر اور زندگی دوام نہیں ملتی، جو صرف کائنات کی صورت کو بدلنا چاہتے ہیں۔ پر وہ جو اس کی روح و معنی کو بدلتے ہیں، ایک ایسی حیات قائم و دائم اور ہستی عام و غیر محدود لے کر آتے ہیں کہ نہ تو وقت کا امتداد و بعد اُن کی یاد کو فنا کر سکتا ہے اور نہ حوادث و تغیرات کا ہاتھ اُن کے ذکر کو مٹا سکتا ہے۔ صدیوں پر صدیاں گذر جاتی ہیں مگر اُن کا ذکر دنیا کو ایسا ہی یاد ہوتا ہے جیسا کہ اُن کے ظہور کے پہلے دن تھا۔

وہ اپنی یاد اور تذکار کو آیندہ باقی رکھنے کے لئے جمعیتہ بشری

کے سپرد کر دیتے ہیں جو نسلاً بعد نسل اس مقدس امانت کی حفاظت کرتی رہتی ہے اور کروڑوں انسان اپنے تئیں اس کی یاد کا پیکر و تمثال بنا لیتے ہیں پس جو قوت کہ ایک کی جگہ کروڑوں میں ہو اور جس امانت کے حامل و محافظ اوقات و ایام نہیں بلکہ ارواح و قلوب ہوں، اس کو کون مٹا سکتا ہے اور وہ کب نابود ہو سکتی ہے؟ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (۳۶: ۱۲)

سکندر کا نام تاریخ کے کہنہ صفحوں کے باہر کتنوں کو یاد ہے؟ روما کے فاتح اعظم کو آج کون ہے جو عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی یاد کر لیتا ہو؟ شہروں کے بسانے والے، ملکوں کو فتح کرنے والے دریاؤں کو کاٹنے والے اور پہاڑوں میں سے راہ نکالنے والے اپنے وقتوں میں بڑے ہی طاقتور ہوں گے جب کہ انھوں نے ایسے ایسے عظیم الشان انقلابی کام کئے تھے، بایں ہمہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ہی ان کا وجود اور ان کے انقلابات کا ذکر بھی فنا ہو گیا۔ اور دنیا نے انھیں یاد رکھنے کی ذرا بھی پروا نہ کی حتیٰ کہ وہ آج مٹ جانے والی قبروں اور نابود ہو جانے والے نشانوں کی طرح گمنام ہیں اور کسی کو اتنا بھی یاد نہیں ہے

کہ وہ کب تھے؟ کہاں تھے؟ اور اُنھوں نے دنیا میں کیا کیا انقلابات کئے؟ کَاَنْ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَذْکُوْرًا ۔

سنہ ۶ عیسوی

ایسا ہی ایک انقلاب روحانی تھا، جو اب سے ٹھیک ۱۳۴۴ برس پہلے دنیا میں ہوا، جبکہ دنیا تغیر کے لئے بیقرار اور تبدیلی کے لئے تشنہ تھی، اور جبکہ کوئی نہ تھا جو اس کی پیاس کو بجھائے اور اس کے لئے مضطرب ہو۔ وہ سمندروں کی طغیانی نہ تھی جو زمین کی بستیوں پر چڑھ آتے ہیں، بلکہ سرچشمۂ ہدایت وفیضان الہٰی کا ایک سرجوش آسمانی تھا جو برسات کے پانی کی طرح زمین پر برساتا اُسے سیراب کردے۔ وہ زمین کی سطح کو ہلانے والا بھونچال نہ تھا جس سے ڈر کر انسان روتا ہے اور پرند اپنے گھونسلوں سے نکل کر چیخنے لگتے ہیں، بلکہ عالم روح ومعنی کا ایک آسمانی زلزلہ تھا جس کی جنبش نے دلوں کو غفلت سے بیدار کیا اور بیقرار روحوں کو امن اور راحت بخشی، تا وہ سونے کی جگہ بیدار ہوں اور رونے کی جگہ خوشیاں منائیں وہ انسانوں کی درندگی نہ تھی جو اپنے ابنائے جنس کو سانپوں کی طرح ڈستی اور بھیڑیوں کی طرح چیرتی پھاڑتی ہے، بلکہ خدائی

اور فرشتوں کی برکت کا ایک الٰہی ظہور تھا، جو نسل آدم کے بچھڑے ہوئے گھرانوں کو یکجا کرتا اور زمین کو اس کی چھنی ہوئے امنیت اور سعادت واپس دلاتا تھا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۹:۱۲۸)

تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول الٰہی آیا جس پر تمھاری تکلیف بہت ہی شاق گذرتی ہے۔ اور تمھاری اصلاح کی اُسے بڑی ہی تمنا ہے۔ مسلمانوں پر نہایت شفیق اور بے حد مہربان!

لیلۃ القدر

یہ انقلاب جس نے دنیا کے لیالی و ایام ہدایت کی تقویم بدل دی، فی الحقیقت ایک مقدس ذات تھی جو وادی بطحیٰ کے کنارے جبل بو قبیس کی ایک تنگ و تاریک غار کے اندر نمودار ہوئی اور اس شبستان لاہوتی کے اندر مشرق ربوبیت اعلیٰ سے آفتاب کلام اللہ طلوع ہوا!

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا

اے لوگو! تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس "برہان مقدس"

اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا (۴ : ۱۷۴) بھیجی گئی اور ہم نے تمہاری طرف ایک نہایت روشن اور کھلا نور نازل کیا!

دنیا پر چھ صدیاں ضلالت کے سناٹے اور کفر کی خاموشی کی گذر چکی تھیں لیکن اب وقت آگیا تھا کہ سینا کے بیابان کا خداوند اور کوہ فاران کی روح القدس پھر گویا ہو، اور ایام اللہ کا ایک نیا موسم پھر آئے۔ پس ایسا ہوا کہ فضائے وحی الٰہی کے افق مبین پر نور روشنی کی بدلیاں چھاگئیں، فیضانِ الٰہیہ کے بحر رواں پھر جوش میں آگئے، ملائے اعلیٰ اور قدسیان عالم بالا میں ہل چل مچ گئی، مدبرات روحانیہ اور ملائکہ سماویہ کو حکم ہوا کہ زمین کی طرف متوجہ ہو جائیں کیونکہ اب وہ آسمانوں میں مقہور و مخذول نہیں رہی۔ آسمانوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کر دیئے تھے، یکایک کھل گئے۔ خزائن فیضان و برکات سماویہ جن کی بخشش کا سلسلہ رک گیا تھا پھر مساکین ہدایت و سائلین رحمت کے منتظر ہوگئے۔ خداوند سینا اپنے دس ہزار قدسیوں کو ساتھ لے کر فاران پر نمودار ہوا تا آتشین شریعت کو ہویدا کرے، اور کوہ سعیر کی روح القدس فارقلیط اعظم کی ہیکل میں متشکل ہوئی تا اس کو بھیج دے جو ناصرہ کے

نبی کے آئے بغیر نہیں جا سکتا تھا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ	ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ	اور تم سمجھے کہ لیلۃ القدر کیا شے ہے؟
لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ	لیلۃ القدر ایک عہد رحمت و دور
اَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ	برکت ہے جو ہزار مہینوں سے افضل
وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ	ہے ۔ ملائکہ سماوی و روح الٰہی کا
مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِیَ	اس میں ہر طرف سے نزول ہوتا ہے
حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۔	سلام اس پر، یہاں تک کہ صبح
	طلوع ہو جائے ۔

وہ آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا نہ تھا جن کی چوٹیوں سے آگ اُبلتی اور ہلاکت و موت بن کر اجسام حیوانیہ پر برستی ہے، بلکہ وہ فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہونے والا ابر رحمت تھا جو انسانیت کی سوکھی کھیتیوں کو سرسبز کرنے اور کائنات ارضی کی تشنگی سعادت کو سیراب کرنے کے لئے امنڈا تھا، تاکہ جس طرح یروشلیم کے مرغزاروں کو ہدایت کی بہشت بنایا گیا تھا، اسی طرح عرب کی ریتلی اور بنجر زمین کو بھی شگفتہ و شاداب کر دے:

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ	پس رحمتِ الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو

كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۳۰:۴۹)

کہ کس طرح وہ موت کے بعد زمین کو حیات بخشتا ہے۔ بے شک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے!

نزولِ قرآنی

یہ قرآنِ حکیم اور فرقانِ مبین کا نزول تھا جس نے قلب محمد ابنِ عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا مہبط و مورد بنایا، جبکہ وہ غارِ حرا کے اندر بھوکا پیاسا، تمام مادیاتِ عالم سے کنارہ کش ہوکر اپنے پروردگار کے حضور میں سربسجود تھا:

اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۚ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۚ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۚ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۔ (۲۶:۱۹۱)

بے شک وہ پروردگارِ عالم کا اُتارا ہوا کلام ہے، روح الامین نے تیرے قلب پر نازل کیا تاکہ تو ضلالت و فساد کے نتائج سے دنیا کو ڈرانے والوں میں سے ہو اور سعادت و فلاح کی طرف دعوت دے۔ یہ کلام نہایت کھلی ہوئی اور واضح زبان عربی میں نازل ہوا اور پچھلی کتابوں میں اس کی خبر دی جاچکی تھی۔

وہ غذائے آسمانی کی طلب میں زمین کی پیداوار سے کنارہ کش ہوکر بھوکا پیاسا تھا، پس خداوند نے اس کی بھوک کو دنیا کی سیرابی کے لئے قبول کرلیا وھو یطعمنی ویسقینی ۔ وہ انسانیت کی غفلت و سرشاری کے دور کرنے کے لئے راتوں کو اٹھ اٹھ کر جاگتا تھا، پس اللہ نے اس کی بے خواب آنکھوں کو اپنے نظارۂ جمال سے ٹھنڈک بخشی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور تمام عالم کے لئے ایسے بصیرت عطا کی قد جاء کم بصائر من ربکم ۔ وہ انسانوں کو سرکشی اور تمرد کے عصیان سے نکالنے کے لئے شہنشاہِ ارض و سما کے آگے سربسجود تھا، پس رب الافواج نے اس کے سر کو الفت و یگانگت کے ہاتھوں سے اٹھایا، اور زمینوں اور آسمانوں میں سربلندی دی، تا اس کی روح اس کے کلام کی حامل ہو اور اس کے منہ سے خدا کی آواز نکلے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۵۳: ۴)

سعادت بشری کا یہ پاک پیغام جس کی تبلیغ نبی امی کے سپرد ہوئی، وحی الٰہی کا یہ فتح باب جو غارِ حرا کے عزلت گزیں پر ہوا خدا کا یہ مقدس کلام جو بلسان عربی مبین اس کے منہ میں ڈالا گیا،

سب سے پہلے جس رات میں اس کا ظہور ہوا وہ "لیلۃ القدر" تھی اور لیلۃ القدر جس مہینے میں آئی وہ رمضان المبارک تھا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ	رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن
فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى	نازل ہوا جو انسانوں کے لئے سراپا
لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ	ہدایت ہے اور جس کی تعلیم ہدایت
الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (بقرہ)	تمیز اور حق و باطل کی نشانی ہے۔

انقلاب اعظم

قرآن حکیم، فرقان مجید، نور، کتاب مبین، بصائر للناس، ہدی وموعظۃ للمتقین، شفاء لما فی الصدور نے نازل ہوتے ہی تاریخ عالم کا صفحہ اُلٹ دیا، اور کشور انسانیۃ کی ازسرِنو تعمیر شروع کی وہ تمام تاریکیاں جنھوں نے نور سعادت سے دنیا کو محروم کر دیا تھا اور عالم ارضی یکسر شب تاریک ہو رہا تھا، اس آفتاب ہدایت کے طلوع ہوتے ہی نابود ہوگئیں اور ظلمت و تاریکی کی جگہ نور اور روشنی کا عہد رحمت شروع ہوا۔ اس نے کفر و ثلثیت کے طوق سے انسانوں کو نجات دلائی، انسانی غلامی و استبداد کی زنجیروں سے انھیں رہا کیا۔ نیکیوں کا ایک لشکر ترتیب دیا جس نے صدیوں کی پھیلی ہوئی بدیوں اور جمی ہوئی گمراہیوں کو شکست دی، اور خدا کی

بندگی اور پرستش کی ایک ایسی بادشاہت قائم کردی جس کے آگے دنیا کی تمام ماسوا اللہ طاقتیں سرنگوں ہو گئیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (۱۸ : ۵)	بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور واضح و روشن کتاب آئی۔ اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں پر سلامتی کی راہیں کھول دیتا ہے جو اس کی رضا کی متابعت کرتے ہیں وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور صراط مستقیم کی طرف ان کی ہدایت کرتا ہے !

ماہِ مقدس

پس رمضان المبارک کا مہینہ فی الحقیقت اس سعادت انسانیۃ اور ہدایت امم کے ظہور کی یادگار ہے، جس کا دروازہ قرآن حکیم کے نزول سے دنیا پر کھلا، اور خدا اور اس کے بندوں میں ہجر و حرماں کی جگہ وصل و محبت کے راز و نیاز شروع ہوئے۔ یہی مہینہ ہے جو اس آسمان کی سب سے بڑی برکت کے نزول کا ذریعہ بنا، اور یہی مہینہ ہے جو اپنے ساتھ زمین کی سب سے بڑی سعادت

لایا۔ اسی موسم میں خدا کی رحمتوں کی پہلے پہل بارش ہوئی اور اسی عہد میں دنیا کی وہ سب سے بڑی خشک سالی ختم ہوئی جو صدیوں سے کائنات روح و قلب پر چھائی ہوئی تھی۔ ہدایتوں کے فرشتے اسی میں اُترے، سعادت کے قدوسی اسی میں زمین پر پھیلے۔ خدا نے سب سے پہلے اسی مہینے میں بندوں کو پیار کیا اور بندوں نے بھی سب سے پہلے اسی ماہ میں اس کی محبت کا جام پیا۔ یہ پاکی اور بزرگی کا وقت تھا کہ پاک تعلیمات کا منبع بنا اور عظمت و شرف کا عہدِ مقدس تھا کہ خدا کا کلام اس کے بندوں پر نازل ہوا۔

پس جبکہ دنیا طرح طرح کی مادی یادگاروں کو منانا چاہتی تھی، تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس روحانی انقلاب کی یادگار کے امانت دار بنیں، اور جس ماہِ مبارک کو اپنی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کی وجہ سے خداوند نے قبول کر لیا ہے، اس کی قبولیت سے انکار نہ کریں۔ دنیا خوں ریزیوں کی یادگار مناتی ہے لیکن یہ سچے امن اور حقیقی رحمت کی یادگار ہے۔ دنیا لڑائیوں کی یاد رکھنا چاہتی ہے، یہ صلح و امنیت کے ورود کی یادگار ہے۔ دنیا نے تخت نشینوں کو سب سے بڑا سمجھ کر یاد رکھنا چاہا مگر یاد نہ رکھ سکی۔ خدا نے بتلایا کہ سب سے بڑا انسان ایک غار نشیں تھا جس کی یادگار

زندہ رکھی گئی اور ہمیشہ زندہ رہی۔ دُنیا نے ملکوں کی فتح اور زمینوں کی تسخیر کو بڑا واقعہ سمجھا اور اس کی یاد میں خوشیاں منائیں مگر ہمیں تعلیم دی گئی کہ دلوں کی فتح اور روحوں کی تسخیر ہی سب سے بڑی بات ہے اور اسی کی یادگار منانی چاہیئے :

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۹۴:۴) — اور ہم نے تیرے ذکر کو رفعت اور بقائے دوام عطا فرمایا!

اسوۂ ابراہیمی و اسوۂ محمدی

اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے قدوسیوں اور محبوبوں کے کسی فعل کو ضائع نہیں کرتا، اور اسے مثل ایک مظہر فطرۃ کے دنیا میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیتا ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کی دیواریں چنیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس قربان گاہ کا طواف کیا۔ خدا کو اپنے دوستوں کی یہ ادائیں کچھ اس طرح بھا گئیں کہ اس موقعہ کی ہر حرکت کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا اور اس کی یادگار منانا تمام پیروان دین حنیفی پر فرض کر دیا۔ ہر سال جب حج کا موسم آتا ہے تو لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوۂ خلیل اللہ جلوہ نما ہوتا ہے، اور ان میں سے ہر متنفس وہ سب کچھ کرتا ہے جو اب سے کئی ہزار سال پہلے خدا کے

دو دوستوں سے وہاں کیا تھا۔ یہی معنی ہیں اس بیانِ الٰہی کے کہ

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ (۱۹:۴۰)	ہم نے حضرت ابراہیم اور ان کی ذریت جسمانی و روحانی کو اپنی رحمت میں سے بڑا حصہ دیا، اور وہ یہ تھا کہ ان کے لئے ایک اعلیٰ و اشرف ذکر خیر دنیا میں باقی رکھا۔

یہ تو "اسوۂ ابراہیمی" کی یادگار تھی۔ لیکن جب وہ آیا جس کے لئے خود ابراہیم خلیل نے خداوند کے حضور میں التجا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ! (۲:۱۲۴)	اے پروردگار! میری ذریت میں ایک ایسا رسول بھیج جو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائے۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور دلوں اور روحوں کا تزکیہ کر دے، بے شک تو ہی عزیز و حکیم ہے!

تو دنیا کے لئے "اسوۂ محمدی" کی حقیقۃ الحقائق اعلیٰ رونما ہوئی اور ہدایت و سعادت کی اور تمام حقیقتیں بے اثر ہوگئیں۔ اس اسوۂ عظیمہ کا سب سے پہلا منظر وہ عالم ملکوتی کا استغراق اور

استہلاک تھا، جبکہ صاحب فرقان نے انسانوں کو ترک کرکے خدا کی صحبت اختیار کرلی تھی اور انسان کے بنائے ہوئے گھروں کو چھوڑکر غار حرا، کے غیر مصنوع حجرے میں غرلت گزیں ہوگیا تھا وہ اس عالم میں متصل کھوکا پیاسا رہتا تھا اور پوری پوری راتیں جمال الہی کے نظارے میں بسر کردیتا تھا، تا آنکہ اس تنگ و تاریک غار کی اندھیاری میں طلیعۂ قرآنی کا نور بے کیف طلوع ہوا اور مشرقستان الوہیت سے نکل کر اس کے قلب مقدس میں غروب ہوگیا:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (۲۵:۱)

تمام حمد و ثنا اس خدا کے لئے جس نے فرقان اپنے بندے پر نازل کیا، تاکہ وہ دنیا جہان کے لئے ڈرانے والا ہو۔

پس جس طرح خدا تعالیٰ نے دین حنیفی کے اولین داعی کے اسوہ کو حیات دائمی بخشی تھی، اسی طرح اس آخری متمم و مکمل وجود کے اسوۂ حسنہ کو بھی ہمیشہ کے لئے قائم کردیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کے اعمال حیات میں ارتقاء انسانیہ

حَسَنَۃٌ ۔ کا اعلیٰ ترین نمونہ رکھا گیا ہے۔

وہ بھوکا پیاسا رہتا تھا، پس تمام مومنوں کو حکم دیا گیا کہ تم بھی ان ایام میں بھوکے پیاسے رہو، تا ان برکتوں اور رحمتوں میں سے حصّہ پاؤ جو نزولِ قرآنی کے ایام اللہ کے لئے مخصوص تھیں۔ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر ایک تنہا گوشے میں خلوت نشیں تھا، پس ایسا ہوا کہ ہزاروں مومن و قانت روحیں ماہ مقدس میں اعتکاف کے لئے مسجد نشیں ہونے لگیں اور اس طرح غارِ حرا کے اعتکاف کی یاد ہر سال تازہ ہونے لگی۔ وہ راتوں کو حضورِ الٰہی میں مشغولِ عبادت رہتا تھا، پس پیروانِ اسوۂ محمدیہ و متبعانِ سنتِ احمدیہ بھی رمضان المبارک کی راتوں میں قیام لیل کرنے لگے، اور تلاوت و سماعت قرآنی کے وسیلے سے وہ تمام برکتیں ڈھونڈھنے لگے، جو اس ماہِ مبارک کو اس کے نزول و سعود سے حاصل ہیں!

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ پس تم میں سے جو اس مہینے کو پائے اُسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔

جس طرح اسوۂ ابراہیمی کی یادگار حج کو فرض کر کے قائم رکھی گئی اور لاکھوں انسانوں کو اسوۂ ابراہیمی کا پیکر بنایا گیا، اسی طرح اسوۂ محمدی کی بھی یہ یادگار ہے جو ماہ رمضان کی صورت میں قائم رکھی

گئی اور جو تیرہ سو برس کے گذر جانے کے بعد بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

خدا کی قائم کی ہوئی یادگاریں کاغذوں، اینٹ اور پتھر کی دیواروں، اور فانی زبانوں کی روایتوں میں باقی نہیں رکھی جاتیں کہ یہ انسانوں کے کام ہیں۔ وہ اپنے جس بندے کو بقائے دوام کے لیے چُن لیتا ہے اس کی یادگار کو مجمع انسانیہ کے سپرد کر دیتا ہے اور نوع بشری اس کی حامل بن جاتی ہے، پس نہ تو وہ مٹ سکتی ہے اور نہ کوئی اُسے مٹا سکتا ہے۔ آج بھی کروڑوں انسان کرۂ ارض پر موجود ہیں جو ماہِ مقدس کے آتے ہی اپنی زندگی کو یکسر بدل دیتے ہیں، اور اس یادگارِ عظیم و قدوس کو اس طرح اپنے جسم و دل پر طاری کر لیتے ہیں کہ اسوۂ محمدی کی روحانیت کبریٰ کروڑوں روحوں کے اندر سے انا لحی بالحی الذی لا یموت (میں زندہ و باقی ذات میں فنا ہو کر خود بھی ہمیشہ کے لئے زندہ و باقی ہو گیا ہوں) کی صدائے حقیقت سے غلغلہ انداز عالم و عالمیاں ہوتی ہے۔ پھر کیسی مقدس و اقدس تھی وہ بھوک، جس ایک بھوک کی یاد میں خدا نے اپنے لاتعداد لاتحصی بندوں کو بھوکا رکھا اور کیسی پاک اور بزرگ تھی وہ ذات جس کی حیاتِ طیبہ کا کوئی فعل

گمنامی کے لئے نہیں چھوڑا گیا! پس اے پیروانِ دینِ حنیفی؛ وابستگانِ اسوۂ محمدی، آؤ کہ نزولِ ہدایت و سعادت کے اس انقلابِ عظیم کی یادگار منائیں، اور جس طرح صاحبِ قرآن اس ذاتِ حی و قیوم میں فنا ہو گیا تھا، ہم بھی اس کے اسوۂ حسنہ کے اتباع میں اپنے تئیں فنا کر دیں۔ کیونکہ محض جسم کی بھوک اور پیاس سے وہ حقیقت ہم پر طاری نہیں ہو سکتی جب تک کہ روح اور دل پر بھی جسم کی طرح روزہ نہ طاری ہو جائے: فَسُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظَمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ، سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ، اَبَدًا اَبَدًا، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ !!

لیلۃ القدر

عالم تقدیر خاموش نہیں ہے۔ وہ ایک امام ناطق ہے۔ اُس نے مجموعی طور پر تمام عالم کی قسمت کا فیصلہ ازل ہی میں کر دیا تھا، لیکن اشخاص و اقوام کی تقدیر کا فیصلہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔

کارکنان قضا و قدر بہت سی قوموں کی قسمت کا فیصلہ کر چکے تھے مگر ایک بادیہ نشیں قوم پہاڑوں کے دامن میں دبی پڑی تھی۔ اُنھی پہاڑوں کے غار سے آتشیں شریعت کا ایک شرارہ اُڑا، اور دفعتہً خرمن جہل و ضلالت پر برق خاطف بن کر گرا۔ اس مردہ قوم کی سوئی ہوئی تقدیر نے مدت کے بعد ایک خاص رات میں کروٹ بدلی، اس لئے اس رات کو "لیلۃ القدر" کہا گیا۔ کیونکہ اسی رات میں اس کے کارنامۂ اعمال کو قرآن حکیم کے ذریعے سے معین و مقدر کر دیا گیا تھا۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا[۱]

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ: قِیْلَ لَیْلَۃُ الشَّرَفِ وَالْفَضْلِ وَقِیْلَ لَیْلَۃُ

[۱] دیکھیے صفحہ ۲۸۶

النّقل بِيَرٍ وَالتّقل يُرٍ وَهُوَ اقرب (احکام القرآن لابن عربی)

عربی زبان میں متکلم کے لئے "انی" و "انا" کی دو ضمیریں ہیں جو بترتیب "واحد متکلم" و "جمع متکلم" کے لئے مستعمل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب

حاشیہ صفحہ ۲۸۵ یہاں فرمایا کہ قرآن کریم لیلۃ القدر میں اترا، اور سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ رمضان میں: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر سے رمضان ہی کی رات مراد ہے۔ نزول قرآنی سے مقصود یہ ہے کہ نزول کا آغاز لیلۃ القدر اور رمضان المبارک میں ہوا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ پورا قرآن نجماً نجماً ۲۳ برس میں نازل ہوا ہے۔

"قرآن" اور "الکتاب" کا اطلاق جس طرح کل پر ہوتا ہے اسی طرح اس کے ایک جزء پر بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کے ہر ٹکڑے کو اللہ نے قرآن اور الکتاب کہا ہے۔

لیکن بعض مفسرین کو خیال ہوا کہ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے مقصود پورے قرآن کا نزول ہے، اس لئے انھوں نے طرح طرح کی تاویلیں کیں۔ مثلاً کہا گیا کہ قرآن کریم رمضان کی بیس راتوں میں جبرئیل علیہ السلام کو دیا گیا اور انھوں نے ۲۰ سال کے اندر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

(اگلے صفحہ پر)

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی نشاءۃ اولیٰ کا موسس بنانا چاہا تو فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (۲:۹۲)	میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے معمولی صیغہ واحد متکلم کا استعمال کیا ہے، کیونکہ اشیا و امثال کا پیدا کرنا اس کی قدرت

(باقی صفحہ ۲۸۶) کیا، لیکن قاضی ابوبکر ابن عربی لکھتے ہیں:

وَمن جھالۃ المفسرین انھم قالوا ان السفرۃ القتہ الی جبریل فی عشرین لیلۃ و القاہ جبریل الی محمد علیہما السلام فی عشرین سنۃ و ھذا باطل لیس بین جبریل وَبَیْنَ اللّٰہِ واسطۃ ولا بین جبریل و محمد علیہما السلام واسطۃ (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۱۷)	اور مفسرین کی یہ جہالت ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم بیس راتوں کے اندر خدا نے جبریل علیہ السلام کو دیا اور انھوں نے بیس سالوں کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ سو ایسا کہنا بالکل باطل ہے۔ نہ تو خدا اور جبریل میں کوئی واسطہ ہے اور نہ جبریل اور آں حضرت علیہما السلام میں کوئی واسطہ۔

کا ماہ کے نزدیک کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن بطون ارواح
کی نشاۃ جدیدہ دنیا کے لئے مایۂ صد رحمت و برکت تھی، اس لئے
اللہ تعالیٰ نے جب کسی پیغمبر کو اس نشاۃ حقیقۃ کا ذریعہ بنایا ہے
تو اس موقع پر اپنے لئے ضمیر جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے جو وحدہ
کے لئے تعظیم و شرف کا پہلو رکھتا ہے۔ یہ تعظیم درحقیقت اس جدید روح
سعادت و ہدایت کی اہمیت و عظمت کو نمایاں کرتی ہے جو دنیا میں
ظہور پذیر ہونا چاہتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا کا قالب موزوں تیار کر دیا
تھا لیکن وہ روح سے یعنی ترقی یافتہ دین الٰہی کی حقیقی روح سے
خالی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام
کو یہ امانت دے کر دنیا کی طرف بھیجا جو ایک عظیم الشان روحانی انقلاب
تھا، پس ضمیر تعظیمی سے اس کا اظہار کیا:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ہم نے نوح کو بھیجا۔

لیکن یہ روح امتداد زمانہ سے فرسودہ ہو گئی تھی، بلکہ سچ
یہ ہے کہ بالکل مردہ ہو گئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید
کے ذریعے اس روح مردہ کو، اس گل پژمردہ کو، اس بخت خفتہ کو،

پھر زندہ کیا، شگفتہ کیا، بیدار کیا۔ یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا، جس نے نقشۂ عالم کو یکسر پلٹ دیا تھا، پس ہمیشہ اس کی اہمیت بھی ضمیر تعظیمی کے پردے میں نمایاں کی گئی:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (۱۵ : ۹) — ہمیں ہیں کہ ہم نے اپنے ذکر کو نازل کیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ — ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

اسی کتاب ذوالخطر والبال کو خدا نے "کوثر" بھی کہا ہے کہ وہ مایۂ خیر کثیر ہے:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ — ہم نے تم کو کوثر یعنی قرآن عطا فرمایا

یہاں بھی قرآن کا ذکر متکلم جمع تعظیمی سے کیا۔

اسی کے ذریعے دینِ ابراہیم زندہ ہوا ہے، اس لئے اس منبعِ خیر کے عطا کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اس کی سب سے بڑی یادگار "قربانی" کے قائم کرنے کا حکم دیا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ — تو اپنے خدا کی نماز پڑھ اور قربانی کر:

اللہ تعالیٰ نے اسی دین کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور ذکرِ عظیم کو قائم رکھا:

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا — اور ہم نے ان کے ذکر خیر کو رفعت و بلندی عطا کی۔

آں حضرت کا ذکر جمیل بھی اسی کی برکت سے غلغلہ انداز عالم روح و ایمان ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اس لئے ان دونوں مقامات میں بھی جمع متکلم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

مذہب کی پاک روح مردہ ہو گئی تھی؛ لیکن اس رات میں اعادہ معدوم اور حیات بعد الممات ہوا۔ وہ کتم عدم سے عالم شہود میں اتری:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ — اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔

فرشتے اور روح اس رات میں اُترتے ہیں، مگر بتدریج پورے ایک مہینے میں اُترتے ہیں۔ کیوں کہ دنیا کا دامن دفعۃً ان برکات و فضائل کے سمیٹنے کی وسعت نہیں رکھتا؛

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

لیکن یہ ملائکہ کیا ہیں ؟ اور اس روح کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالےٰ نے خود اسی آیت میں اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے :
مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ یعنی وہ ملائکہ اور روح امن اور سلامتی ہیں جو دنیا کو یکسر املیت و سلامتی کی برکتوں سے معمور کر دیتے ہیں!

یہ سکون ، یہ اطمینانِ کامل ، یہ سلامتی ، یہ امن عام جو ہم پر آسمان سے اترا ، صرف عرب کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ وہ مشرق و مغرب دونوں کو محیط ہے ۔ ہمارا آفتاب اگرچہ مغرب سے طلوع ہوا تھا جو ہمارا قبلۂ ایمان ہے ، لیکن اس کی شعاعوں نے مشرق کے افق کو بھی روشن کر دیا جہاں سے دنیا کا سورج نکلتا ہے ، اور جہاں سے صبح کا ستارہ طلوع ہوتا ہے ۔

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ	وہ امن و امان کا پیغام صبح کے طلوع ہونے کی جگہ تک یعنی مشرق تک پہنچ جائے گا ۔

دنیا نے اس وعدے کی صداقت کو دیکھ لیا ، جب خدا کے پاک فرشتے یعنی قرآن نے مشرق و مغرب دونوں کو اپنے پروں کے نیچے چھپا لیا ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْط

امن و امان کا یہ پیغام کیا ہے؟ اور وہ کیونکر مشرق و مغرب تک پہنچایا جائے گا؟

قرآن حکیم نے دوسری آیتوں کے ذریعے اس نکتے کو حل کر دیا ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

(۴۴: ۲)

ہم نے قرآن کو ایک مبارک رات میں اتارا کیونکہ ہم دنیا کو اس کی ضلالت کے نتائج سے ڈرانے والے تھے تمام انتظامات الٰہیہ جو حکمت و مصلحت عالم پر مبنی ہیں، اسی رات میں طے پاتے ہیں۔ از انجملہ قرآن کا نزول جو اسی رات میں شروع ہوا۔ نیز ہمیں اپنا رسول بھیجنا مقصود تھا جس کا ظہور اللہ کی رحمت کا نزول ہے۔

اب ان دونوں سورتوں کے تطابق و تشاکل پر غور کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں فرمایا: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور یہاں فرمایا: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اس لئے یہ دونوں راتیں ایک ہی ہیں۔ وہاں فرمایا تھا: تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ

وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ اور فرمایا:
فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اس بنا پر یہ "امر سلام"
اور یہ "امر حکیم" جس کی تنزیل و تقسیم لیلۃ القدر میں خدا کے حکم سے
کی گئی ہے۔ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ خود وہ "امر سلام" اور "امر حکیم"
کیا چیز ہے؟ دوسری آیتوں نے اس کی بھی تفسیر کر دی ہے:

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ	یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں، پھر کیا
الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ	لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے انھی
عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ	میں سے ایک آدمی پر وحی کی تاکہ
مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ	یہ لوگوں کو ڈرائے اور مومنوں
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ	کو اس بات کا مژدہ سنائے کہ
قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ	خدا کے تخت کے نیچے ان کا قدم

جم گیا ہے؟

اس لیے یہ "امر حکیم" اور یہ "امر سلام" خود قرآن کریم ہے
جو لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں قرآن حکیم کی چند خصوصیات کا اجمالی ذکر فرمایا تھا، لیکن اس آیت میں وہ خصوصیتیں بہ تفصیل بیان فرمائی ہیں۔

سورۂ قدر میں فرمایا تھا کہ "وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ تک پھیل جائے گا" یہ نہایت مجمل طرز خطاب تھا۔ سورۂ دخان میں اس کی تفسیر بھی کر دی فیھا یفرق کل امر حکیم امرًا من عندنا یعنی قرآن حکیم کی آیتیں ہمارے حکم سے ایک پیغمبر پر تقسیم کی جاتی ہیں، تاکہ وہ دنیا کے سامنے ان آیتوں کو رکھے جائے اور ہر شخص کے آگے اس خوان کرم کو بچھا دے، تاکہ ہر شخص اپنا حصہ لے لے۔ انا کنا مرسلین رحمۃ من ربک لیکن دنیا غفلت کی نیند میں سو رہی تھی، اس لئے یہ ابر رحمت پہلے گرجا تاکہ دنیا جاگ اٹھے۔ اس نے اپنی چادر غیب سے پہلے اس ہاتھ کو نکالا جس میں بجلی کا تازیانہ تھا:

یا ایھا المدثر قم فانذر اے چادر اوڑھنے والے! اٹھ اور ڈرا!

پہلے اس کو گرجنے اور تڑپنے کی ضرورت تھی، اس لئے وہ گرجا، چمکا، تڑپا، انا انزلنہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین لیکن درحقیقت اس کا یہ وصف عارضی تھا، ورنہ رفق و ملاطفت

اس کا مایۂ خمیر، اور عنصر حقیقی ہے : عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ اس لئے وہ روئی کے گالے سے بھی زیادہ نرم و سفید بادل کا ایک ٹکڑا تھا، جو آب شیریں کا خزانہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اگرچہ ابتدا میں بجلی کی کڑک اس کا مظہر ورود ہوئی۔ یہ انداز و وعید، یہ قہر و غضب اس قوم کی شامت اعمال کا نتیجہ تھی، ورنہ پیغمبر امی خدا کی طرف سے صرف بشارت رحمت اور لطف و کرم کا مجسمہ بنا کر بھیجا گیا تھا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

لیکن خدا کی یہ رحمت صرف عرب کے ساتھ نہ تھی بلکہ اس ابر کرم نے تمام مشرق و مغرب کو جل تھل کر دیا۔ چنانچہ دوسری جگہ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ کی تفسیر کر دی گئی۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝	ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے صرف رحمت ہی رحمت بنا کے بھیجا!

"لیلۃ القدر" کو تمام راتوں پر صرف اسی لئے فضیلت نہیں ہے کہ اس میں عبادت کا ثواب تمام راتوں سے زیادہ ملتا ہے بلکہ اس بنا پر بھی کہ اس میں ہم کو ایک کتاب دی گئی اور ہم کو مشرق و مغرب میں اس کی منادی کرنے کا حکم دیا گیا۔ بادشاہوں کی منادی

طبل وعلم کے ساتھ کی جاتی ہے، لیکن خدا کی منادی تہلیل و تکبیر کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ رمضان کے بعد عید کا حکم اسی لئے دیا گیا تھا کہ تہلیل و تکبیر کی مقدس صداؤں میں اسلام کے جاہ و جلال، نفوذ و قوت، اور وسعت و اثر کا سماں دنیا کو نظر آجائے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

پھر آہ تمھاری غفلت کیسی شدید اور تمھاری گمراہی کیسی ماتم انگیز ہے کہ تم لیلۃ القدر کو تو ڈھونڈھتے ہو پر اس کو نہیں ڈھونڈھتے جو لیلۃ القدر میں آیا اور جس کے ورود سے اس رات کی قدر و منزلت بڑھی۔ اگر تم اُسے پالو تو تمھارے لئے ہر رات لیلۃ القدر ہے:-

ہر شب شب قدر ست اگر قدر بدانی

عید الفطر

عید آمد و افزود غمم را غم دیگر　　　ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

دنیا کی ہر قوم کے لئے سال بھر میں، دو چار دن ایسے ضرور آتے ہیں جن کو وہ اپنے کسی قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہے اور قوم کے ہر فرد کے لئے ان کا ورود عیش و نشاط کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

مسلمانوں کا جشن اور ماتم، خوشی اور غم، مرنا اور جینا جو کچھ تھا خدا کے لئے تھا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

(۶ : ۱۶۲)

کہہ دے کہ میری نماز، میری تمام عبادت میرا مرنا، میرا جینا جو کچھ ہے اللہ کے لئے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلمان ہوں۔

اور دن کا جشن و نشاط لذائذ دنیوی کے حصول اور انسانی خواہشوں کی کامجوئیوں میں تھا مگر ان کے ارادے مشیت الٰہی کے ماتحت، اور خواہشیں رضائے الٰہی کی محکوم تھیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا ماتم یہ تھا کہ دل اس کی یاد سے غافل اور زبان اُس کے ذکر سے محروم ہو جائے اور سب سے بڑا جشن یہ تھا کہ سر اس کی اطاعت میں جھکے ہوں اور زبان اس کی حمد و تقدیس سے لذت یاب ہو:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ، تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔

(۳۲ : ۱۶)

ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لائے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، اور وہ کسی طرح کا تکبر اور بڑائی نہیں کرتے، رات کو جب سوتے ہیں تو اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں لے کر اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

ان کو بیش گاہِ الٰہی سے طاعت و شکر گذاری کے جشن کے لئے دو دن ملے تھے، پہلا دن "عید الفطر" کا تھا، یہ اس ماہ مقدس کے اختتام اور

افضال الٰہی کے دورِ جدید کے اولین یوم کا جشن تھا جس میں سب سے پہلے خدا تعالےٰ نے اپنے کلام سے ان کو مخاطب فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ — رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کریم اول اول نازل کیا گیا۔

اسی مہینے کے آخری عشرے میں سب سے پہلے انھیں وہ نورِ صداقت اور کتابِ مبین دی گئی جس نے انسانی معتقدات و اعمال کی تمام ظلمتوں کو دور کیا اور ایک روشن اور سیدھی راہ دنیا کے آگے کھول دی:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ — بے شک خدا کی طرف سے تمھارے پاس "قرآن" ایک روشنی اور کھلی کھلی ہدایت بخشنے والی کتاب بھیجی گئی۔ اللہ اس کے ذریعے اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کی راہوں پر ہدایت کرتا ہے

(۵ : ۱۸)

انسانی ضمیر کی روشنی جبکہ ظلمت و ضلالت سے چھپ گئی تھی، فطرت کے حسنِ اصلی پر جب انسان نے بد اعمالیوں کے پردے ڈال دیے تھے، قوانینِ الٰہی کا احترام دنیا سے اُٹھ گیا تھا اور طغیانی و سرکشی کے سیلاب میں خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا — خشکی، تری دونوں میں انسانوں کے اعمالِ بد

كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ کی وجہ سے فساد چھیں گیا۔

اس وقت یہ پیغام صداقت دنیا کے لئے نجات اور ہدایت کی ایک بشارت بن کر آیا، اس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دنیا کو دائمی نجات دلائی افضال و نعائم الہیہ کے فتح باب کا مژدہ سنایا۔ نئی عمارت گو خود نہیں بنائی مگر پرانی عمارتوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیا۔ نئی تعلیم گو نہیں لایا لیکن پرانی تعلیموں میں بقائے دوام کی روح پھونک دی۔ مختصر یہ ہے کہ فطرت اور نوامیس فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قائم ہو گئی:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰ : ۲۹)

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے، خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی "راہ فطرت" دین کا سیدھا راستہ ہے، مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں سمجھتے

یہی مہینہ تھا جس میں دنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری ہوا، اسی مہینے میں وہ عجیب و غریب رات آئی تھی جس نے اس انقلاب عظیم کا ہمیشہ کے لئے ایک اندازہ صحیح کر کے فیصلہ کر دیا تھا، اور اسی لئے وہ "لیلۃ القدر" تھی۔ اس کی نسبت فرمایا کہ وہ گذشتہ رسولوں کی ہدایتوں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے، کیونکہ ان مہینوں کے اندر

دنیا کو جو کچھ دیا گیا تھا وہ سب کچھ مع خدا کی نئی نعمتوں اور عطا کردہ فضیلتوں کے اس رات کے اندر بخش دیا گیا!

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ	قرآن کریم نازل کیا گیا لیلۃ القدر میں،
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ	اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔؟
لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ	ایک ایسی رات ہے جو دنیا کے ہزار
(۹۷ : ۱)	مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے۔

یہی رات تھی جس میں ارض الٰہی کی روحانی اور جسمانی خلافت کا ورثہ ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیا گیا، اور یہ اس قانونِ الٰہی کے ماتحت ہوا جس کی خبر "داؤد" علیہ السلام کو دی گئی تھی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ	اور ہم نے زبور میں پند و نصیحت کے بعد لکھدیا
بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ	تھا کہ بے شک زمین کی خلافت کے ہمارے
یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ	صالح بندے وارث ہوں گے۔

اس قانون کے مطابق دو ہزار برس تک "بنی اسرائیل" زمین کی وراثت پر قابض رہے، اور خدا نے ان کی حکومتوں، اُن کے ملکوں اور اُن کے خاندانوں کو تمام عالم پر فضیلت دی۔

یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ	اے بنی اسرائیل! ان نعمتوں کو یاد کرو جو
الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ	ہم نے تم پر انعام کیں، اور (نیز) ہم نے

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲ : ۴۴)

تم کو (اپنی خلافت دے کر) تمام عالم پر فضیلت بخشی۔

یہی مہینہ اور یہی لیلۃ القدر تھی جس میں اسی الٰہی قانون کے مطابق نیابتِ الٰہی کا ورثہ بنی اسرائیل سے لے کر "بنی اسماعیل" کو سپرد کیا گیا۔ وہ پیمانِ محبت جو خداوند نے بیابان میں "اسحٰق" سے باندھا تھا، وہ پیغام بشارت جو "یعقوب" کے گھرانے کو کنعان سے ہجرت کرتے ہوئے سنایا گیا تھا، وہ الٰہی رشتہ جو "کوہ سینا" کے دامن میں خدائے ابراہیم و اسحٰق نے "بزرگ موسیٰ" کی اُمت سے جوڑا تھا اور سرزمین فراعنہ کی غلامی سے اُن کو نجات دلائی تھی، خدا کی طرف سے نہیں بلکہ خود اُن کی طرف سے توڑ دیا گیا تھا۔ "داود" کے بنائے ہوئے "ہیکل" کا دورِ عظمت ختم ہو چکا تھا اور وہ وقت آگیا تھا کہ اب اسماعیل کی چنی ہوئی دیواروں پر خدا کا تختِ جلال و کبریائی بچھایا جائے۔ یہ نصب و عزل، عزت و ذلت، قرب و بعد اور ہجر و وصال کی رات تھی، جس میں ایک محروم اور دوسرا کامیاب ہوا، ایک کو دائمی ہجر کی سرگشتگی اور دوسرے کو ہمیشہ کے لئے وصال کی کامرانی عطا کی گئی۔ ایک بھرا ہوا دامن خالی ہو گیا، مگر دوسرے کی آستین افلاس بھر دی گئی۔ ایک پر قہر و غضب کا عتاب نازل ہوا:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ

بنی اسرائیل کو (اُن کی نافرمانیوں کی سزا

الْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ	میں ذلت اور محتاجی میں مبتلا کر دیا گیا اور اللہ
مِّنَ اللّٰهِ	کے بھیجے ہوئے غضب میں آ گئے ۔

لیکن دوسرے کو اس محبت کے خطاب سے سرفراز کیا :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل بھی
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	اچھے کئے ، خدا کا اُن سے وعدہ ہے
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ	کہ ان کو زمین کی خلافت بخشے گا جس طرح
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	اُن سے بیشتر کی قوموں کو اس نے بخشی تھی۔

یہ اس لئے ہوا کہ زمین کی وراثت کے لئے " عبادی الصالحون " کی شرط لگا دی تھی ۔ بنی اسرائیل نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی ، اس کی نشانیوں کو جھٹلایا ، اس کے احکام سے سرتابی کی ، اس کی بخشی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کو اپنے نفس ذلیل کی بتلائی ہوئی ادنیٰ چیزوں سے بدل دینا چاہا :-

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى	خدا کی دی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کے بدلے
بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؟	تم ایسی چیزوں کے طالب ہو جو اُن کے
(۲ : ۵۸)	مقابلے میں نہایت ادنیٰ ہیں ۔

خدائے قدوس کی زمین کثافت اور گندگی کے لئے نہیں ہے ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جماعتوں کو چن لیتا ہے تاکہ اس کی طہارت کے لئے ذمہ دار ہوں لیکن جب خود ان کا وجود زمین کی طہارت و نظافت کے لئے گندگی

ہوجاتا ہے تو غیرتِ الٰہی اس بار آلودگی سے اپنی زمین کو ہلکا کر دیتی ہے -
بنی اسرائیل نے اپنے عصیان و تمرد سے ارضِ الٰہی کی طہارت کو جب داغ لگادیا تو اس کی رحمتِ غیور نے "کوہ سینا" کے دامن کی جگہ بوقبیس کی وادی کو اپنا گھر بنایا اور شام کے مرغزاروں سے روٹھ کر حجاز کے ریگستان سے اپنا رشتہ قائم کیا تاکہ آزمایا جائے کہ یہ نئی قوم اپنے اعمال سے کہاں تک اس منصب کی اہلیت ثابت کرتی ہے ؟ :

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ؟	اور بنی اسرائیل کے بعد پھر ہم نے تم کو زمین کی وراثت دی تاکہ دیکھیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوتے ہیں ؟

پس یہ مہینہ بنی اسرائیل کی عظمت کا اختتام ، اور مسلمانوں کے اقبال کا آغاز تھا ، اور اس نئے دور اقبال کا پہلا مہینہ " شوال " سے شروع ہوتا تھا اس لئے اُس کے یوم ورود کو "عید الفطر" کا جشن ملی قرار دیا تاکہ افضالِ الٰہی کے ظہور اور قرآن کریم کے نزول کی یاد ہمیشہ قائم رکھی جائے اور اس احسان داعزاز کے شکریے میں تمام ملت مرحومہ اس کے سامنے سربہ سجود ہو !

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِیْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ	اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ مکہ میں تم بہت کم تعداد اور کم زور تھے اور ڈرتے تھے

تَخَافُونَ اَنۡ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمۡ وَاَيَّدَكُمۡ بِنَصۡرِهٖ وَرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ

(۸ : ۲۶)

کہ کہیں لوگ تمھیں زبردستی پکڑکے اُڑا نہ لے جائیں، لیکن خدا نے تم کو جگہ دی اپنی نصرت سے مدد کی، عمدہ رزق تمھارے لئے مہیا کردیا اور یہ اس لئے تھا کہ تم شکر ادا کرو۔

مگر یہ عید الفطر کا جشن ملی! یہ ورود ذکرد رحمتِ الٰہی کی یادگار رہی یہ سربلندی و افتخار کی بخشش کا یادآور! یہ یوم کامرانی و فیروزی و شادمانی اس وقت تک کے لئے عیش و سرور کا دن تھا جب تک ہمارے سر تاج خلافت سے سربلند ہونے کے لئے اور جسم خلعتِ نیابت سے مفتخر ہونے کے لئے تھے۔ عزت و عظمت جب ہمارے ساتھ تھی اور اقبال و کامرانی ہمارے آگے دوڑتی تھی۔ خدا کی نعمتوں کا ہم پر سایہ تھا، اور اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کے تخت و جلال پر متمکن تھے لیکن اب ہمارے اقبال و کامرانی کا تذکرہ صرف صفحاتِ تاریخ کا ایک افسانۂ ماضی رہ گیا۔

دُنیا کی اور قومیں ہمارے لئے وسیلۂ عبرت تھیں، لیکن اب خود ہمارے اقبال و ادبار کی حکایت اوروں کے لئے مثالِ عبرت ہے۔ ہم نے خدا کی دی ہوئی عزت و کامرانی کو ہوائے نفس کی بتلائی ہوئی راہِ ذلت سے بدل لیا، اُس کے عطا کئے ہوئے منصب خلافت کی قدر نہ پہچانی،

اور زمین کی وراثت و نیابت کا خلعت ہم کو راس نہ آیا۔ اب ہمارے عید کی خوشیوں کے دن گئے، عیش و عشرت کا دور ختم ہو گیا۔ ہم نے بہت سی عیدیں تخت و حکومت و سلطنت پر دیکھیں اور ہزاروں شادیانے سریر خلافت کے آگے بجوائے، ہم پر صدہا عیدیں ایسی گذریں، جب دنیا کی قومیں ہمارے سامنے سربسجود تھیں اور عظمت و شوکت کے تخت الٹے ہوئے ہمارے سامنے تھے، اب عید کے عیش و طرب کی صحبتیں ان قوموں کو مبارک ہوں جن کی عبرت و تنبیہہ کے لئے اب تک ہمارا وجود بار زمین ہے۔ ان کو خوش نصیب سمجھئے جو اپنے دور اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے۔ ہمارا اقبال جا چکا ہے مگر ہم خود اب تک دنیا میں باقی ہیں شاید اس لئے کہ غیروں کے طعنے سُنیں، اور اپنی ذلت وخواری پر آنسو بہا کر قوموں کے لئے وجود عبرت ہوں:

درکار ماست نالۂ من در ہوائے او

پروانہ چراغ مزار خودیم ما

اس دن کی یادگار ہمارے لئے جشن طرب کا پیام تھی، کیونکہ یہی دن ہمارے صحیفۂ اقبال کا صفحۂ اولین تھا، اور اسی تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دور جدید قلوب و اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا۔ اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بد اعمالیوں نے کیوں کر

بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا اور اعمال حسنہ کے شرف وافتخار نے کیونکر ہمیں برکاتِ الٰہی کا مہبط و مورد بنایا؟ اس دن کا آفتاب جب نکلتا تھا تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح خدا کی زمین نافرمانیوں کی ظلمت سے تاریک ہو گئی تھی اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی افقِ عالم پر نیّرِ درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی! لیکن:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ	پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے
اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا	جنھوں نے خدا کی عبادت کو ضائع کر دیا
الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ	اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے
غَيًّا	پس بہت جلد ان کی گمراہی اُن کے آگے آئے گی۔

(۱۹ : ۶۰)

اب یہ روز یادگار اگر یادگار ہے تو عیش و شادمانی کے لئے نہیں بلکہ حسرت و نامرادی کے لئے۔ اگر یادآور واقعات ہے تو عطائے بخشش کی فیروزمندی کے لئے نہیں بلکہ ناقدری و کفرانِ نعمت کی مایوسی و حسرت سنجی کے لئے۔ پہلے اس کامرانی کی یاد تھا کہ ہم دولت و قبولیت سے سرفراز ہوئے مگر اب اس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اُس کی قدر نہ کی اور ذلت و عقوبت سے دوچار ہیں۔ پہلے اس وقت سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا جو ہماری دولت و اقبال کا آغاز تھا، اور اب اس درسکنت

و ذلت کا زخم تازہ کرتا ہے، جو ہماری عزت و کامرانی کا انجام ہے۔ پہلے یکسر جشن و نشاط تھا مگر اب یکسر ماتم و حسرت ہے۔ جشن تھا تو قرآن کریم کے نزول کی یادگار کا، جس نے پہلے ہی دن اعلان کردیا تھا کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا۔	مسلمانو اگر تم خدا سے ڈرتے رہے (اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کی) تو وہ تمام عالم میں تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کردے گا۔

(۸ : ۲۹)

اور اب ماتم ہے تو اسی قرآن کی اس پیشین گوئی کے ظہور کا کہ:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا۔	اور جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی۔

پہلے اس کی "بشارت" کو یاد کرکے جشن مناتے تھے، اور اب وہ وقت ہے کہ اس کی "وعید" کے نتائج کو گرد و پیش دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اب عید کا دن ہمارے لئے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا البتہ عبرت و موعظت کی ایک یادگار ضرور ہے:

وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ	ایسا ہی ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا۔ اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں درج کیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار

لیھم ذکریٰ   کریں یا اس کے ذریعے سے ان کے دلوں

(۲۰ : ۱۱۳)   میں عبرت و فکر پیدا ہو۔

دنیا میں عیش کی گھڑیاں کم میسر آئی ہیں، پھر سال بھر کے اس تنہا جشن کو کیوں نہ عزیز رکھا جائے؟ میں بھی نہیں چاہتا کہ آپ عید کی خوشیوں میں سرمست عیش و نشاط ہوں، اور میں افسانۂ غم چھیڑ کر آپ کے لذت عیش کو منغض کر دوں، مگر یقین کیجئے کہ اپنے دل اندوہ پرست کی بیقراریوں سے مجبور رہوں۔ قاعدہ ہے کہ ایک غمگین دل کے لئے عیش کی گھڑیوں سے بڑھ کر اور کوئی وقت غم کے حوادث کا یاد آور نہیں ہوتا۔ ایک غم زدہ ماں جو سال بھر کے اندر اپنے کئی فرزندوں کو کھو چکی ہو، اگر عید کے دن اس کو اپنی بقیہ اولاد کے چہرے دیکھ کر خوشی ہوگی تو ایک ایک کر کے اس کے گم گشتہ لخت جگر بھی سامنے آ جائیں گے۔ ایک بدبخت، جو اپنا تمام مال و متاع غفلت و بے ہوشی میں ضائع کر چکا ہو، عید کے دن جب لوگوں کی زریں قباؤں اور پر جواہر کلاہوں کو دیکھے گا تو ممکن نہیں کہ اس کو اپنی کھوئی ہوئی دولت کے ساز و سامان یاد نہ آ جائیں۔ دیکھتا ہوں تو یہ جشن کی عیدیں عیش و مسرت کا پیام نہیں بلکہ یاد آور درد و حسرت ہیں۔ آہ! کیا دنیا میں غفلت و سرشاری کی حکومت ہمیشہ سے ایسی ہی ہے؟ کیا دنیا میں ہمیشہ نیند زیادہ اور بیداری کم رہی ہے؟ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایک دن کی خوشیوں میں

بے خود ہو کر ہمیشہ کے ماتم و اندوہ کو بھول گئے ہیں؟ بزم جشن کی تیاریاں کس کے لئے، جبکہ دنیا اب ہمارے لئے ایک دائمی ماتم کدہ بن گئی ہے؟ عیش و نشاط کی بزموں کو آگ لگائیے، عید کے قیمتی کپڑوں کو چاک چاک کر ڈالیے، عطر کی شیشیوں کو اپنے بخت زبوں کی طرح اُلٹ دیجئے اور اس کی جگہ مٹھیوں میں خاک و گرد بھر بھر کر اپنے سر و سینے پر اُڑائیے۔ زریں کلاہوں اور ریشمیں قباؤں کے پہننے کے دن اب گئے۔

ما خانہ رمیدگان ظلمیم پیغام خوش از دیار ما نیست

لیکن اس ظلم سرائے ہستی کی ساری رونق انسان کی غفلت و سرشاری سے ہے، ممکن ہے کہ جشن عید کے ہنگاموں میں غم و اندوہ کی یہ آہیں آپ کے کانوں تک نہ پہنچیں، تاہم اس کو تو نہ بھولئے کہ پیروان اسلام کا حلقہ صرف آپ ہی کے وطن و مقام پر محدود نہیں، وہ ایک عالم گیر برادری ہے جس میں چین کی دیوار سے لے کر افریقہ کے صحرا تک چالیس کروڑ انسان ایک ہی رشتے کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ اگر طرابلس میں قتیلان ظلم و ستم کی لاشیں تڑپ رہی ہیں تو یہ عیش پرستی ایک لعنت ہے، جو آپ کو عید کی خوشیوں میں سرمست کر رہی ہے۔ اگر ایران میں آپ کے اخوان ملت کو جرم وطن پرستی میں پھانسیاں دی جا رہی ہیں

تو وہ آنکھیں پھوٹ جائیں جو ہندوستان میں اشکبار نہ ہوں۔ اگر مراکو (مراقش) میں اسلام کا آخری نقش حکومت مٹ رہا ہے تو کیوں نہیں ہندوستان کے عیش کدوں میں آگ لگ جاتی؟ اسلام کی اخوت عمومی تمیز قوم و مرز بوم سے پاک ہے اور اس کا ایک ہی خدا اپنے ایک ہی آسمان کے نیچے تمام پیروانِ توحید کو ایک جسم واحد کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے:

ان ھٰذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون

پس جسم اسلام کا ایک عضو درد سے بیقرار ہو تو تمام جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہونی چاہیے۔ اگر زمین کے کسی حصے میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے تو تعجب ہے اگر آپ کے چہرے پر آنسو بھی نہ بہیں۔ اگر غفلت کی سرمستیوں نے پچھلے حوادث بھلا دئے ہیں تو آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے وقف ماتم ہو جانے کے لئے کافی ہے۔

قومی زندگی کی مثال بالکل افراد و اشخاص کی سی ہے۔ بچپنے سے لے کر عہدِ شباب تک کا زمانہ ترقی و نشو و نما و عیش و نشاط کا دور ہوتا ہے، ہر چیز بڑھتی ہے اور ہر قوت میں افزائش ہوتی ہے۔ جو دن آتا ہے طاقت و توانائی کا ایک نیا پیام لاتا ہے۔ طبیعت جوش و اُمنگ کے نشے میں ہر وقت مخمور رہتی ہے اور اس سرخوشی و سرور میں جس طرف نظر

اُٹھتی ہے، فرحت و انبساط کا ایک بہشت زار سامنے آجاتا ہے۔ اس طلسم زارِ ہستی میں انسان سے باہر نہ غم کا وجود ہے اور نہ نشاط کا، البتہ ہمارے پاس دو آنکھیں ضرور ایسی ہیں جو اگر غمگین ہوں تو کائنات کا ہر ظہور غم آلود ہے اور اگر مسرور ہیں تو ہر منظر مرقع انبساط ہے۔ عہد شباب و جوانی میں آنکھیں سرمست ہوتی ہیں اور دل جوش و اُمنگ سے متوالا۔ غم کے کانٹے بھی تلوے میں چبھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فرش گل پر سے گذر رہے ہیں خزاں کی افسردگی بھی سامنے آتی ہے تو نظر آتا ہے کہ عروس بہار سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہے۔ دل جب خوش ہو تو ہر شئے کیوں نہ خوش نظر آئے؟

لیکن بڑھاپے کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پہلے جب چیزیں بڑھتی تھیں اب روز بروز گھٹنے لگتی ہیں، جن قوتوں میں ہر روز افزائش ہوتی تھی اب روز بروز اضمحلال ہوتا ہے۔ طاقت جواب دیدیتی ہے اور عیش و مسرت کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جو دن آتا ہے موت و فنا کا ایک نیا پیغام لاتا ہے، اور جو دن گذرتا ہے حسرت و آرزو کی ایک یاد چھوڑ جاتا ہے۔ دنیا کے سارے عیش و عشرت کے جلوے دل کی عشرت کامیوں سے تھے، لیکن دل کے بدلنے سے آنکھیں بھی بدل جاتی ہیں۔ پہلے غم کی تصویر بھی شادمانی کا مرقع نظر آتی

تھی ، اب خوشی کے شادیانے بھی بجتے ہیں تو ان میں سے درد و اندوہ کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔

قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ ایک قوم پیدا ہوتی ہے بچپنے کا عہد بے فکری کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔ یہ وقت کاروبار زندگی کا اصلی دور اور قومی صحت و تندرستی کا عہد نشاط ہوتا ہے۔ جہاں جاتی ہے اوج و اقبال اُس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس طرف قدم اُٹھاتی ہے دنیا اس کے استقبال کے لئے دوڑتی ہے۔ لیکن اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس کو "پیری و صد عیب" کا زمانہ سمجھیئے کہ قوتیں ختم ہونے لگتی ہیں اور چراغ میں تیل کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کے اخلاقی و تمدنی عوارض روز بروز پیدا ہونے لگتے ہیں جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اجتماعی قوتوں کا اضمحلال نظام ملت کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے۔ وہی زمانہ جو کل تک اس کی جوانی کی طاقت کے آگے دم بخود تھا، آج اُس کے بستر پیری کے ضعف و نقاہت کو دیکھتا ہے تو ذلت و حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ "قرآن کریم" نے اسی قانونِ خلقت کی طرف اشارہ کیا ہے :

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ،   اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے تم کو

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ۔

(۳۰ : ۵۴)

کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر بچپنے کی کمزوری کے بعد جوانی کی طاقت دی، پھر طاقت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپے میں ڈال دیا۔ وہ جس حالت کو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہی تمہاری تمام حالتوں کا علیم اور ہر حال کا ایک اندازہ کر دینے والا ہے۔

شاید ہماری جوانی کا عہد ختم ہو چکا، اب "صد عیب" پیری کی منزل سے گذر رہے ہیں۔ ہمارا بچپن جس قدر حیرت انگیز اور جوانی کی طاقتیں جس درجہ زلزلہ انگیز تھیں، دیکھتے ہیں تو بڑھاپے کے ضعف و نقاہت کو بھی اتنا ہی تیز پاتے ہیں۔ شاید اس کے بعد اب منزلِ فنا درپیش ہے۔ چراغ تیل سے خالی ہوتا جاتا ہے اور چولھا خاکستر سے بھرتا جاتا ہے۔ گذشتہ باتوں کی صرف ایک بات یاد رہ گئی ہے اور جوانی کے افسانے خواب و خیال معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں مٹنا ہی ہے تو مٹنے میں دیر کیوں ہے؟ صبحِ فنا آ گئی ہے تو شمعِ سحر کو بجھ ہی جانا چاہیئے۔ جس بزمِ اقبال و عظمت میں اب ہمارے لئے جگہ نہیں رہی بہتر ہے کہ اوروں کے لئے اُسے خالی کر دیں۔ ہم نے ایک ہزار برس سے

زیادہ عرصے تک دنیا میں زندگی کے اچھے بُرے دن کاٹے اور ہر طرح کی لذتیں چکھ لیں۔ حکمرانی کے تخت پر بھی رہے اور محکومی کی خاک پر بھی لوٹے۔ علم کی سرپرستی بھی کی اور جہل کی رفاقت میں بھی رہے جب عیش و عشرت کی بزم آرائیوں میں تھے تو اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور اب حسرت و آرزو کے غم کدے میں ہیں تو اس میں بھی ایک شان یکتائی رکھتے ہیں۔ زمانے نے ہمارے مٹانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو دیر نہ کرے۔ لیکن گو ہم مٹ جائیں گے مگر ہمارے بٹھائے ہوئے نقشوں کا مٹانا آسان نہ ہوگا۔ تاریخ ہم کو کبھی نہ بھلا سکے گی اور ہمارا افسانۂ عبرت ہمیشہ مسافرانِ عالم کو یاد آآ کر خون کے آنسو رلائے گا:

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیک اُٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے

رات کے پچھلے پہر کی تاریکی اور سناٹے میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میرا قلب مضطر اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ آفتاب عید کے اشتیاق میں خستگانِ انتظار کروٹیں بدل رہے ہیں مگر میری نظر ایک جھلملاتے ہوئے تارے پر ہے۔ دیکھتا ہوں تو یاس و ناامیدی کی رات گو تاریک ہے مگر پھر بھی ہماری اُمید کے افق پر ایک آخری

ستارہ جھلملا رہا ہے۔ جن آنکھوں سے ہم نے خشک درختوں کو کٹتے دیکھا ہے اُنھیں آنکھوں نے خشک درختوں کو سرسبز و شاداب بھی ہوتے دیکھا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا، وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

(۳۰ : ۱۵)

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی ہے کہ وہ تم کو ڈرنے اور امید کرنے کے لئے بجلی دکھلاتا ہے پھر آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک عقلمندوں کے لئے ان باتوں میں قدرت الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

عید اضحیٰ

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ
وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ
وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

(۳۷ : ۱۰۴)

پھر جب ابراہیم اور اسماعیل دونوں لید
کے آگے جھک گئے اور ابراہیم نے اسماعیل
کو ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل گرادیا
تو ہم نے پکارا اے ابراہیم بس کرو تم
نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم ایسا ہی
نیک بندوں کو ان کے ایثار نفس اور
فدویت نفس و جان کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔
بے شک یہ ایک نہایت کھلی ہوئی یعنی
ظاہری آزمائش تھی اور ذبح اسماعیل

کے فدتے میں ہم نے ایک بہت بڑی قربانی یعنی سنت ابراہیمی کی یادگار میں تا قیامت جاری رہنے والی قربانی دے دی۔ اور تمام آنے والی امتوں میں اس واقعہ عظیمہ کے ذکر کو قائم کر دیا یس۔ سلام ہو راہ الہٰی میں اپنی قربانی کرنے والے ابراہیم خلیل پر۔

ٹھیک اب سے پانچ ہزار دو سو بیتالیس برس پیشتر دنیا کے ایک گوشے میں کیسا عجیب و غریب انقلاب ہو رہا تھا۔ ایک ہولناک اور وحشت انگیز بیابان ریگ زار تھا۔ جس کی مہلک ریگ اور خشک سرزمین میں ہر طرف موت و ہلاکت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک یکسر وادی "غیر ذی ذرع" تھی جس کی سطح بے نموء پر زندگی کی سبزی و شگفتگی کا نام و نشان تک نہ تھا لیکن رب السموات والارض کے دونوں مخلص بندے تھے جنھوں نے انسانی زندگی کے لئے اسی صحرائے ہلاکت کو آبادی کے لئے اسی بیابان وحشت کو، فلاحت و زراعت کے لئے اسی سرزمین خشک سال کو، اور خدائے واحد کی پرستش و عبادت کے لئے اسی صحرائی قربان گاہ کو منتخب کیا تھا۔ ان کے چاروں طرف صحرائے وحشت تھا مگر اُن کے اندر وہ خدائے حکیم و قدیر تھا جو آبادیوں کا بخشنے والا اور زمینوں کی وراثت تقسیم کرنے والا ہے۔ ان کے ہاتھ میں پتھروں کے ٹکڑے تھے جن کو

ایک دیوار کی صورت میں جمع کرتے جاتے تھے اور زبان پر یہ دُعائیں تھیں جو ادھر تو زبان سے نکل رہی تھیں اور ادھر قوموں اور مُلکوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہو رہا تھا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

الٰہی یہ ہمارے ہاتھ تیری پرستش اور تیرے جلال و قدوسیت کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں اس کو قبول کرے بے شک تو ہی دعاؤں کو سننے والا اور نیتوں کا دیکھنے والا ہے الٰہی ہم کو اپنا مسلم اور اطاعت شعار بنا اور پھر ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی ہی اُمت پیدا کر جو ہماری طرح مسلم و مومن ہو۔ الٰہی ہم کو اپنی عبادت و بندگی کے مقبول طریقے سوجھا دے۔ اور ہمارے قصوروں سے در گذر کر کہ تو ہی بڑا درگذر کرنے والا اور تو ہی اپنے عاجز بندوں پر مہربان ہے۔ الٰہی ہماری اس دعا کو بھی ان گھڑیوں میں قبول کرلے کہ جو

(۲:۱۲۷)

قوم ہماری نسل سے پیدا ہو ان میں اپنا ایک ایسا برگزیدہ رسول بھیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ علم و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس قلب کی اصلاح کرے۔ الٰہی ان تمام باتوں کا تجھی کو اختیار ہے اور تیری ہی تدبیر اصلی تدبیر اور تیری ہی حکمت اصلی حکمت ہے۔

اللہ اکبر! وہ وقت کیا تھا جبکہ صدیوں اور ہزاروں برس کا فیصلہ چند لمحوں اور منٹوں کے اندر ہو گیا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر! لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر! اللہ اکبر وللہ الحمد یہ دعائیں ان زبانوں سے نکل رہی تھیں جن میں سے ایک راہ الٰہی میں اپنے جذبات اور ارادے کی قربانی کر چکا تھا اور دوسرا اپنے جان و نفس کی۔ دونوں نے اپنی محبوب ترین متاعوں کو راہِ الٰہی میں لٹا دیا تھا۔ ایک نے اپنے فرزند عزیز کو اور دوسرے نے اپنی جان عزیز کو۔ دونوں مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اس لئے دونوں مُسلم تھے۔ خدا نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ اور اس طرح قبول کیا کہ دنیا کے پانچ ہزار برس کے حوادث و انقلابات بھی ان کی قبولیت کی صداقت کو دھبہ نہ لگا سکے۔ وہ چند بھرے دل سے

چنی ہوئی چاردیواری جس کے چاروں طرف انسانی ہستی کی کوئی علامت نہ تھی، کروروں انسانوں کی پرستش گاہ اور قبلۂ وجود بنی، اور خدا کے جلال اور قدوسیت نے تمام عالم میں صرف اسی کی چھت کو اپنا نشیمن بنا لیا۔ داؤد اور سلیمان کا وہ عظیم الشان ہیکل جس کو ہزاروں انسانوں کی سالہا سال کی محنت و مشقت نے سلیے پلیے ستونوں اور گنبدوں کا ایک شہر بنا دیا تھا۔ چند صدیوں تک بھی زندہ نہ رہ سکا اور وحشی حملہ آوروں نے بارہا اس کی عظیم الہئیۃ دیواروں کو غبار بنا کر اڑا دیا۔ لیکن چند پتھروں سے چنی ہوئی اس چاردیواری کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا تھا کہ پانچ ہزار برس کے اندر انقلاباتِ ارضیہ و سماویہ نے سمندروں کو جنگل اور انسانی آبادیوں کو سمندروں کے طوفانوں کی صورت میں بدل دیا، لیکن آج تک اس کی بنیادوں کو کوئی حادثہ اور کوئی مادی قوت صدمہ نہ پہنچا سکی۔ یہاں تک کہ تاریخ عالم میں وہی ایک سرزمین ہے جس کی نسبت تاریخ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس کی مقدس و محترم خاک آج تک غیر قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے محفوظ و مصئون ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ | ہم نے حرم مکہ کو جو ایک غیر معروف اور بے رونق خطہ تھا امن و حفاظت کا گھر بنا دیا اور ایک عالم نے اس کے اردگرد

حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ — ہجوم کیا پھر کیا لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

اور اگر کسی قوم نے اس کی عزت و احترام کو مٹانا چاہا تو خدائے قدوس کے دست کبریائی نے خود اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۔ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۔ وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۔ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۔

(۱۰۶ : ۱)

اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا جو ہاتھیوں کا ایک غول لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ کیا خدا نے ان کے تمام داؤ غلط نہیں کر دئے اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں کئے جنہوں نے ان کو سخت بربادی میں مبتلا کر دیا جو ان کے لئے لکھ دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ پامال شدہ کھیت کی طرح تباہ ہو گئے۔

یہ اس دعا کے پہلے ٹکڑے کی قبولیت تھی۔ باقی دو التجاؤں کو جس طرح خدا تعالےٰ نے قبولیت بخشی اس کی صداقت بھی اس بیت خلیل کی صداقت سے کم نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى — بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

کہ دعائے ابراہیمی کو قبول فرماکر، انہی میں سے ان کی طرف اپنا رسول بھیجا جو ان کو احکام الٰہی پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو علم وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ سخت جہل و گمراہی میں مبتلا تھے۔

قرآن کریم میں ایک بہت بڑا حصہ انبیائے سابقین کے قصص الاعمال کا ہے۔ اس کا عام انداز بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے اور پھر اس تعلیم کی صداقت کے لئے امم گذشتہ، اور اعمال انبیائے سابقہ کے حالات و واقعات سے ایک خطابی استدلال کرتا ہے، تاکہ امت مرحومہ کے سامنے تعلیم اور اس کے عملی نمونے اور نتائج دونوں موجود ہو جائیں۔

لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے از سرتاپا اعمال بطور نمونے کے پیش کئے گئے ہیں اور اُن کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سورۂ احزاب میں فرمایا کہ:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا

(۲۱ : ۳۳)

بے شک رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے (کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنے والے ہو) پیروی و اتباع کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اور پھر سورہ ممتحنہ میں ملت حنیفی کے داعی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا:

لقد کان لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم والذین معہ

(۶ : ۶۰)

بے شک تمہارے لئے ایک بہترین نمونہ عمل حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے اعمال زندگی میں ہے۔

پھر اسی رکوع میں حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی تعلیم کی تشریح کرکے مکرر کہا۔

لقد کان لکم فیہم اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر ومن یتول فان اللہ ہو الغنی الحمید ۝

بے شک تمہارے لئے جو کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو، ان لوگوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ عمل ہے اور جو شخص اس کی طرف سے منہ موڑلے تو اللہ تو انسانوں کا کچھ محتاج نہیں ہے

میں نے ہمیشہ اس پر غور کیا ہے کہ ۔

۱۔ تمام قرآن کریم میں بیسیوں انبیائے سابقین کے حالات و اعمال بیان کئے گئے ہیں، لیکن کسی کی تمام تر زندگی کو بطور ایک نمونے کے مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا ہے، الا حضرت ابراہیم کی

۲۔ تمام قرآن میں "اسوۂ حسنہ" کا لفظ صرف تین مقامات میں آیا ہے۔ اول سورۂ احزاب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور پھر سورہ ممتحنہ میں دو مرتبہ حضرت ابراہیم کی نسبت ۔ اس کی علت کیا ہے۔

۳۔ سورۂ احزاب اور سورۂ ممتحنہ دونوں سورتیں زیادہ تر احکام جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور بعض مقاتلات کے نتائج و ردود ابتلاء آزمائش، و عجائبات نصرت الہیہ کے بیان سے مملو ہیں ۔ پھر یہ دونوں آیتیں جن رکوعوں میں آئی ہیں، وہ بھی تمام تر ذکر جہاد پر مبنی ہیں ۔ ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی علت ہو۔

۴۔ دونوں مقامات میں پوری مماثلت، حتیٰ کہ اشتراک جزئیات بیان بھی موجود ہے ۔ سورۂ احزاب میں اس آیت کا وہ موقعہ ہے جہاں جنگ احزاب یا جنگ خندق کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور زیادہ تر ان منافقین اور ضعیف القلب اشخاص کا حال بیان کیا ہے جو اپنی تین ہزار کی جمعیت کے مقابلے میں حملہ آوروں کی بارہ ہزار

مسلح اور متحارہ قوت دیکھ کر گھبرا اُٹھے تھے۔ پھر اس نصرتِ الٰہی کا حوالہ دیا ہے جس نے محصورین کو کامیاب کیا اور تمام حملہ آور ناکام و خاسر واپس گئے۔ بعینہٖ یہی حال سورۂ ممتحنہ کے پہلے رکوع کا ہے۔ فتح مکہ سے پیشتر جب آں حضرت نے چڑھائی کا ارادہ کیا تو حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک صحابی تھے، جن کے اہل و عیال مکہ میں موجود تھے۔ انھوں نے پوشیدہ طور پر ان کو اطلاع دے دی کہ اپنے تحفظ کا انتظام کر رکھیں۔ وحی الٰہی سے یہ حال آں حضرت پر منکشف ہوگیا اور آدمی دوڑا کر وہ خط راہ سے واپس منگوا لیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ	مسلمانو! ان کافروں اور دشمنانِ خدا کو اپنا دوست نہ بناؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے دشمن ہیں (یہ
اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ	کیسی بات ہے کہ) تم ان سے نامہ و پیام جاری رکھتے ہو؟ حالانکہ تمھارے پاس جو حق و صداقت اللہ کی طرف سے آئی وہ اس سے انکار کر چکے ہیں۔
(۶۰:۱)	

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے "اسوۂ حسنہ" پر اس رکوع میں توجہ دلائی گئی ہے۔ پھر آیات متعلق حرب و قتال و تشویق جہاد

فی سبیل اللہ میں اس "اسوۂ حسنہ" پر توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی؟

اصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم اسلام کی جس حقیقت کو دنیا کے آگے پیش کرنا چاہتا تھا، اس کے لحاظ سے اگر کوئی زندگی "اسوۂ حسنہ" ہو سکتی تھی تو وہ صرف حضرت ابراہیم ہی کی زندگی تھی۔ اسلام ایک صداقت ہے اور اس لئے دنیا میں اس وقت سے موجود ہے، جس وقت سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں صداقت ہے، لیکن اس صداقتِ مبین کو ایک شریعتِ الٰہیہ کی صورت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم ہی نے پیش کیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر جگہ ان کو ملتِ حنیفی کے اولین واعظ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲ : ۵۴)

جب حضرت ابراہیم سے ان کے پروردگار نے کہا کہ مسلم (یعنی سچے فرماں بردار) ہو جاؤ تو انھوں نے کہا کہ میں اسلام لایا تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے

چونکہ حضرت ابراہیم اسلام کے پہلے داعی تھے، اس لئے ان کا وجود یکسر پیکرِ اسلام تھا، اور اپنے ہر عمل حیات کے اندر اسلام کی حقیقت کا ایک عملی نمونہ رکھتا تھا۔ وہ اسلام کے واعظ تھے اور واعظ کے لئے اولین شے یہ تھی کہ تعلیم کے ساتھ خود اپنی زندگی کا عملی نمونہ بھی پیش کر دے اور جن حقیقتوں کی

طرف دنیا کو دعوت دینا ہے، ان کو سب سے پہلے اپنے اوپر طاری کرنے حضرت ابراہیم نے ان حقائق کو اپنے اوپر طاری کیا، اس لئے ان کا ہر عمل از سر تا پا صدائے اسلام تھا اور وہی پیروان اسلام کے لئے عملی نمونہ یا "اسوۂ حسنہ" ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کی زندگی کے تمام اعمال ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دئے، اور ان کے ذکر کو بقائے دوام عطا فرمایا۔ دنیا کے بڑے بڑے کشورستانوں، عظیم الشان فاتحوں اور خشکیوں اور سمندروں پر حکمرانی کرنے والی قوموں کو ہم آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں، بوسیدہ قبروں، قومی روایتوں اور تاریخ کے کہنہ اوراق میں ضرور دیکھ سکتے ہیں، مگر تمام مجمع اولین و آخرین میں ایک انسانی ہستی بھی ایسی نہیں مل سکتی، جس کے اعمال حیات صفحوں اور مٹی کے ڈھیروں میں نہیں بلکہ کروڑوں زندہ انسانوں کے اعمال کے اندر سے اپنی حیات کا ثبوت دے سکتے ہوں۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو دنیا کے سامنے "اسوۂ ابراہیمی" کی لازوال زندگی کا کیسا عجیب منظر ہوتا ہے، جبکہ تاریخ کئی ہزار برس آگے بڑھ کر لوٹتی ہے تاکہ اسلام کے واعظ اول کی زندگی کو ایک مرتبہ پھر دہرا دے۔ لاکھوں انسانوں کا مجمع ہوتا ہے جن میں سے ہر وجود پیکر ابراہیم بن جاتا ہے اور "مقام خلت" کی سلطنت تعین اور تشخص کو فنا کر کے اس پورے مجمع کو ایک "ابراہیم خلیل"

کی صورت میں نمایاں کر دیتی ہے!

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (۱۹ : ۵۰)

اور ہم نے حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت میں سے بڑا حصہ دیا اور اُن کے لئے ایک اعلیٰ و اشرف (طریق) ذکرِ خیر دنیا میں باقی رکھا۔

آج ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے جبکہ یہ سطور قلم سے نکل رہے ہیں، چشمِ تصور سے دیکھئے تو آپ کے سامنے بندگانِ مخلصین کا ایک شہر آباد ہے لاکھوں انسان ایک ہی لباس اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک ہی کے لئے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔ بیشک" ابراہیم خلیل" کا وجود تنہا دنیا میں باقی نہیں رہا، لیکن کیا ان لاکھوں عاشقانِ الٰہی میں سے ہر عاشق اسی عاشقِ اول کے فیضانِ عشق سے مستفیض نہیں ہے؟ اگر ہے تو یقین کیجئے کہ "خلیل اللہ" آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جبکہ میدانِ حج میں لاکھوں انسانوں کی زبانوں سے صدائے لَبَّيْكَ! لَبَّيْكَ! اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ!! نکلتی ہے، تو اس ایک ہی ابراہیم خلیل کی صدا ہوتی ہے جس نے اب سے پانچ ہزار برس پیشتر اپنے دوست کی صدائے یا عبدی کے جواب میں عاشقانہ محویت کے ساتھ لبیک کا نعرہ لگایا تھا۔ وہ ایک ہی وجود کے اندر کب محدود تھا کہ فنا ہو جاتا؟ وہ

تو اپنے اندر ایک پوری اُمت رکھتا تھا، اس لئے آج بھی اپنی اُمت کی صورت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا ط وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

بے شک ابراہیم (گویا) ایک پوری اطاعت شعار اُمت تھا اور ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا۔

یہی سبب ہے کہ حضرتِ ابراہیم کی ہر بات "اسلام" تھی حقیقت اسلامی میں ان کا وجود اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ خود اُن کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی تھی جبکہ ستاروں کی عجیب و غریب روشنی اُن کے سامنے آئی، چاند کی دلفریبی نے ان کو آزمانا چاہا، اور سورج اپنی سطوت و عظمت سے چمکا تاکہ ان کی فطرت کو مرعوب کر سکے، تو اسلام ہی تھا جس نے اندر سے صدا دی کہ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (میں فناپذیر ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔

(۶۱ : ۷۵)

میں ہر طرف سے کٹ کر صرف اس ایک ہی ذات کا ہو گیا ہوں جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا الحمد للہ کہ میں مشرکوں میں سے نہیں۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان

مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — وزمین کے مناظر دعجائب دکھلائے تاکہ
وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۞ — وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے

انھوں نے جب آنکھ کھولی تو ان کے چاروں طرف بت پرستی کے مناظر تھے۔ انھوں نے خود اپنے گھر کے اندر جس کسی کو دیکھا، اس کے ہاتھ میں سنگ تراشی کے اوزار اور بتوں کے ڈھانچے تھے۔ وہ کالڈیا کے بازاروں میں پھرے، مگر جس طرف دیکھا بتوں کے آگے جھکے ہوئے سر تھے اور جس طرف کان لگایا، خدا فروشی کی صدائیں آرہی تھیں۔ پھر وہ کون سی چیز تھی جس نے ان تمام چیزوں سے ہٹا کر، جو آنکھوں سے دیکھی، اور کانوں سے سُنی جاتی ہیں، اُن کے دل میں ایک ان دیکھے محبوب کے عشق کی لگن لگادی! اور ایک ان سُنے نغمے کی تلاش میں اُن کے سامعہ کو آوارہ کردیا؟ ان کے سامنے تو بتوں کی قطاریں تھیں جن کو ان کی آنکھیں دیکھتی تھیں، پھر وہ کون تھا جو اُن کے اندر بیٹھا ہوا خدائے قدوس کو دیکھ رہا تھا اور اس قدرتی جوش و قوت کے ساتھ جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار، یا کسی زمین سے اُبلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے، ان کی زبان سے فاطر السمٰوٰت والارض کی یہ شہادت دے رہا تھا!

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۞ — وہ جس نے مجھ کو پیدا کیا اور پھر ہدایت
وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ — کی راہیں کھول دیں، وہ کہ بھوکا ہوتا
وَیَسْقِیْنِ ۞ — ہوں تو کھلاتا اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

(۲۶ - ۸۲)

اور وہ کہ جب اپنی بداعمالیوں سے بیمار پڑتا ہوں تو اپنی رحمت سے شفا دے دیتا ہے۔ جو موت کے بعد حیات بخشے گا اور جس کی رحمت سے اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔

اور پھر یہ کیا تھا کہ جب کہ ان کا سنگ تراش چچا پتھروں سے پرستش کی صورتیں بناتا تھا تو بے اختیار اُن کی زبان سے نکلتا تھا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝

(۲۵ : ۴۳)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم جن بت پرستیوں میں مبتلا ہو۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں البتہ مجھ کو اس ان دیکھی ذات سے سروکار ہے جس نے میری خلقت بنائی اور یقین ہے کہ وہی مجھ پر اپنی راہ کھول دے گا

دراصل یہ "دینِ حقیقتِ اسلامیہ" تھی جس نے اُن کے وجود کو گھیرنے والی

اُمتوں کے لئے " اسوہ حسنہ " بنا دیا تھا۔ اور جس کی وصیت انھوں نے اسحٰق اور اسمٰعیل علیہما السلام کو کی اور پھر اُنھوں نے یعقوب کو اور اس کے بعد نسلاً بعد نسلٍ سلسلۂ ابراہیمی میں منتقل ہوتی رہی۔

یہی حقیقت وہ روحِ اعظم تھی جو آدم کے کالبد میں پھونکی گئی۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ — اور خدا نے آدم میں اپنی "روح" پھونکی

اور یہی وہ روحِ الٰہی ہے جو شریعتِ ابراہیمی سے منسوب ہو کر سلسلۂ ابراہیمی کی آخری اُمت یعنی اُمتِ مرحومہ میں ظہور کرنے والی تھی اور جس کے یومِ ظہور کی ایک رات ایامِ الٰہیہ کے گذشتہ ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی تھی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

ہم نے اسلام کو بصورت قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس رات ملائکہ اور "روح" کا نزول ہوتا ہے جو اپنے پروردگار کے حکم سے (نظم روحانی) کے تمام امور کے لئے آتے ہیں۔ وہ رات امن و سلامتی کی رات ہے طلوعِ صبح تک

۔۔۔۵۰۰۔۔

اور یہی وہ حقیقت تھی جو ان تمام حقیقتوں سے جو یہودیت یا مسیحیت سے تعبیر کی جا سکتی ہیں، اعلیٰ و ارفع تھی؛ کیونکہ وہ تمام شاخیں اسی حقیقۃ الحقائق کی جڑ سے نکلی تھیں پس "اصل" کی موجودگی میں "فرع" بے اثر ہے اور "کل" کے سامنے "جز" بے حقیقت۔ یہی سبب ہے کہ جب اس اصل و کل کی تکمیل کا آخری بروز ہوا تو کہا گیا کہ

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا، قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۲:۱۲۹)	یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تاکہ ہدایت پاؤ، لیکن ان سے کہہ دو کہ نہیں بلکہ صرف ملتِ ابراہیمی ہی میں تمام ہدایتوں کی حقیقت ہے اور وہ تمہاری طرح مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اور یہی وہ انسان کی "فطرتِ اصلی" ہے جس کو "اسلام" کے سوا قرآن کریم نے "قلبِ سلیم" کے لقب سے بھی یاد کیا ہے۔ یعنی "قلبِ انسانی کی وہ بے میل حالت جو خارجی اثرات ضلالت سے بالکل محفوظ ہو یا فطرۃ اصلی کا وہ ذوق صحیح جس کا ذائقہ کبھی عارضی بیماری کے اثر سے بگڑ نہ گیا ہو۔ کیوں کہ انسان کے اندر جو کچھ ہے، وہ اسلام ہے اور کفر جب آتا ہے تو باہر سے آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسبت تصریح کر دی کہ:

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۔

جب حضرت ابراہیم اپنے رب کی طرف "قلب سلیم" کے لے کر آئے۔

اور پھر سورۂ شعراء کے چوتھے رکوع میں جب حضرت ابراہیم نے آذر کی ضلالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعا مانگی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶ : ۸۸)

وہ آخری روز عدالت جبکہ نہ تو مال و دولت کام دیں گے اور نہ اہل و عیال کام آئیں گے (یعنی کوئی مادی شے مفید نہ ہوگی۔ مگر صرف وہ کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں "قلب سلیم" ہے۔

یہی قلب سلیم تھا جس پر اجرام سماویہ کے مدہش مناظر فتح نہ پاسکے اور اس نے ابراہیم کے دل کے اندر سے فاطر ملکوت السمٰوٰت و الارض کے وجود پر شہادت دی۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

ابراہیم نے اپنی قوم کو جواب میں کہا کہ وہ آسمان و زمین کا فاطر جس نے اُن کو پیدا کیا، تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اس کے وجود پر شہادت دیتا ہوں۔

اور سب سے آخر یہ کہ جب حقیقتِ اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ "اسلام" ہی تھا جس نے ابراہیم کے ہاتھ میں چھری دی تاکہ فرزندِ عزیز کو ذبح کرکے محبت ماسوی اللہ کی قربانی کرے اور اسلام ہی تھا جس نے اسمٰعیل کی گردن جھکا دی تاکہ اپنی جانِ عزیز کو اس کی راہ میں قربان کردے جب کہ اس نے پوچھا

یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اِنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ	اے فرزندِ عزیز! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا تجھے اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں، پھر تیرے خیال میں یہ
(۳۷ : ۹۹)	بات کیسی ہے؟

تو یہ وجودِ ابراہیمی کی نہیں بلکہ "اسلام" ہی کی صدا تھی اور پھر جب اس کے جواب میں اسمٰعیل نے کہا کہ:

یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝	اے باپ! یہ تو گویا اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کا اشارہ ہے۔ بس جو اس کا حکم ہے، اس کو بلا تامّل انجام دیجئے۔ اگر اس خدا کی مرضی ہوئی تو آپ دیکھیں
۳۷ : ۱۰۰	

گے کہ میں صبر کرنے والوں میں سے ہوں گا۔

تو یہ بھی اسمٰعیل کی نہیں، بلکہ اسلام ہی کی صدا تھی۔ پھر جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح سختی سے پکڑ کے زمین پر گرا دیا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا جو ابراہیم کے اندر سے کام کر رہا تھا۔ اور جب بیٹے نے اس شوق و ذوق کے ساتھ جو مدتوں کے پیاسے کو آبِ شیریں سے ہوتا ہے، اپنی گردن مضطرب ہو ہو کر چھری سے قریب کر دی تو وہ حقیقتِ اسلامی ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفسِ اسمٰعیل کو فنا کر دیا تھا اور اسی فنا سے مقامِ ایمان کو بقا ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۳۷ : ۱۱۱)

پس سلام ہو حقیقتِ اسلامی کی قربانی کرنے والے ابراہیم پر۔ ہم مقامِ احسان تک پہنچنے والوں کو بقائے دوام کا ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے حقیقی مومن بندوں میں سے تھا۔

اللّٰہُ اکبر، اللّٰہُ اکبر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبر، اللّٰہُ اکبر وَلِلّٰہِ الحَمد

غافل مرو کہ تا درِ بیت الحرامِ عشق
صد منزل ست و منزلِ اول قیامت ست

اللہ اللہ۔ اس نیرنگ سازِ ازل کے کاروبارِ محبت کی بوقلمونی کو

کیا کہیئے کہ اس کے حریم محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کے چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے، دوستوں کو کٹواتا ہے، مگر دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ باپ کے ہاتھ میں چھُری دیتا ہے کہ بیٹے کو قتل کرے اور بیٹے سے کہتا ہے کہ خوش خوش گردن جھکا دے کہ یہاں جان دینا ہی نہیں، بلکہ جان دینے کو روز عیش و نشاط سمجھنا بھی شرط ہے۔

آہ این چہ دوستی است کہ سرہائے یک دگر
خویشاں بُریدہ بر رہِ قاتل نہادہ اند

ابراہیم کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ بیٹے کی محبت گوارا نہ ہوئی اور اسماعیل کے پہلو میں اپنے گھر کو دیکھا تو محبت نفس و جان کی پرچھائیں نظر آئی۔

عشق است و ہزار بدگمانی

غیرت الٰہی نے اس کو بھی منظور نہیں کیا۔ حکم ہوا کہ پہلے محبت کے مکان کو ایک ہی مکین کے لئے خالی کردو۔ پھر اس طرح نظر اُٹھا کر دیکھنا کہ "الغیرۃ من صفات حضرت الربوبیۃ" محبت کی عشق آموزی کا پہلا سبق غیرت ہے اور یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ

اللہ تعالے تمہارے تمام گناہوں سے درگذر کرسکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کرسکتا

لِمَن یَّشَآءُ ۔ کہ تم اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

سلطانِ محبت تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، مگر اس کی عدالت میں دل کی تقسیم کا کوئی قانون نہیں ہے۔ آپ کا دوست ہزار کج ادائیاں کرے، آپ کا دل محبت پرست اس کی شفاعت سے باز نہ آئے گا لیکن آپ اس گوشۂ نظر سے کیوں کر درگزر کر سکتے ہیں جو آپ کی طرف نہیں بلکہ کسی دوسری جانب تھی؟ آپ کسی کی آنکھوں کی بے مہری کو تو گوارا کر لے سکتے ہیں لیکن اس خمار کو کیوں کر دیکھ سکتے ہیں جو صحبتِ غیر کی شب بیداریوں سے پیدا ہوا ہو؟ اگر کبھی اس کوچے میں گزر ہوا ہے تو اپنے دل سے پوچھ لیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ البتہ اس مسئلے کے سمجھنے کے لئے مدرسے سے باہر بھی کچھ سیکھنا ضروری ہے۔

عود الی المقصود

اب میں اپنے اصلی مقصد سے بہت قریب آگیا ہوں۔ یہی آخری حالت وہ حقیقتِ اصلی تھی جس کو آغاز مضمون سے میں "حقیقتِ اسلامی" کے لفظ سے تعبیر کرتا آیا ہوں۔ یہی دعوتِ اسلام کا وہ عملی نمونہ تھا جس نے اسوۂ ابراہیمی کی شکل میں ظہور کیا۔ یہی لفظ "اسلام" کا وہ شاہد معنی تھا جس کے روئے مشاہد اسرار کو دستِ خلیل اللہ نے بے نقاب کر دیا۔ یہی وہ لیلائے حقیقت تھی جس کے محمل وصال پر نفس و جان کی قربانیوں

کے پردے پڑے ہوئے تھے لیکن اس نجاز خلت کے تاج دار محبت کے کے لئے مانع نہ ہو سکے۔ اور عشاق حقیقت کے لئے اس کی جلوہ فروشیوں کو عام کر دیا، اور یہی وہ اصل اسلامی ہے جس کو قرآن کریم اپنی اصطلاح میں جہاد "فی سبیل اللہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ اور کبھی "اسلام" کی جگہ "جہاد" اور کبھی "مسلم" کی جگہ "مجاہد" بولتا ہے اور پھر یہی وہ "اسوہ حسنہ" ہے جس کی طرف وہ تمام پیروان ملت حنیفی کو دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ	بے شک حضرت ابراہیم اور ان کے
حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيْمَ	ساتھیوں میں پیروی واتباع کے لئے
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ	ایک بہترین نصب العین اور نمونہ زندگی ہے

پس قسم ہے اس خدائے اسلام کی جس نے ابراہیم اور اسمٰعیل کی قربانی کو برکت بخشی اور اس کو ملت حنیفی کے لئے "اسوۂ حسنہ" بنایا کہ "اسلام" اور "جہاد" ایک ہی حقیقت کے دو نام اور ایک ہی معنے کے لئے دو مرادف الفاظ ہیں اور اسلام کے معنی جہاد ہیں اور جہاد کے معنی اسلام لیس کوئی ہستی مسلم ہو نہیں سکتی، جب تک وہ "مجاہد" نہ ہو، اور کوئی مجاہد ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ مسلم نہ ہو۔ اسلام کی لذت اس بدبخت کے لئے حرام ہے جس کا ذوق ایمانی لذت جہاد سے محروم ہو — اور زمین پر گو اس نے اپنا نام مسلم رکھا ہو لیکن اس کو

کہہ دو کہ آسمانوں میں اس کا شمار کفر کے زمرے میں ہے۔

فالجهاد! الجهاد! الجهاد! الجهاد فِي سَبِيلِ اللهِ! ایها المسلمون الغفلون عَنْ حقيقة الاسلام والجهاد! وَاللهُ اكبر! اللهُ اكبر! لا اله الا الله والله اكبر ولله الحمد

جبکہ ایک دنیا لفظ "جہاد" سے کانپ رہی ہے، جبکہ عالم مسیحی کی نظروں میں یہ لفظ ایک عفریت مہیب یا ایک حربۂ بے امان ہے، جب کہ اسلام کے مدعیان حمایت نصف صدی سے کوشش کر رہے ہیں کہ کفر کی رضا کے لئے اسلام کو مجبور کریں، کہ اس لفظ کو اپنی لغت سے نکال دے، جبکہ بظاہر انھوں نے کفر و اسلام کے درمیان ایک راضی نامہ لکھ دیا ہے کہ اسلام لفظ جہاد کو بھلا دیتا ہے، کفر اپنے توحش کو بھول جائے اور جبکہ آج کل کے ملحدین مسلمین اور متفرنجین مفسدین کا ایک حزب الشیطان بے چین ہے کہ بس چلے تو اوپر سے درجۂ تقرب عبودیت حاصل کرنے کے لئے سرے سے اس لفظ ہی کو قرآن سے نکال دے۔ تو پھر یہ کیا ہے کہ میں نہ صرف جہاد کو ایک رکن اسلامی، ایک فرض دینی، ایک حکم شریعت بتلاتا ہوں بلکہ صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام کی حقیقت ہی جہاد ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلام سے اگر جہاد کو الگ کر لیا جائے تو وہ ایک لفظ ہوگا جس میں معنی نہیں ہیں، ایک اسم ہوگا جس کا مسمیٰ نہیں ہے، ایک قشر محض ہوگا جس سے مغز نکال لیا گیا ہے۔ پھر کیا میں ان تمام

اعمال مصلحین منفر یحیین کو غارت کرنا چاہتا ہوں جو انھوں نے تطبیق بین التوحید والتثلیث یا اسلام اور مسیحیت کے عقد اتحاد کے لئے انجام دی ہیں؟ وہ اصلاح جدید کی شاندار عمارتیں جو مغربی تہذیب و شائستگی کی ارض مقدس پر کھڑی کی گئی ہیں، کیا دعوتِ جہاد دے کے میں جنود مجاہدین کو بلاتا ہوں کہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے انھیں پامال کر دیں؟ اور پھر کیا چاہتا ہوں کہ اسلام کی زندگی کا افق جو حرارتِ حیات کی گرد سے پاک کر دیا گیا تھا مجاہدین کی اڑائی ہوئی خاک سے پھر غبار آلود ہو جائے؟

ہاں اے غارت گرانِ حقیقتِ اسلامی! اے دزدانِ متاعِ اسلامی! اور اے مفسدینِ ملت و مدعیانِ اصلاح! ہاں، میں ایسا ہی چاہتا ہوں میری آنکھیں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہیں، میرا دل ایسے ہی وقت کے لئے بیقرار ہے۔ خدائے ابراہیم و محمد علیہما السلام کی شریعت ایسا ہی چاہتی ہے۔ قرآن کریم اسی کو حقیقتِ اسلامی کہتا ہے۔ وہ اسی اسوۂ حسنہ کی طرف اپنے پیروؤں کو بلاتا ہے۔ اسلام کا اعتقاد اسی کے لئے ہے۔ اس کی تمام عبادتیں اسی کے لئے ہیں۔ اس کے تمام جسمِ اعمال کی روح یہی شے ہے اور یہی چیز ہے جس کی یاد کو اس نے ہمیشہ زندہ رکھنا چاہا اور "عید اضحیٰ" کو یوم جشن و مسرت بنایا۔ بس یہ ہے جس کی طرف میں مسلمانوں کو بلاتا ہوں پر تمھارے پاس کیا ہے جس کی طرف تم ہم کو دعوت دیتے ہو۔

یوم الحج

گویند مگو سعدی چندیں سخن عشقش   می گویم و بعد از من گویند بدستانہا

میں نے بہت چاہا کہ اپنے زخموں کو چھپاؤں لیکن نہ چھپا سکا۔ ایک مدّت کے سکون اندمال کے بعد آج پھر ایک لمحۂ اضطراب و کاوش میسر آگیا ہے۔ میرے دل کی بے چینیوں نے مجھے بستر انتظار پر تہہ و بالا کر دیا، اور میرے زخم ہائے کہنہ کے ٹانکے بے اختیار کھل گئے۔ اب ان کی خونابہ فشانی نہیں رک سکتی۔

آمادہ گشتہ ام دگر امشب نظارہ را   پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

آج میں پھر اپنی وہی متاع کہنہ لے کر بازار مقصود میں نکلا ہوں، جو ہمیشہ سے میرے کاروبار آہ و نالہ کا راس المال رہی ہے۔ اور جس کے سوا میرے

جیب داستین حسرت میں اور کچھ نہیں ہے۔ میرے پاس ایک زخمی دل کے چند ٹکڑے ہیں جن سے خون تمنا کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ میں خریداروں کا متلاشی ہوں، کوئی ہے جو ان پارہ ہائے خونیں کا طلبگار ہو؟

دامن تر می فروشم دیدۂ تر می خرم　　روئے بازار مراد امروز عرفی بانمست

میں اپنے جیب زیاں کی یہ کُل پونجی دے کر ایک سودا چکانا چاہتا ہوں مجھے چند آنکھیں چاہئیں جو ماتم یوسف میں یعقوب وار رونا جانتی ہوں۔ کیونکہ سچے آنسوؤں سے بڑھ کر عالم انسانیت میں کوئی شے طاقت ور نہیں ہے۔ وا اسفیٰ علیٰ یوسف:

خشک سالیست دریں عہد وفا را اے اشک
زاں دیار یکہ تو می آئی۔ باراں چونست!!

یہی قیمت زخم، یہی راس المال جراحت، یہی دست ماتم کار، یہی چشم خونبار اور یہی زبان فغاں سنج ہے، جسے اپنے ساتھ لے کر میں نے ہمیشہ خریداروں کو پکارا۔ یہی متاع دل اور جنس اشک وخوں فشانی ہے، جس کو ہمیشہ میں نے ڈھونڈا۔ میں ہمیشہ روتا رہا، اور میں نے لوگوں کو رلایا ہے۔ میں ہمیشہ ماتم کرتا رہا، اور ہزارہا ہاتھوں نے میری سینہ کوبی میں شرکت کی ہے۔ آج پھر اشک وفغاں کے لئے پیام درد دے کر اٹھا ہوں۔ پس ان سب پر سلام جن کی آنکھیں خونبار دل دو نیم، جگر سوختہ اور زبانیں دعا سنج ہیں، کیونکہ اشک افشانیوں کا آخری وقت

اضطراب قلوب وارواح کی انتہائی فرصت اور دعاہائے اشک آلود و فریاد ہائے مجروح و مضطر کی ہر طرف پکار ہو!

دم زصدق برآور کہ آرزو بخشاں — ہزار گنج اجابت بہ یک دعا بخشند

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ — اور خدا کے سوا کون ہے کہ ایک مضطر روح کی پکار کو سنے۔ اس کے دکھ کو دور کرے اور اپنے آگے جھکنے والوں کو اپنی خلافت بخشے؟ اور افسوس کہ بہت کم ہیں جو عبرت وبصیرت رکھتے ہیں!

وہ جو خشک سالی میں پانی کے لئے روئے کیا اب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی چمک میں امید کے آخری آنسو نہ بہائیں گے؟ وہ جنھوں نے ناامیدیوں میں اپنے مقصود کو پکارا، کیا اب امید وبیم کی آخری دیوار حائل تک پہنچ کر خاموش ہو جائیں گے؟ کیا موسم خزاں کے ماتم زدگان حسرت کے لئے یہ جائز ہے کہ بہار کی عین آمد پر اپنے ولولۂ جنون کو خیرباد کہہ دیں؟ دہقان کا کام موسم کے ظہور کے بعد اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور منزل جس قدر نزدیک آتی جائے رہروان مقصود کے آتش شوق کو اور زیادہ تیز ہو جانا چاہیئے۔ پہلے اگر حسرت وآرزو میں روئے ہو تو اب امید میں اور زیادہ چیخ چیخ کر رودو!

بایں کہ کعبہ نمایاں شود زپا منشیں — کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ ست

آسمان کے دروازے بند تھے اور تم ان کی طرف دیکھ دیکھ کر پکارتے تھے۔
لیکن آج کھل گئے ہیں اور تمھاری دعاؤں کے انتظار میں ملائکہ مدبرہ اور ملکوت السماوات
نے اپنے اجنحۂ نورانیہ کو کھول دیا ہے۔ جبکہ جواب نہیں ملتا تھا تو تم پکارتے تھے،
آج خود دست اجابت آمادۂ استقبال ہے، پھر زبان سائل کو کیا ہو گیا ہے کہ خاموش
ہے؟ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ۔

بطاعت کوش گر عشق بلا انگیز می خواہی   متاعے جمع کن، شاید کہ غارت گر شود پیدا

موسم بدل رہا ہے اور اضطراب و شورش کی جن خونیں بدلیوں سے فضا چھپ
گئی ہے وہ بالکل ویسی ہی ہیں جیسے ہر عصر انقلاب ارضی و تجدد مواہم اقوام و ملل میں
ظاہر ہوئی ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ ایام الاہیہ کا ایک یوم عظیم ختم ہو اور دوسرے دن کا
آفتاب طلوع ہو۔ یہ رات کی آخری گھڑیاں ہیں جو برق کی سی تیزی اور بادل کی سی
ہیبت میں گذر جائیں گی، اور لہو اور دھوئیں کی بدلیوں کے اندر سے دنیا کی حیات
جدیدہ کا ظہور ہوگا۔ پس صبح کی بخشش میں حصہ لینے والوں کو چاہیئے کہ اپنے
دماغوں کا نہیں بلکہ آنکھوں کا احتساب کریں اور شیطان غفلت سے ہوشیار
ہو جائیں کیونکہ رات بھر جاگنا آسان ہے، مگر صبح صادق کی گھڑیوں میں اونگھنے
سے بچنا مشکل ہے۔ نہ ہو کہ رات بھر اختر شماری کرنے کے بعد عین صبح کے وقت سو جاؤ
اور جس روشنی کو دیکھنا چاہتے تھے، اس کی کرنیں تمھارے خوابیدہ سروں پر ماتم
کریں۔ سچ یہ ہے کہ نہ تم اٹھے اور نہ تم نے بیداری کے لئے کوئی کروٹ لی لیکن جبکہ

دہقان آبپاشی سے غافل تھا تو آسمان نے خود ہی مینہہ برسا دیا، اور جبکہ انسانی ہمتیں تھک گئی تھیں تو کارخانۂ الٰہی خود ہی متحرک ہوگیا۔ پس وقت کو اس کا حق دینے میں تساہل نہ کرو کیونکہ وہ صرف اتنے ہی کا طالب ہے، اور جس قدر بھی جلد ہو سکے اپنی اصلاح و درستگی کا سامان کرلو۔ اَفَلَا يَتُوبُونَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ؟

یوم الحج کا ورود مقدس

آج ذوالحجہ کی پہلی تاریخ ہے اور ایک ہفتہ کے بعد تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان روز طلوع ہونے والا ہے جس کے آفتاب کے نیچے کرۂ ارضی کے ہر گوشے کے لاکھوں انسان اپنے خداوند کو پکارنے کے لئے جمع ہوں گے اور ریگستان عرب کی ایک بے برگ و گیاہ وادی کے اندر خدا پرستی و عشق الٰہی کا سب سے بڑا گھرانا آباد ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔

وہ لوگ کہ اگر اللہ انھیں زمین میں قائم کردے تو ان کا کام صرف یہ ہوگا کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں، زکوٰۃ ادا کرائیں، نیکی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکیں۔

یہ پہلا گھر تھا جو خدا کی پرستش کے لئے بنایا گیا اور آج بھی دنیا کے تمام بحر و بر میں صرف وہی ایک مقدس گوشہ ہے جو اولیاء الشیطان و اصحاب النار کی لعنت سے پاک ہے، اور صرف خدا کے

دوستوں اور اس کی محبت میں دکھ اٹھانے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

سمندروں کو عبور کر کے، پہاڑوں کو طے کر کے، اکئی کئی مہینوں کی مسافت چل کر دنیا کی مختلف نسلوں، مختلف رنگتوں، مختلف بولیوں کے بولنے والے اور مختلف گوشوں کے باشندے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ سلافی، ٹیوٹانک نسل کی باہمی عداوتوں سے دنیا کے لئے لعنت بنیں، اس لئے نہیں کہ ایک انسانی نسل دوسری نسل کو بھیڑیوں کی طرح پھاڑے اور اژدھوں کی طرح ڈسے، اس لئے نہیں کہ خدا کی زمین کو اپنے ابلیسی غرور اور شیطانی سیادت کی نمائش گاہ بنائیں، اس لئے نہیں کہ تیس تیس من کے گولے پھینکیں اور سمندر کے اندر ایسے جہنمی آلات رکھیں جو منٹوں اور لمحوں میں ہزاروں انسانوں کو نابود کر دیں، بلکہ تمام انسانی غرضوں اور مادی خواہشوں سے خالی ہو کر اور ہر طرح کے نفسانی ولولوں اور بہیمی شرارتوں کی زندگی سے ماوراء الوریٰ جا کر، صرف اس خدائے قدوس کو پیار کرنے کے لئے اسی کی راہ میں دکھ اٹھانے اور مصیبت سہنے کے لئے اور اس کی محبت و رافت کے پکارنے اور بلانے کے لئے جس نے اپنے ایک قدوس دوست کی دعاؤں کو سنا اور قبول کیا، جبکہ نیکی کا گھرانا آباد کرنے کے لئے اور امن و سلامتی اور حق و عدالت کی بستی بسانے کے لئے اس نے اپنے خدا کو پکارا تھا۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي	اے پروردگار میں نے تیرے محترم گھر کے
بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ	پاس ایک ایسے بیابان میں جو بالکل بنجر ہو گیاہ

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَ
ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

ہے۔ اپنی نسل لاکر بسائی ہے تاکہ یہ لوگ تیری
عبادت کو قائم کریں پس تو ایسا کر کہ انسانوں کے
دلوں کو ان کی طرف پھیر دے اور ان کی
رزق کا بہتر سامان کر دے۔

آہ ذرا تم ان کی ان عجیب و غریب حالتوں کا تصور کرو! یہ کون لوگ ہیں اور کس پاک بستی کے بسنے والے ہیں؟ کیا یہ اسی زمین کے فرزند ہیں جو خون اور آگ کی لعنتوں سے بھر گئی، اور صرف بربادیوں اور ہلاکتوں ہی کے لئے زندہ رہی؟ کیا یہ اسی آبادی سے نکل کے آئے ہیں جو سبعیت و خونخواری میں درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے غاروں سے بھی بدتر ہے۔ اور جہاں ایک انسان دوسرے انسان کو اس طرح چیر پھاڑتا ہے کہ آج تک نہ تو سانپوں نے کبھی اس طرح ڈسا اور نہ جنگلی سوروں نے کبھی اس طرح دانت مارے؟ کیا یہ اسی نسل اور گھرانے کے لوگ ہیں جس نے خدا کے رشتوں کو یکسر کاٹ ڈالا، اور اس طرح اس کی طرف سے منہ موڑ لیا کہ اس کی بستیوں اور آبادیوں میں خدا کے نام کے لئے ایک آواز اور ایک سانس بھی باقی نہ رہی؟ آہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ قدوسیوں کی سی معصومیت، فرشتوں کی سی نورانیت، اور سچے انسانوں کی سی محبت ان میں کہاں سے آگئی ہے؟ تمام دنیا نسلی تعصبات کے شعلوں میں جل رہی ہے، مگر دیکھو

یہ دنیا کی تمام نسلیں کس طرح بھائیوں اور عزیزوں کی طرح ایک مقام پر جمع ہیں، اور سب ایک ہی حالت، ایک ہی وضع، ایک ہی لباس، ایک ہی قطع، ایک ہی مقصد اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ سب خدا کو پکار رہے ہیں، سب خدا ہی کے لئے حیران و سرگشتہ ہیں، سب کی عاجزیاں اور درماندگیاں خدا ہی کے لئے ابھر آئی ہیں، سب کے اندر ایک ہی لگن اور ایک ہی ولولہ ہے، سب کے سامنے محبتوں اور چاہتوں کے لئے اور پرستشوں اور بندگیوں کے لئے ایک ہی محبوب و مطلوب ہی، اور جبکہ تمام دنیا کا محور عمل نفس و ابلیس ہے، تو یہ سب صرف خدا کے عشق و محبت میں خانہ ویراں ہو کر اور جنگلوں اور دریاؤں کو قطع کر کے دیوانوں اور بیخودوں کی طرح یہاں اکٹھے ہوئے ہیں! انھوں نے نہ صرف دنیا کے مختلف گوشوں کو چھوڑا بلکہ دنیا کی خواہشوں اور ولولوں سے بھی کنارہ کش ہو گئے۔ اب یہ ایک بالکل نئی دنیا ہے، جس میں صرف عشق الٰہی کے زخمیوں اور سوختہ دلوں کی بستی آباد ہوئی ہے۔ یہاں نہ نفس کا گذر ہے جو غرور بہیمی کا مبداء ہی، اور نہ انسانی شرارتوں کو بار مل سکتا ہے جو خونریزی اور ظلم و سفاکی میں کرۂ ارضی کی سب سے بڑی درندگی ہیں۔ یہاں صرف آنسو ہیں جو عشق کے آنکھوں سے بہتے ہیں صرف آہیں ہیں جو محبت کے شعلوں سے دھوئیں کی طرح اٹھتی ہیں، صرف دل سے نکلی ہوئی صدائیں ہیں جو پاک دعاؤں اور مقدس نداؤں کی صورت میں زبانوں سے بلند ہو رہی ہیں، اور ہزار دل سال

پیشتر کے عہد الٰہی اور راز ونیاز عبد و معبودی کو تازہ کر رہی ہیں۔

لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ، لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ !!

سر رد جانیاں داری ولے خود را ندیدستی
بخواب خود در آ تا قبلۂ روحانیاں بینی

یہ وہ مجمع ہے جس کی بنیاد دعاؤں نے ڈالی جس نے دعاؤں سے نشو ونما پائی جو صرف دعاؤں ہی کے لئے قائم کیا گیا، جس کی ترکیب بھی اوّل سے لے کر آخر تک دعاؤں ہی کے مناسک سے ہوئی، اور جو دعاؤں ہی کی لازوال طاقت سے قائم ہے۔ سب سے پہلی دعا وہ تھی جو اس گھر کی بنیاد رکھتے ہوئے خدا کے دو قدوس دوستوں کی زبانوں پر جاری ہوئی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ، وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ! رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ

اے پروردگار! ہمیں اپنا اطاعت شعار بنا اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر جو تیری مومن و مسلم ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے تبلا دے، اور ہماری توبہ قبول کرے! تو تو بہت ہی بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے۔ اور پھر اے پروردگار ہماری نسل میں ایک اپنا رسول مبعوث کر جو اس کے آگے تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب

وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ؕ — وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کر دے۔

سو بیابان حجاز کے قدوس لم یزل نے یہ دعا قبول کر لی اور اپنی اس امت مسلمہ کو پیدا کیا جو فی الحقیقت وجود ابراہیمی کے اندر پنہاں تھی۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا — بیشک حضرت ابراہیم خلیل اپنے وجود واحد کے اندر ایک پوری قوم اور خدا پرست امت تھے

یہ گھرانا درحقیقت دنیا کی امامت اور ارض الٰہی کی وراثت کے لئے آباد کیا گیا تھا اور اس کا عہد و میثاق روز اول ہی بندھ گیا تھا۔

پس اس مقدس دعا کی قبولیت نے امت مسلمہ کو بھی قائم کیا اور دنیا کے تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کے لئے سلسلۂ ابراہیمی کے آخری رسول کو بھی مبعوث کیا نیز جو امامت و پیشوائی اور خلافت فی الارض حضرت ابراہیم خلیل "علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام" کو دی گئی تھی۔ اس کی وارث ان کی ذریت و نسل ٹھہرائی گئی البتہ بموجب اپنے عہد کے "ظالموں" کو اس سے محروم کر دیا گیا۔ اس نسل کے جو لوگ اپنے نفس و روح کے لئے ظالم ہوئے اور خدا کے مقدس نوشتوں کی اطاعت سے سرکشی کی، ان سے وہ امامت موعودہ بھی چھین لی گئی اور خلافت موہوبہ سے بھی محروم کر دئے گئے۔ کہ "لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ"۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ — پھر ان کے بعد وہ لوگ ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے

اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ — صلوۃ الٰہی کو ترک کر دیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے۔

یہ دعاؤں کا وعدہ تھا جس کا ظہور ہماری اقبال و کامرانی کی تاریخ ہے، اور اسی طرح یہ دعاؤں ہی کی ایک وعید بھی تھی جس کی سزائیں اور محرومیاں ہماری برگشتگی اور درماندگیوں کا ماتم ہے۔ وہ ہم ہی تھے جو "اِنی جاعلك للناس اماما" کے وارث ٹھہرائے گئے تھے اور ہم ہی ہیں جو آج "لا ینال عھدی الظلمین" کی تصویر نامرادی ہیں۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ — یہ سب کچھ ان اعمال کا نتیجہ ہے جو خود انھوں نے اختیار کئے، ورنہ خدائے کریم تو اپنے بندوں کے لئے کبھی بھی ظالم نہیں ہو سکتا۔

پس دعاؤں کا یہ اجتماع لاہوتی، امت مسلمہ کا یہ مجمع مبارک، اور دعا ہائے مقدسہ ابراہیمیہ کا یہ مظہر عظیم و جلیل، قریب ہے کہ اسی بیابان حجاز میں ظہور کرے جہاں خدائے ابراہیم و محمد (علیہما السلام) نے امامۃ و خلافت الٰہی کے لئے اولین دعا کو سنا، اور پھر ہمیشہ دعاؤں کے سننے اور اپنی پکاروں اور نداؤں کے بلند ہونے کے لئے اسے برگزیدہ کر دیا۔ جس وقت یہ پرچہ تمہارے ہاتھوں تک پہنچے گا، اس وقت ذوالحجہ کی تیسری تاریخ ہوگی اور رہ باد یہ نوردان عشق آباد حجاز کے قافلے کوچ کے لئے تیار ہوں گے۔ اس وقت کا تصور کرو کہ وہ کیسا وقت عظیم ہوگا

جبکہ لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوۂ ابراہیمی کی روحانیت عظمیٰ اپنے خداوند کو بے قرارانہ پکارے گی، اور اس کے مقدس عہد و میثاق کا رشتہ تازہ ہوگا؟ لاکھوں سر ہوں گے جو بے قرارانہ خداوند کے حضور جھکائے جائیں گے، لاکھوں پیشانیاں ہوں گی جو اس کی چوکھٹ پر گرائی جائیں گی، لاکھوں دل ہوں گے جو اس کے نظارۂ جمال کے عشق میں ڈوب جائیں گے اور لاکھوں زبانیں ہوں گی جن سے اس کے حضور میں دعائیں نکلیں گی۔ پھر اس وقت ایسا ہوگا کہ دریائے محبت الٰہی جوش میں آئے گا، ملائکہ مقربین اس کے خلوت وصال کو اس کے دوستوں کے لئے خالی کر دیں گے، اور وہ اپنے جمال عالم آرا کے جلوے سے اس تمام محشر عشق و طلب کو ڈھانپ لے گا۔

سو چاہیئے کہ اس وقت عظیم وجلیل اور ایام الاہیۂ مخصوصہ کے حصول کو غنیمت سمجھو، اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو، لیکن اپنی تمام قوتوں اور تمام جذبوں سے کوشش کرو کہ تمھاری دعائیں بھی ان دعاؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور تمھاری بے تابیاں اور بے قراریاں بھی ٹھیک اسی وقت خدا کے حضور رحمت طلب ہوں کہ یہ وقت پھر میسر نہ آئے گا۔ دنیا انقلاب و تجدد کے ایک مہیب عہد سے گذر رہی ہے اور نئے موسم کی علامتوں نے ہر طرف طوفانوں اور بجلیوں کی ایک قیامت کبریٰ بپا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ روز ہجر ختم ہونے والا اور عہد وصال کی ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو، پس ضرور ہے کہ دن بھر جن

لوگوں نے غفلت کی ہے، وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہ کریں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آگئی ہے، اور چراغوں کا انتظام کرنا چاہیئے۔

ہاں ہر مومن کو چاہیئے کہ وہ یکسر دعاؤں میں ڈوب جائے، اور ان مقدس ایام کے اندر صدق دل سے توبہ کرے، اور اپنے خداوند سے اپنا معاملہ درست کرلے یہ بڑا ہی سخت وقت ہے جس کی نوشتہ الٰہی میں خبر دی گئی تھی۔ وہ وقت موعودہ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آگیا ہے اور زمین اپنے گناہوں کی پاداش میں الٹ دی گئی ہے۔ بس توبہ کرو اور اس کے سامنے اپنی سرکشیوں کا سر مجرموں کی طرح ڈال دو، اور تڑپ تڑپ کے وہ سب کچھ مانگو جس کو تمہارا دل چاہتا ہے، مگر تمہارے اعمال اس کے سزاوار نہیں ہیں تم اس کے حضور حج کے دن اور عید کی صبح کو جبکہ خلیل اللہ نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی تھی مسکینوں اور لاچاروں کی طرح گر جاؤ، اپنی سرکشیوں اور نفس پرستیوں کے گوسالہ کو ذبح کر دو۔ (فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ) اور گڑگڑا کر دعا مانگو کہ خداوند زمین کی سب سے بڑی مصیبت، انسانی معصیت کے سب سے بڑے عذاب اور انقلاب اقوام وملل کے سب سے زیادہ مہیب موسم کے وقت ابراہیم واسمٰعیل کی ذریت کو نہ بھلائیو اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیجیو۔

علی الخصوص عید کے دن جب اس کے حضور کھڑے ہو تو اپنے گناہوں کو یاد کرو۔ تم میں ایک روح بھی ایسی نہ ہو جو تڑپتی نہ ہو اور ایک آنکھ بھی ایسی نہ ہو

جس سے آنسوؤں کے چشمے نہ بہہ رہے ہوں۔ یاد رکھو کہ دل کی آہوں اور آنکھوں کے آنسوؤں سے بڑھ کر اس کی درگاہ میں کوئی شفیع نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح بھی ہو سکے اپنے خدا کو راضی کرو اور اسے منالو، کیونکہ تم نے اپنی بداعمالیوں سے اسے غصہ دلایا اور اس کے پاک حکموں کی پروا نہ کی۔ اور تم یوں پکارو کہ اے ابراہیم اور اسمٰعیل کے خداوند، اور اے رسول امی کے پروردگار! ہم نے تیرے عہد کی پروا نہ کی اور اپنی بداعمالیوں سے تیری مقدس زمین کو ملوث اور گھنونا کر دیا لیکن اب ہم اپنی سزاؤں کو پہنچ چکے اور ہم نے بڑا سا بڑا دکھ اٹھا لیا، ہم مثل یتیم لڑکوں کے ہو گئے ہیں جن کے والدین کو ان سے جدا کر دیا گیا ہو، کیونکہ ہمارا خدا ہم سے راضی نہ رہا اور ہم غمگینی اور رسوائی کے لئے چھوڑ دئے گئے۔ پر اے حی وقیوم! اب ہم پر رحم کر، ہمارے قصوروں کو معاف کر، اور ہم سے منہ نہ موڑ، ہماری خطائیں بے شمار ہیں لیکن ہم سب تیرے ہی نام سے کہلاتے ہیں اور تیری راہ میں دکھ اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔

اگر نہ بہر من، از بہر خود عزیزم دار
کہ بندہ خوبی او خوبی خداوند است!

اے ستار وتواب الرحیم! کیا ہمارا غم دائمی ہے، کیا ہمارے خزاں کے لئے کبھی بہار نہیں، اور کیا ہمارے زخم کے لئے کوئی مرہم نہ ہوگا؟ اے نسل ابراہیمی کے امیدگاہ تو ہمیشہ کے لئے ہمیں نہ بھول اور ہمیں اپنی طرف لوٹا لے

ہم تجھ سے ہمیشہ بھاگے ہیں مگر اب ہم تیری طرف لوٹ آئیں گے، کیونکہ ہمیں کہیں پناہ نہ ملی۔

تو ہمیں نیکی اور صداقت کے لئے چن لے، اور اپنی ہدایت و عدالت کی تبلیغ کا بوجھ پھر ہماری گردنوں پر ڈال! دنیا آج انتہائی ترقی کے بعد بھی امن و عدالت کے لئے ویسی ہی تشنہ ہے جیسی ظہور صداقت کبریٰ کے اوّلین عہد جہالت میں تھی!

مضامین ابو الکلام آزاد

جلد دوم

مرتبہ: بدر الحسن بی اے جامعہ

الہلال۔۔۔ کے ادبی، سیاسی، اور تعلیمی
مضامین کا مجموعہ۔ قیمت چار روپے (للعہ)

ملنے کا پتہ

هندستانی پبلشنگ هاؤس قرول باغ
دہلی